حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی
ملفوظات
حکیم الامت
اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسلسلہ

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کی مجالس اور اسفار نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام علیہم السلام
اولیائے عظام رحمہم اللہ کے تذکروں عاشقانِ الٰہی ذوالاحترام کی حکایات و روایات دین
برحق مذہب اسلام کے احکام و مسائل جن کا ہر ہر فقرہ حقائق و معانی کے عطر سے معطر
ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا ہر کلمہ شراب عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق
نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی، عقلی، نقلی، معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا
دفینہ ہے جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) محقق جامع بین الاضداد ہوتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عارفین نے لکھا ہے کہ محقق وہ ہے جو جامع بین الاضداد ہو۔ ایک صاحب نے جو لکھے پڑھے بھی تھے مجھ سے پوچھا کہ کسی سے بغض فی اللہ بھی ہو پھر اس کی دل میں تحقیر بھی نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ ایک بادشاہ نے اپنے شہزادہ کو کسی جرم کی سزا پر بید لگانے کا حکم دیا اور بید لگانے والا بھنگی ہے تو کیا عین بید لگانے کے وقت بھنگی کو یہ خیال ہوا کہ شہزادے سے افضل ہوں ہرگز نہیں یہی سمجھے گا کہ میں بے چارہ بھنگی اور یہ شہزادہ اس کے سامنے کیا چیز ہوں۔ تو شہزادے کو اپنے سے لاکھوں درجہ افضل اور اپنے کو اس سے کمتر اور اس فعل موجب سزا کو قبیح و مبغوض سمجھنا یہ سب باتیں ایک وقت میں جمع ہو سکتی ہیں اس مثال کو سن کر بہت خوش ہوئے اور یہ کہا کہ بہت عرصہ کا شبہ آج حل ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ ایسے علوم کا تعبیر کر دینا تو آسان ہے مگر عمل کے وقت ان کا استحضار بڑا مشکل ہے وہ جامعیت ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور جامعیت کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے کہ یا تو اس نے مجاہدہ عظیم کیا ہو یا کسی کامل کی صحبت ملی ہو اور ہر حال میں طبیعت میں سلامتی ہو۔ بلکہ اس میں زیادہ دخل صحبت کو ہے حتی کہ اگر زیادہ مجاہدہ بھی نہ کیا ہو وہ تب بھی استحضار کامل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ صحبت کامل کی مل چکی ہو اور طبیعت میں سلامتی ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی کی حکایت ہے ایک مولوی صاحب نے اپنے مشاہدہ سے بیان کی۔ وہی مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں ایک مرتبہ قصبہ رامپور سے دیوبند پہنچا میرا ایک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) محقق جامع بین الاضداد ہوتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عارفین نے لکھا ہے کہ محقق وہ ہے جو جامع بین الاضداد ہو۔ ایک صاحب نے جو لکھے پڑھے بھی تھے مجھ سے پوچھا کہ کسی سے بغض فی اللہ بھی ہو پھر اس کی دل میں تحقیر بھی نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ ایک بادشاہ نے اپنے شہزادہ کو کسی جرم کی سزا پر بید لگانے کا حکم دیا اور بید لگانے والا بھنگی ہے تو کیا عین بید لگانے کے وقت بھنگی کو یہ خیال ہوا کہ شہزادے سے افضل ہوں ہرگز نہیں یہی سمجھے گا کہ میں بے چارہ بھنگی اور یہ شہزادہ اس کے سامنے کیا چیز ہوں۔ تو شہزادے کو اپنے سے لاکھوں درجہ افضل اور اپنے کو اس سے کمتر اور اس فعل موجب سزا کو قبیح و مبغوض سمجھنا یہ سب باتیں ایک وقت میں جمع ہوسکتی ہیں اس مثال کو سن کر بہت خوش ہوئے اور یہ کہا کہ بہت عرصہ کا شبہ آج حل ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ ایسے علوم کا تعبیر کردینا تو آسان ہے مگر عمل کے وقت ان کا استحضار بڑا مشکل ہے وہ جامعیت ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے اور جامعیت کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے کہ یا تو اس نے مجاہدہ عظیم کیا ہو یا کسی کامل کی صحبت ملی ہو اور ہر حال میں طبیعت میں سلامتی ہو۔ بلکہ اس میں زیادہ دخل صحبت کو ہے حتیٰ کہ اگر زیادہ مجاہدہ بھی نہ کیا ہو وہ تب بھی استحضار کامل ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ صحبت کامل کی مل چکی ہو اور طبیعت میں سلامتی ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی کی حکایت ہے ایک مولوی صاحب نے اپنے مشاہدہ سے بیان کی۔ وہ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں ایک مرتبہ قصبہ رامپور سے دیوبند پہنچا میرا ایک

مقدمہ تھا میرے ساتھ ایک ہندو بھی تھا اس کا مقدمہ سے تعلق تھا اس ہندو نے دیوبند پہنچ کر مجھ سے پوچھا کہ کہاں ٹھہرو گے میں نے کہا کہ میں حضرت مولانا کے یہاں ٹھہروں گا اس نے کہا کہ میں کھانا تو بازار سے کھالوں گا باقی قیام کے لئے ایک تھوڑی سی جگہ اور ایک چھوٹی سی چارپائی مولانا کے یہاں مجھ کو بھی مل جائے تو بڑی آسانی ہو اور عدالت میں جمع ہو کر چلنے میں کوئی تکلف نہ ہو۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت مولانا ہی کی بیٹھک میں انتظام کر دیا ایک روز میں اور وہ ہندو اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے ہوئے تھے دوپہر کا وقت تھا حضرت زنانہ مکان سے دبے دبے پیروں بیٹھک میں تشریف لائے اور اس ہندو کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانا شروع کر دیئے وہ اس قدر بے ہوش سو رہا تھا کہ خراٹوں کی آواز آ رہی تھی میں چونکہ جاگ رہا تھا اس لئے برداشت نہ کر سکا فوراً اٹھ کر پہنچا اور عرض کیا کہ میں دبا دوں گا فرمایا کہ میرا مہمان ہے مجھ پر حق ہے۔ میں نے پھر اصرار کیا فرمایا جاؤ تم دخل دینے والے کون ہوتے ہو آرام کرو زیادہ بات کرنے سے بے چارے کی آنکھ کھل جائے گی اور تکلیف ہوگی کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی کا مجھ کو تو یہ حکایت سن کر حیرت ہوگئی کہ اے اللہ اپنے کو بالکل مٹا ہی دیا تھا یہ حضرات عادل ہوتے ہیں اس وقت مہمان ہونے کے حقوق ادا کئے اور اگر دوسری حیثیت کے ظہور کا وقت ہوتا یعنی کفر کی حیثیت کا تو پھر دیکھو کہ اسی کی گردن پر تلوار ہوتی بس اس طرح سے جمع بین الاضداد ہو جاتا ہے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت مولانا کی تو کچھ عجیب ہی شان تھی اپنے خادموں سے بے حد محبت فرماتے تھے اور یہ سب برکت اپنے بزرگوں کی محبت اور دعاؤں کی ہے ورنہ مجھ کو اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہے کہ نہ علم ہے نہ عمل نہ فضل نہ کمال بس جو کچھ ہے اپنے بزرگوں ہی کی نظر عنایت کے ثمرات ہیں۔

(۲) اساتذہ کے اخلاق کا بھی اندازہ لگانا چاہیئے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کی ایک بات مجھ کو بہت ہی پسند آئی وہ مولوی صاحب ایک مدرس کو جس کے اخلاق کا اثر بھی طلبہ پر پڑے ندوہ لے جانا چاہتے تھے ان کی تواضع و انکسار ان کو پسند آیا یا شاید کسی نے اس کی روایت کی۔ ایک دوسرے شخص نے ایک دوسرے فاضل کا نام لیا جو علم و فضل میں ان پہلے صاحب سے بڑھے ہوئے تھے جن کو وہ

تجویز کرتے تھے لے جانے والے مولوی صاحب نے جواب میں کہا کہ وہاں متکبرین کی پہلے ہی سے کمی نہیں مطلب اللہ تعالیٰ نے اسی وقت مدد فرمائی اور قلب میں جواب القاء فرمایا یہ سب ان کی ہی رحمت ہے۔ میں نے کہا کہ عادت الٰہیہ یہ ہے کہ تابع کا اثر متبوع پر نہیں ہوتا۔ متبوع کا اثر تابع پر ہوتا ہے اس لئے نیکوں کو جو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو مطلب یہ ہے کہ ان کے تابع بن کر ان کی صحبت مت اختیار کرو لیکن اگر وہ تمہارے پاس آئیں گے تو تابع ہوکر آئیں گے ان کو اپنے پاس آنے دو۔ اسی طرح بدوں کو جو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو مطلب یہ ہے کہ تم ان کے تابع بن کر جاؤ۔ یہ جواب سن کر وہ صاحب بہت خوش ہوئے اگر حق تعالیٰ عقل سلیم اور فہم کامل کسی کو عطا فرمائیں بڑی ہی ان کی رحمت اور نعمت ہے اور بڑا ہی فضل اس بندے پر ہے جس کو ان نعمتوں سے نوازا جائے۔

(۳) اسلام کے دوست نما دشمن

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ اسلام کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ بنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اور کہتے ہیں کہ جہاد کا جو حکم ہے سو جہاد تلوار ہاتھ میں لے کر لڑنے کو نہیں کہتے اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی کیونکہ یہ ایک وحشیانہ حرکت ہے یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ جہاد اسلام پھیلانے کے واسطے نہیں ہے۔ ورنہ جزیہ مشروع نہ ہوتا مگر کیا دفع مضرت کے لئے بھی اس کا اختیار کرنا وحشیانہ حرکت ہے اگر یہ ہے تو سارے عالم کی قومیں اس پر کیوں متفق ہیں اور تمام عالم کا اس پر عمل کیوں چلا آ رہا ہے۔ دفع مضرت کے لئے سب تلوار اٹھاتے ہیں تو پھر اسلام ہی پر کیا اعتراض ہے بلکہ اس کو تو امر فطری کہہ سکتے ہیں سو یہ عجیب بات ہے کہ اگر اسلام ایک بات کہے تو اس کو وحشیانہ حرکت سمجھا جائے اور خود وہی بات کریں تو حرکت انسانیہ سمجھا جائے باوجود اس کے پھر بھی ایسے عقلمند لوگ آج کل بہت موجود ہیں جو اسلام کی دوستی کے پردے میں دشمنی کرتے ہیں دوست نما دشمن ایسوں ہی پر صادق آتا ہے۔ ایسوں سے کہنا چاہئے کہ ارے تم جہاد کی کیا تحقیقات کرو گے تم آج تک اپنی ہی تحقیق نہ کر سکے ایسوں ہی پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی بے باکوں کی نسبت فرماتے ہیں

ظالم آن قومیکہ چشمان دوختند از سخنھا عالمے راسو ختند

یہ تھا کہ جن کا تم نے نام لیا وہ متکبر ہیں مجھ کو یہ بات بہت ہی پسند آئی

(۴) بغیر تحقیق کئے بات نہ کرنا چاہئے

ایک صاحب کی غلطی پر کہ انہوں نے بے تحقیق ایک بات کہہ دی مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بدون تحقیق کے آپ نے یہ بات کیسے کہی کیا زیادہ بولنے کا بھی آپ میں مرض ہے کہ واقعہ کی تحقیق نہ کی اور بکنا شروع کر دیا جب ایسے مہذب لوگوں کی یہ حالت ہے تو اوروں کی کیا شکایت کی جاوے یہ حالت بالکل اس کے مصداق ہے جو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ کہاں تک ان لوگوں کی اصلاح کی جائے جب خود ہی اپنی اصلاح کی فکر نہیں تو پھر کیا خاک اصلاح ہو سکتی ہے ان ہی باتوں پر مجھ کو بد خلق اور سخت گیر کہا جاتا ہے اپنے اخلاق حسنہ اور نرم گیری کو نہیں دیکھتے کہ بے اصول باتوں سے دوسروں کو ایذاء پہنچاتے ہیں جب ان صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا تو فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کیا زبان سل گئی پہلے تو بڑی چبڑ چبڑ لگا رکھی تھی اب کیوں نہیں زبان چلتی۔ عرض کیا کہ فی الحقیقت مجھ سے غلطی ہوئی۔ حضرت والا معاف فرمائیں آئندہ کبھی بلا سوچے اور تحقیق کئے ہوئے کوئی بات نہ کروں گا فرمایا کہ ضرور احتیاط رکھنا چاہئے باقی معافی کے خواستگار کو معاف ہی ہے مگر کیا غلطی پر آگاہ بھی نہ کروں اور خاموش رہوں اگر ایسا کروں تو غلطیوں کی اطلاع کیسے ہو اور پھر اصلاح کا ذریعہ کیا ہو۔ انسانیت سیکھو بہیمیت کو چھوڑو۔ حقیقت یہ ہے کہ بزرگی آسان ولایت آسان قطبیت غوثیت آسان مگر آدمیت اور انسانیت مشکل۔ میں اسی کو دوسروں کے دل میں اتارنا چاہتا ہوں جس پر منہ بناتے ہیں۔

(۵) فہم سلیم بڑی چیز رحمت ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق تعالیٰ اگر کسی کو فہم سلیم عطا فرما دیں یہ ان کی بڑی رحمت ہے ورنہ آج کل اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کم فہم لوگ زیادہ ہیں اور اس بدفہمی کا سبب اکثر بے

فکری ہے اگر لوگ فکر سے کام لیں تو اس قدر غلطیاں نہ ہوں مگر زیادہ تر اسی کی کمی ہے۔

(۶) صحبت میں تابع کا اثر متبوع پر پڑتا ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر مشکل باتیں پیش آئیں مگر حق تعالیٰ نے ہمیشہ مدد فرمائی۔ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ نیکوں کو تو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو اور بدوں کو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو تو اس صورت میں نیک اپنی صحبت میں بدوں کو آنے کیوں دیں گے جبکہ ان کو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو پھر بدوں کو نیکوں کی صحبت کیونکر میسر ہوگی۔فرمایا کہ جواب سننے کے بعد تو کچھ بھی اشکال نہیں رہتا۔مگر اول وھلہ میں تو بڑا ہی سخت اشکال ہے۔اور ایسی باتیں اکثر ان نیچریوں اور ملحدوں اور بددینوں کی ہوتی ہیں ان کو نہ علم سے تعلق نہ دین کی خبر اور غیر ضروری تحقیقات کا مرض یہ حاصل ہے ان تحقیقات کا۔

(۷) اکابر علماء کا مسلک ومشرب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرات کا ہمیشہ یہ مسلک اور مشرب رہا ہے کہ غرباء اور دینداروں سے محبت رکھتے تھے اور اہل دنیا خصوصاً اہل مال سے جو امراء کہلاتے ہیں خصوصیت کا تعلق نہ رکھتے تھے اور امراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو متمول ہونے کے ساتھ دنیادار بھی ہیں لیکن اگر ان میں سے بھی کوئی دیندار ہو تو اس سے بھی خصوصیت کا تعلق رکھتے تھے ورنہ نہیں۔یہ بات ہماری اس ہی جماعت کے ساتھ خاص تھی ورنہ دوسرے اکثر علماء کو دیکھا کہ وہ امراء کو لپٹتے ہیں ان کی چاپلوسیاں کرتے ہیں اور یہ سب کچھ کرنے کا سبب محض اپنی دنیاوی اغراض ہیں۔ہمارے حضرات میں ایک استغناء کی شان تھی توکل اعلیٰ درجہ کا تھا کبھی دنیاوی اغراض کی بناء پر کسی سے تعلق نہ پیدا فرماتے تھے۔

(۸) اہل اللہ کے بھی امور طبیعہ نہیں بدلتے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ خدا کے ساتھ عقلی اور اعتقادی محبت تو سب اہل اللہ کو ہوتی ہے مگر طبعی محبت بعض میں کم ہوتی ہے مگر اس پر کوئی مواخذہ بھی نہیں اس لئے کہ یہ غیر اختیاری ہے اسی طرح ترک اسباب اور توکل میں اہل اللہ کا مختلف

مذاق ہے۔ اس کی وجہ وہی بعض امور کا طبعی ہونا ہے۔ اور ایسے امور طبعیہ بدلا بھی نہیں کرتے اور یہ ناواقف صوفیوں کی گڑ بڑ ہے وہ کہتے ہیں کہ امور طبعیہ بھی بدل جاتے ہیں جو محض غلط ہے البتہ ان میں مجاہدہ سے اعتدال آ جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے ایمان قبول کر لینے کے متعلق کس درجہ کی کوشش فرمائی۔ نتیجہ اظہر من الشمس ہے۔ غرض کہ امور طبیعہ نہیں بدلا کرتے یہ ناواقف صوفیہ کی گڑ بڑ ہے کہ وہ ایسا کہتے ہیں۔

(۹) عالم میں کفر و معصیت کے وجود کی حکمت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ کا یہ سوال کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے متعلق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے متعلق ایمان لانے کی سعی اور کوشش فرمائی مگر انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اگر ایمان قبول کر لیتے تو اس سعی اور کوشش کا نتیجہ برآمد ہو جاتا تو گویا وہ سعی بیکار گئی سو یہ سوال خاص فرعون اور ابوطالب ہی کے متعلق کیوں ہے بلکہ سارے عالم کے کفار کے ساتھ یہی شبہ متعلق ہو سکتا ہے بلکہ عصاۃ کے عصیان کے متعلق بھی۔ مگر یہ تشریعاً تو صحیح ہے کہ ایمان لانا اور اطاعت کرنا سب کا مطلوب ہے لیکن ایسا ہونا تکویناً خلاف حکمت تھا اس لئے کہ حق تعالیٰ کی جہاں اور صفات ہیں وہاں حکیم ہونا بھی۔ اسی طرح ایک صفت منتقم ہونا بھی ہے ایک صفت غفور ہونا بھی ہے ان کے ظہور کا اقتضاء یہ ہے کہ معصیت اور کفر کا وجود بھی عالم میں ہوتا کہ ان صفات کا ظہور ہو اسی کو فرماتے ہیں۔

در کار خانہ عشق از کفر ناگزیر ست   آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

رہا یہ کہ صفات کے ظہور ہی کی کیا ضرورت ہے تو یہ مسئلہ قدر کا ہے اور فوق العقول اور اسی واسطے اس میں خوض ناجائز ہے۔

(۱۰) پرفتن دور

ایک مولوی صاحب کے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ زمانہ نہایت ہی پرفتن ہے دین میں تحریف کرنے والے اس زمانہ میں بکثرت پیدا ہو گئے۔ ملحد اور دہری بھرے پڑے ہیں اور کوئی کام تو رہا نہیں شب و روز بیٹھے ہوئے احکام اسلام میں کتر بونت کرتے رہتے ہیں۔ احکام طب

میں یا احکام تعزیرات ہند میں انہوں نے کبھی کتر بونت نہیں کی اور اس دین کے تو حق تعالیٰ محافظ ہیں ورنہ یہ تو ہر وقت اس کی بیخ بنیاد ہی اکھیڑنے کی فکر میں لگے ہیں۔ خیر یہ بھی لگالیں زور ان سے پہلوں نے بھی بہت زور لگا لئے ہیں مگر اسلام اور احکام اسلام کی بقاء کی تو یہی شان رہی۔

ہنوز آن ابر رحمت درفشاں است　　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

(۱۱) ہر شخص اپنی رعایت کا خواہاں ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی تھوڑی سی رعایت کرتا ہے تو اس کی بہت کچھ رعایت کرنے کو جی چاہتا ہے مگر اب تو ہر شخص اپنی ہی رعایت چاہتا ہے اور دوسرے کی قطعاً رعایت نہیں کرتا۔　۲ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(۱۲) حضرات اکابر کی جامعیت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس زمانہ میں اپنے حضرات کے علوم اور شان تحقیق کو دیکھ کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بڑے درجہ کے لوگ پیدا کئے ہیں ان حضرات کی واقعی یہ حالت تھی کہ جامع تھے ظاہر اور باطن کے کسی نے خوب ہی کہا ہے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق　　　ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

خصوصاً تصور میں تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان تحقیق عجیب ہی تھی۔ اپنے زمانہ میں امام مجتہد مجدد اور محقق تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اس زمانہ میں رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے۔ میں نے کہا کہ ہمارے اکابر کے ملفوظات اور تحقیقات دیکھ لو معلوم ہو جائے گا کہ اس زمانہ میں بھی رازی اور غزالی موجود ہیں۔ صاحب نبوت ہی تو ختم ہوئی ہے باقی اور کمالات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کا زمانہ اس قدر فتن اور شر کا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ یہ سب ان حضرات کی تصنیفات اور تحقیقات دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے مگر ان کو دیکھتا کون ہے کیونکہ مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔

(۱۳) اتباع سنت کی برکت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولانا محمد صدیق صاحب انبیٹھوی نے ایک عجیب اور کام

کی بات فرمائی وہ یہ کہ ہماری جماعت میں جو باوجود زیادہ مجاہدہ نہ ہونے کے اللہ کا فضل ہو جاتا ہے اس کا سبب اتباع سنت کا اہتمام ہے اس کی برکت سے اس طرف سے جذب کیا جاتا ہے کیسی عجیب اور کام کی بات فرمائی۔ سبحان اللہ

(۱۴) آج کل کے بدعتی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار میری ایک لکھی ہوئی تقریر سن کر فرمایا کہ میرے دل میں یہی تقریر تھی تو نے میرے سینہ کی شرح کر دی۔ یہ نقل کر کے حضرت والا پر ایک خاص کیفیت اور حالت طاری ہو گئی اور اس حالت میں فرمایا کہ میں فخر کی راہ سے نہیں کہہ رہا اور میں کیا فخر کر سکتا ہوں میں بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے کو تمام موجودات سے کمتر سمجھتا ہوں۔ تو فخر کیا کرتا محض اللہ کا فضل ہے کہ یہ دولت نصیب فرمائی اور دعویٰ اور فخر تو بہت دور ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ایمان ہی کے ساتھ دنیا سے چلا جاؤں یہی بڑا فضل ہے باقی درجات کا تو کبھی قلب میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا اور ہم درجات کی کیا تمنا کریں۔ ہماری ہستی ہی کیا ہے سب ان کی عطاء ہے اور عطاء پر کیا کوئی دعوی اور فخر کر سکتا ہے۔ دعوے تو وہی کر سکتا ہے جو اس کو اپنا کمال سمجھتا ہو اور یہاں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ یہی اعتقاد ہے کہ جو کچھ ہے صرف اپنے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے۔ اور دعائیں میں نے ہر مسلک کے بزرگوں سے لی ہیں حتی کہ ایسوں سے بھی جو صورۃ بدعتی کہلاتے تھے کیونکہ پہلے ایسے لوگ بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے ان میں تدین تھا عناد اور شرارت نہ تھی جیسے آج کل کے بدعتی کہ اکثر بددین بلکہ فاسق فاجر تک ہیں۔

(۱۵) ہم رنگ سمجھنے کی مثال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو ہر شخص اپنا ہم رنگ سمجھتا ہے حالانکہ میں کسی کے رنگ پر نہیں اور ایک عجیب مثال فرمائی کہ میری مثال ایسی ہے جیسے پانی اس کو جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا جائے گا اسی رنگ کا نظر آنے لگے گا اور خود اس کا کوئی رنگ نہیں۔

(۱۶) قلب میں صرف ایک کے سمانے کی جگہ ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی محض عظمت ہی کا اعتقاد کافی نہیں۔ ان کی تمام صفات پر اعتقاد ہونا چاہیے اور وہ بھی اجمالاً و ابہاماً جیسا نصوص میں وارد ہے اسی میں خیریت ہے اور جب تفصیل کرے گا خطرہ میں پڑے گا جس کا حاصل قیاس الغائب علی الشاہد ہوگا۔ لیکن اکثر علم رسمی کی بدولت یہ تفصیل ذہن میں آ ہی جاتی ہے مگر اس کا مقابلہ ہمت سے کرنا چاہئے اور ذہن کو روکنا چاہئے اس مقاومت کی سخت ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی آہ وزاری وتضرع وگریہ میں لگ جائے۔ حفاظت کی دعا کرے، میں یہ تدبیر تجربہ کے بعد عرض کر رہا ہوں یہی ایک تدبیر ہے کہ تدبیر کی بھی ان ہی سے درخواست کی جائے اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ علم مضر چیز ہے ایسا نہیں بلکہ علم سے جیسے بعض مضرت کا اندیشہ ہے ویسے ہی صاحب علم کی جلد سے جلد رہبری بھی کرتا ہے۔ بخلاف جاہل کے کہ اگر وہ اس گرداب میں کسی وجہ سے پھنس جائے تو اس کی نجات کی پھر کوئی صورت ہی بظاہر نہیں معلوم ہوتی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی فرق ہے کہ جاہل پر ایسی حالت کا آنا بھی مشکل مثل شاذ کے ہے زیادہ خطرہ اس میں عارفین کے لئے ہے جن کی نظر ہر چیز میں دور پہنچتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ طریق ہی بہت نازک ہے مگر جس پر یہ حالتیں نہ گزری ہوں وہ اس نزاکت کو کیا سمجھ سکتا ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

اے ترا خارے بپا شکستہ کے دانی کہ چیست　　　حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

اسی کو عارف شیرازی بھی فرماتے ہیں اور خوب ہی فرماتے ہیں

شب تاریک وبیم موج وگرداب چنیں ہائل　　　کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

اور صاحب یہ تو سب ضابطہ کے قیل وقال ہیں اصل مدار تو ان کا اختیار اور ان کی قدرت ہے وہ عالم کو جاہل کردیں جاہل کو عالم کردیں سونے کو لوہا کردیں اور لوہے کو سونا کردیں اس لئے تحقیقات کی زیادہ کنج وکاوش میں نہ پڑے آہو شیر سے کیسے بچ سکتا ہے صورت نجات کی یہی ہے کہ سامنے کھڑا ہوجاوے کہ حضور حاضر ہوں جیسا بھی ہو۔ سنا ہے کہ سامنے پڑے کو شیر بھی نہیں کھاتا یہی آسان تدبیر ہے اگر یہ صحیح ہے تو وجہ تشبیہ یہی ہے ورنہ خود تشبیہ ہی پر مدار

مقصود نہیں۔ غرض وظیفہ عبودیت یہ ہے کہ جو خدمت ہوسکے کرتا رہے اعمال مطلوبہ پر مداومت رکھے اگر کوئی کوتاہی یا نقص دیکھے اس پر توبہ اور معذرت کرتا رہے بس اسی میں خیر ہے اور یہی شان ہے عبدیت کی اور عادۃ یہ حالت بدون تعلقات غیر واجبہ کو چھوڑے نصیب نہیں ہوسکتی۔ اس کی بھی کوشش ضروری ہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں۔

گر گریزی برامید راحتے ہم ازانجا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے ددو بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

اور خلوت یہی ہے کہ قلب کا تعلق سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہونا چاہئے بس یہ ہے سکون کی چیز۔ مگر آج کل لوگوں نے قلب کو اسٹیشن مراد آباد کا اسلامی مسافر خانہ بنا رکھا ہے کہ سب وہیں آ کر ٹھہرتے ہیں بچھراؤں والے بھی بریلی والے بھی سہارنپور والے بھی۔ میاں قلب تو ایک ہی کے رہنے اور سمانے کی جگہ ہے اور خداوند جل جلالہ کی ذات پاک ہے اور جن کے قلب میں وہ سما گئی ہیں ان کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ ان کو ہر نا گوار گوارا ہو جاتا ہے اور وہ ان تعلیمات کا مصداق و مظہر ہو جاتا ہے۔

گر مرادت راندا ق شکراست بے مرادی نے مراد دلبراست

اور

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من

اور

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(۱۷) غیر محقق شیخ کی صحبت کا اثر

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ایک ایسے شخص کے متعلق جو پہلے ایک غیر محقق شیخ سے بزرگ سے بیعت تھے فرمایا کہ اب چاہے کیسی ہی مفید صحبت ملے اور کیسی ہی اصلاح کی جائے مگر ان کے پہلے تعلق کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ ان سے اس قسم کی حرکات کا صدور ہو جاتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ مختلف محقق بزرگوں کی خدمت میں رہ کر بھی مذاق فاسد ہو جاتا ہے چہ جائیکہ کسی غیر محقق سے تعلق رہا ہو اس وقت تو

جو باتیں بری پیدا ہو چکی ہیں ان کا اثر بھی رہ جاتا ہے گو ان کے صدور کی نیت نہ ہو مگر بری باتیں تو بلا نیت کے بھی بری ہی ہیں اس لئے اول ہی تعلق کے وقت ضرورت ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے خوب سوچ سمجھ کر دے کسی اہل باطل کے ہاتھ میں پھنس جانے سے اصلاح کے بعد بھی وہ رنگ ضرور رہتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جب ہنڈیا پک گئی اور خراب ہوگئی ہے تو ٹھیک کرنے پر بھی وہ خراب رہتی ہے ایک دوسری مثال بھی ہے کہ ایک تو کنواری لڑکی سے نکاح کیا جاوے اور ایک بیوہ عورت سے کنواری لڑکی کو تو جس ڈھنگ پر چاہو لے آؤ لیکن بیوہ عورت خواہ دوسرے خاوند پر عاشق ہو جائے مگر اس میں پہلے خاوند کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہتا ہے۔ اسی طرح جو مرید پہلے کسی شیخ سے متعلق رہ چکا ہو وہ جب آوے گا خواہ اس کی کیسی ہی اصلاح ہو جائے مگر پہلے شیخ کے تعلق کا اثر اس میں کچھ نہ کچھ ضرور رہتا ہے اس لئے پہلے ہی دیکھ بھال کر کسی سے تعلق پیدا کرنا چاہئے۔

(۱۸) الاعراض عن الاعتراض

ملقب به الاعراض عن الاعتراض ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اعتراض سے تو انسان کسی حالت میں بھی نہیں بچ سکتا چاہے نیک ہو یا بد عالم ہو یا جاہل اس پر ایک حکایت بیان کرتا ہوں جو اس وقت یاد آ گئی ایک شخص ایک گھوڑی اور ایک بیوی ایک بچہ کو لے کر سفر میں چلا خود گھوڑی پر سوار ہو لیا اس لئے ترتیب میں آخر کسی کی تو تقدیم ہوتی ہے۔ بیوی بچہ کو پیدل ساتھ لے لیا۔ ایک گاؤں پر گزر ہوا لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو ہٹا کٹا خود تو گھوڑی پر سوار اور بے چارے بیوی بچے کو پیدل رگڑ رکھا ہے اگر ان کو سوار کر دیتا تو کونسا حرج تھا۔ یہ شخص گھوڑی سے اتر لیا اور بیوی بچہ کو گھوڑی پر سوار کر کے چلا ایک اور گاؤں پر گزر ہوا۔ لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو سسرا جورو کا غلام اس کو تو گھوڑی پر سوار کر رکھا ہے اور خود سائیس کی طرح پیدل گھسٹتا جاتا ہے۔ بیوی بچے خادم تھے وہی پیادہ چلے جاتے تو کیا مشکل تھا۔ اس شخص نے اب یہ کیا کہ سب کو ایک دم گھوڑی پر سوار کر دیا اور خود بھی سوار ہو گیا۔ ایک گاؤں پر گزر ہوا لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ ارے ظالم ویسے ہی چھری لے کر اس گھوڑی کو ذبح کر دیا ہوتا سب کے سب اس پر سوار ہو گئے رحم نہیں آتا۔ بے زبان جانور ہے ترسا ترسا کر مارتے ہو۔ سب

ایک دم اتر پڑے اور گھوڑی کا لگام پکڑ کر چل دیئے ایک گاؤں پر گزر رہوا۔ لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ دیکھو ناشکرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی سواری اس کو کوتل لے جا رہے ہے اور خود مصیبت جھیل رہے اگر باری باری اس پر سوار ہوتے سفر راحت سے قطع ہوتا تو حضرت کسی طرح بھی انسان اعتراضات سے نہیں بچ سکتا۔ بس اسلم یہ ہے کہ معترضین کو بکنے دے اور جو سمجھ میں آوے کرے۔ حیدر آبادی ماموں صاحب جو بڑے دانشمند تھے اور حکیمانہ باتیں کیا کرتے تھے مگر تصور میں غلو ہو گیا تھا اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ گل بکاؤلی ایک فضول سی کتاب ہے جس میں محض فرضی اور مہمل باتیں لکھی ہیں فرماتے تھے کہ ہم نے اس میں بھی ایک شعر مفید نکالا ہے شاعر اس کتاب کا اچھا ہے۔ سادہ زبان ہے وہ کہتا ہے۔

سن لاکھ تجھے کوئی سنا دے کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

میں اس میں اتنی اور قید لگاتا ہوں کہ عقلاً اور شرعاً جو سمجھ میں آوے وہ کرے۔ حدود سے تجاوز نہ ہو میں اسی سلسلہ میں اس وقت ایک بات بیان کرنا چاہتا ہوں اور جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں اتنا اور کہتا ہوں کہ میں جو اکثر مجالس میں اپنے معمولات یا حالات و واقعات بیان کیا کرتا ہوں الحمد للہ اس سے میرا یہ کبھی مقصود نہیں ہوتا اور نہ قصد ہوتا ہے کہ اپنا تبریہ یا تزکیہ کیا جاوے۔ استغفر اللہ بلکہ اس میں کوئی اصلاحی مشورہ ہوتا ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے مجھ کو بڑا بدنام کیا کہ نعوذ باللہ میں نے نبوت کا دعوی کیا ہے اور سبب اس بدنام کرنے کا ایک شخص کا خواب تھا۔ میں نے اس خواب کے جواب میں یہ لکھ دیا تھا کہ اس میں بشارت ہے کہ جس سے تمہارا تعلق ہے (یعنی مجھ سے) وہ متبع سنت ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے اس خواب کو شیطانی وسوسہ کیوں نہیں کہا۔ اس کی بڑی شہرت دی گئی۔ کتابوں میں اشتہاروں میں چھاپ چھاپ کر شائع کیا گیا گالیوں کے خطوط آنے لگے کسی میں کافر کسی میں منافق کسی میں فاجر۔ میں نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں سہارنپور کے مدرسہ کا جلسہ ہونے والا تھا مجھ کو مدعو کیا گیا میں گیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ یہ موقع اچھا ہے مجمع ہے بدنامی بہت ہوئی ہے وعظ میں اپنا تبریہ کر دیا جائے۔ میں نے کہا کہ میں تو اپنا تبریہ ہرگز نہ کروں گا اس لئے کہ عادۃً منشا ایسے تبریہ کا اشتباہ کا معتدبہ ہونا ہے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کی کوئی حقیقت یا اس کو کوئی اہمیت ہے جب ہی تو تبریہ کیا گیا۔ اور میں نے اس پر مثال کے طور پر یہ کہا کہ والد صاحب مرحوم میرٹھ میں ایک رئیس کے ملازم تھے اور جو مکان ریاست سے سکونت کے لئے ملا تھا اس کی پشت پر چمار بستے تھے سو اگر اس جوار کو قرینہ بنا کر کوئی میرے متعلق یوں کہنے لگے کہ یہ تو چمار ہے تو کیا اس وقت یہ مشورہ دیا جاوے گا کہ اس سے تبریہ کرو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت یہ مشورہ ہرگز نہ دیا جاوے گا تو اس میں اور اس میں کیا فرق ہے اس لئے میں یہاں بھی ہرگز ہرگز اپنا تبریہ نہ کروں گا۔ مولانا کو بہت محبت اور شفقت تھی فرمایا کہ اچھا تم نہ کہنا میں کہہ دوں میں نے کہا کہ آپ فرمادیں اختیار ہے مگر میں مجلس سے اٹھ کر چلا جاؤں گا میں اس مجلس میں بھی نہ بیٹھوں گا جس میں میرا تبریہ کیا جائے۔ پھر میں نے کہا کہ آخر اس میں میرا ضرر کیا ہے۔ فرمایا کہ دوسروں کا تو ضرر ہے وہ بد اعتقاد ہوتے ہیں بدگمان ہوتے ہیں برا بھلا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دو صورتیں ہیں یا تو ان کے پاس شرعی دلیل نہیں یا شرعی دلیل ہے اگر شرعی دلیل نہیں تو وہ خود اپنے ہاتھوں گناہ میں مبتلا ہوئے تو ہم کو اوروں کے بچانے کی کیا ضرورت اور اگر کوئی شرعی دلیل ہے تو گناہ ہی نہیں پھر ان کو اس سے بچانے کی کیا ضرورت اس پر مولانا خاموش ہو گئے۔ اس شہرت کی وجہ سے بعض کا خیال تھا کہ اب کی مرتبہ وعظ میں مجمع نہ ہوگا یا کم ہوگا اس لئے کہ بدنامی زیادہ ہو چکی ہے لیکن اور مرتبوں سے زیادہ مجمع ہوا۔ خود مخالف لوگوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان عالم کے وعظ تو بہت سنے ہیں اب کے ایک غیر مسلم کا بھی وعظ سن لیں۔ پھر وعظ جو ہوا وہ اتفاق سے ایک خاص ترتیب کے لحاظ سے جس کا سلسلہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اس آیت کا ہوا، **اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینا وھو عنداللہ عظیم** سو اس کے ضمن میں بلا قصد اس معاملہ کے متعلق بھی سب کچھ بیان ہو گیا جس سے مولانا بہت خوش ہوئے۔ غرض تبریہ ہی میں کیا رکھا ہے اور اسی میں کیا رکھا ہے کہ مخلوق ہمیں اچھا سمجھے انسان کے لئے جو اچھائی کی چیز ہے وہ یہ ہے کہ خداوند جل جلالہ کے ساتھ بندہ کا صحیح تعلق ہو پھر چاہے کوئی خوش رہے یا ناراض عارف کی نظر میں مخلوق کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جیسے مسجد کے لوٹے اور چٹائیاں۔ ان حضرات کا کوئی

کام مخلوق کے لئے نہیں ہوتا سب اللہ کے واسطے ہوتا ہے اور ایسا ہی شخص عارف کہلائے جانے کے قابل ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اگر میں عنداللہ مومن ہوں اور ساری دنیا مجھ کو مردود سمجھے میرا کچھ ضرر نہیں اور اگر عنداللہ مردود ہوں اور ساری دنیا قطب غوث اور ابدال سمجھے تو کچھ نفع نہیں۔ فلاں خان صاحب نے ساری عمر اسی میں صرف کی کہ مجھ کو برا بھلا کہا مگر الحمدللہ میں نے ایک سطر بھی جواب میں نہیں لکھی تو میرا کیا بگڑ گیا۔ قرآن شریف کا بھی یہی طرز ہے کہ احکام بیان کردیئے مخالف پر زیادہ ردوقدح نہیں کیا۔ ایک مولوی صاحب نے عجیب بات کہی کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو نفع مناظرہ سے کبھی نہیں ہوا۔ جب ہوا تبلیغ سے ہوا اور وہ بھی اس تبلیغ سے جو **جادلهم بالتی هی احسن** کے ماتحت ہوئی۔ حضرت لوگوں کو خبر نہیں مجھ کو خبر ہے کہ ان خان صاحب کے بعضے مرید خود ان کی تصنیفات کو دیکھ کر بداعتقاد ہوئے۔ میری تصنیفات کو دیکھ کر بداعتقاد نہیں ہوئے۔ میری تصنیفات کو اٹھا کر اب دیکھ لیا جائے بحمداللہ ان میں اس قسم کے مضامین نہ ملیں گے جن میں کسی سے بداعتقاد ہونے کی ترغیب دی گئی ہو بس حق کو واضح کردیا ہے اب جس طرف کسی کا جی چاہے جاوے ہر شخص اپنے دین کا ذمہ دار ہے۔ البتہ خود ان کی ہی تصنیفات کو دیکھ کر بعضے بداعتقاد ہوئے اور یہ کہا کہ اس میں تو تہذیب انسانی بھی نہیں عالم اور بزرگ ہونا تو بڑی چیز ہے۔ ابھی کا واقعہ ہے کہ بریلی میں ایک حکیم صاحب ہیں عمر رسیدہ آدمی ہیں پچیس سال سے ان کے مرید تھے ان ہی چیزوں کو دیکھ کر اب انہوں نے ان عقائد باطلہ سے توبہ کر لی ہے اور اس طرف رجوع کیا ہے۔ مجھ کو لکھا کہ میں آپ سے مرید ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ اس کام میں تعجیل مناسب نہیں اس کے بعد پھر ایک خط آیا کہ تعجیل نہ کرنے کی حد فرمائی جاوے۔ میں نے لکھ دیا کہ جب تک میرے چالیس وعظ اور رسائل نہ دیکھ لو اور بیس مرتبہ خط وکتابت اور دس مرتبہ ملاقات نہ کرلو اس وقت تک یہ حد پوری نہ ہوگی۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ میں وعظ اور رسائل بھی دیکھ لونگا خط وکتابت اور ملاقات بھی کرلوں گا یہ بھی لکھا کہ میں نے ان خان صاحب کے صاحبزادے سے بذریعہ اشتہار چند سوالات بھی کئے ہیں ان کا انہوں نے جواب بھی دیا ہے میں پھر کچھ سوالات کررہا ہوں وہ بھی آپ کے پاس بھیجوں گا۔

میں نے لکھا کہ مجھ کو ان چیزوں سے دلچسپی نہیں مجھ سے جس مقصد کے لئے رجوع کیا ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوسکتا اگر آپ کے نزدیک یہ سوال و جواب ضروری ہیں تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لئے مجھ سے رجوع کیا ہے اس کو موخر کردیا جائے اور جس میں اس وقت آپ کو انہماک ہے اس کو مقدم رکھا جائے جب اس سے فارغ ہو لیں اس وقت مجھ سے خط و کتابت کی جائے چاہے آپ سال بھر میں فارغ ہوں یا دو سال میں اس پر لکھا ہوا آیا کہ آپ نے ایسے عنوان سے لکھا ہے کہ مجھ کو اس سے نفرت ہوگئی اور اب میں کچھ نہ بولوں گا مجھ کو آنے کی اجازت فرمائی جاوے آدمی سمجھدار معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ ابھی جلدی کیا ہے کچھ خط و کتابت ہو لینے دیجئے اور اگر آپ آنا ہی چاہتے ہیں تو اس کے متعلق یہ ہے کہ یہاں پر رہتے ہوئے مجلس میں چپ بیٹھا رہنا ہوگا مکاتبت اور مخاطبت کی اجازت نہ ہوگی اس پر لکھا کہ میں کچھ نہ بولوں گا مجلس میں خاموش بیٹھا رہوں گا۔ پھر فرمایا کہ اس مضمون سے ان کو اس قدر نفع ہوا کہ تمام عمر کے مجاہدات اور ریاضات سے بھی وہ نفع نہ ہوتا اگر میرا مذاق بھی وہی مروج ہوتا تو ان کی اس تحریر سے میں خوش ہوتا کہ میرے ساری عمر کے دشمن کے مقابلہ میں میری نصرت کر رہے ہیں۔ بلکہ اور ترغیب دیتا مضمون منگا منگا کر دیکھتا اس میں مشورہ دیتا۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور ان کا فضل ہے کہ مجھ کو ہمیشہ ان چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان خرافات سے میری حفاظت فرمائی۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ آیا یہ شق زیادہ مفید ہے کہ ایک شخص کو فضول لایعنی بات سے ہٹا کر کام میں لگا دیا، یا وہ مفید تھا۔ جو انہوں نے تجویز کیا تھا نیز اگر درخواست بیعت کی کرتے ہی ان کو مرید کر لیتا اس قدر نفع ہوسکتا تھا جس قدر اب ہوا بلکہ الٹا اثر ہوتا یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ منتظر بیٹھے تھے کہ ادھر سے کوئی ٹوٹ کر آئے تو ہم اس کو دبوچیں اس صورت سے خاک نفع نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہے کہ طالب مطلوب ہوجاتا ہے اور مطلوب طالب پھر نفع کہاں نفع جب ہی ہوسکتا ہے جب ہر چیز حد پر رہے۔ نیز حق میں حق تعالیٰ نے قوت دی ہے اور تالیف قلوب ضعف کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اگر کبھی کسی عارض سے ایسا ہوا تو اس کو باقی اور مستمر تو نہیں رکھا گیا۔ حق کی قوت کو ارشاد فرمایا گیا ہے قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان

زھــو قــا اور تعجب ہے کہ لوگ سب چیزوں میں خاصیت کے قائل ہیں مگر حق کی خاصیت کے قائل نہیں عجیب عقلیں ہیں تمت رسالة الاعراض عن الاعترض ۔

(۱۹) مشائخ کو تعلق سے گریز کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے مشائخ تو کیمیا گر سے بھی گئے گزرے ہیں کیمیا گر ایک نہایت پست کمال کی وجہ سے کسی کو منہ نہیں لگاتا بڑے بڑے دنیادار اور مالدار اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں مگر وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کیسا استغناء ہوتا ہے اور یہ مشائخ دعوی کرتے ہیں شیخ ہونے کا حق تعالیٰ سے تعلق کا محبت کا اور پھر مخلوق کی طرف نظر اور ان کی چاپلوسی کرتے ہیں مجھ کو تو ایسی باتوں سے طبعاً غیرت آتی ہے کہتے ہیں کہ دین کے نفع پہنچانے کے لئے اخلاق کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور مخلوق سے تعلق رکھا جاتا ہے مگر یہ سب محض زبانی جمع خرچ ہے دل میں کچھ اور ہے تعلق کو تو میں منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں اب تو تملق ہی دیکھا جاتا ہے۔

(۲۰) عنوان کا اثر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عنوان کا بھی اثر بڑا ہوتا ہے بات ایک ہی ہوتی ہے مگر تعبیر کا طریق جدا ہوتا ہے۔ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کے کونڈوں کو منع فرمایا کرتے تھے شاہی خاندان کی ایک بڑی بی بڑی تند خو تھیں ان سے جا کر کہا انہوں نے حضرت شہید کو بلا کر کہا کہ بیٹا ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کے کونڈوں کو منع کرتے ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ میری مجال حضرت بی بی کے کونڈوں کو منع کروں میں نے منع نہیں کیا کسی نے آپ سے غلط کہا بلکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ابا جان منع کرتے ہیں۔ کہنے لگیں کس طرح مولانا نے کل بدعة ضلالة پر ایسی تقریر فرمائی کہ اس رسم کی حقیقت واضح ہوگئی۔ بڑی بی نے توبہ کی اسی عنوان کے موثر ہونے پر ایک اور واقعہ یاد آیا ایک شاہ صاحب اہل سماع سے تھے اتفاق سے آلہ آباد میں ملے کہنے لگے کہ آپ تو چشتی ہیں پھر آپ سماع کے کیوں مخالف ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کا جواب تو بعد میں دوں گا پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں آپ یہ بتلائیں کہ طریق کی روح کیا ہے

کہا کہ مجاہدہ۔ میں نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے آپ یہ بتلائیں کہ مجاہدہ کی حقیقت کیا ہے کہا کہ نفس کے خلاف کرنا۔ میں نے دریافت کیا کہ اب آپ سچ بتلائیے کہ سماع سننے کو آپ کا جی چاہتا ہے یا نہیں کہا کہ چاہتا ہے میں نے کہا کہ ہمارا بھی چاہتا ہے۔ مگر آپ جی چاہا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے تو صاحب مجاہدہ تم ہوئے یا ہم صوفی تم ہوئے یا ہم درویش تم ہوئے یا ہم سمجھ گئے اور کہا کہ ایک عرصہ سے اس میں ابتلاء تھا آج حقیقت معلوم ہوئی عنوان ہی کی برکت ہے اگر ویسے مناظرانہ گفتگو ہوتی تو سوائے قیل قال کے کوئی بھی نتیجہ نہ نکلتا اس لئے کہ جواب تو ہر بات کا ہے خواہ صحیح ہو یا غلط۔

(۲۱) کمالات کی دو قسمیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مشکل سوالوں کا جواب بھی دل میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنی جماعت کے ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ حضرت .... مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں بقسم فرمایا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں بعض مخالفین اس پر کہتے ہیں کہ ہم تو مولانا کے قول کو صحیح سمجھتے ہیں اس لئے ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ وہ کچھ نہ تھے یہ نقل کر کے کہا کہ شبہ کی تو بات ہے مولانا کو سچا سمجھ کر پھر ان کے معتقد ہونے کیا صورت ہوسکتی ہے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب تعجب ہے کہ آپ جیسا عالم اور ایسی بات میں شبہ۔ اب اس کا جواب سنئے کمالات کی دو قسمیں ہیں ایک کمالات واقعہ اور ایک کمالات متوقعہ تو حضرت مولانا کا یہ فرمانا کہ میں کچھ نہیں ہوں یہ کمالات متوقعہ کے اعتبار سے ہے اور ہم جو مولانا کے معتقد ہیں وہ کمالات واقعہ کے اعتبار سے یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے۔ غرض اللہ کا شکر ہے کہ ہر ضروری چیز کا حل قلب میں رکھ دیا ہے کہیں گاڑی نہیں اٹکتی اور یہ سب اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت ہے باقی مجھے تو کچھ آتا جاتا نہیں۔

(۲۲) سلطنت کا زوال ظلم سے ہوتا ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اہل تحقیق کا قول ہے کہ سلطنت کا زوال ظلم سے ہوتا ہے کفر سے نہیں ہوتا۔

(۲۳) اہل محبت کی صحبت کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سلف علوم میں محض قیل وقال پر اکتفاء نہ کرتے تھے ان سے ضروری نفع حاصل کرتے تھے اور خلف اکثر زوائد میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ اخیر شب میں نزول رب الی السماء کی جو حدیث ہے اس سے سلف نے تو یہ کام لیا کہ اس سے ان کو رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کی اور ابتہال الی اللہ کی رغبت ہوگئی اور انہوں نے اس حدیث کے متعلق کبھی یہ تفتیش نہیں کی کہ جب حق تعالیٰ جسم سے منزہ ہیں تو نزول الی السماء کے کیا معنے اور واقعی کام کرنے والوں کی یہی شان ہوتی ہے وہ قیل وقال کو کہاں پسند کرتے ہیں اور نہ دلائل فلسفیہ پر مدار رکھتے ہیں جیسا کہ آج کل دلائل فلسفیہ پر مدار سمجھتے ہیں جو بالکل غلط طریق ہے آخر کہاں تک یہ چل سکتے ہیں کہیں تو جا کر انجن فیل ہوگا اس راہ میں یہ سب چیزیں راہ زن ہیں ہاں اگر بضرورت اس میں کلام ہو اور تجاوز نہ ہو تو ایک درجہ میں کارآمد بھی ہیں غرض ان پر مدار نہیں مدار وہی ہے جس کو صحابہ نے کر کے دکھلا دیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا اس پر عمل شروع کر دیا نہ دلائل فلسفیہ کی تلاش نہ حکم اور اسرار کی جستجو نہ کسی قیل وقال سے مطلب سو اس راہ میں اسی طرح کام بن سکتا ہے کہ سب کو خیرباد کہہ کر کام میں لگ جائے۔ باقی ایسی عقل جو محبوب کی راہ میں رہزن ہو اس کے متعلق اکابر کا یہ فیصلہ ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را ۔۔۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد ۔۔۔ مرعسس را دید و درخانہ نہ شد

باز دیوانہ شدم من ای طبیب ۔۔۔ باز سودائی شدم من ای حبیب

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم ۔۔۔ مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

اور یہ دولت پیدا ہوتی ہے اہل محبت کی صحبت میں رہنے سے اس کی خدمت میں اپنی ہر حالت بیان کرنے سے اور جو وہ تعلیم کرے اس پر عمل کرنے سے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال را بگزار مرد حال شو ۔۔۔ پیش مرد کاملے پامال شو

یار باید راہ را تنہا مرو ۔۔۔ بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(۲۴) تکلیف کا مدار عقل پر ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات بڑی ہی رحیم و کریم ہے اگر مخلوق کو حق تعالی کی اس صفت کا پوری طرح استحضار ہو جائے تو مخلوق کو حق تعالیٰ کے ساتھ عشق کا درجہ پیدا ہو جائے اس لئے کہ یہ امر فطری ہے کہ محسن کی طرف کشش ہوتی ہے لیکن یہ بات لوگوں میں رہی ہی نہیں کس طرح کسی کے دل میں ڈال دوں۔ پھر اس رحمت کے متعلق ایک واقعہ حدیث کا بیان فرمایا کہ امم سابقہ میں ایک نباش نے بوقت جان کندنی اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلانا اور میری لاش کی جو راکھ ہو اس کو خوب باریک پیسنا اور جس روز تیز آندھی چلے کچھ تو اس راکھ میں سے ہوا میں اڑا دینا اور کچھ دریا میں چھوڑ دینا اور یہ کہا کہ یہ ایک تدبیر ہے عذاب سے بچنے کی اس لئے کہ گنہگار ہوں سیاہ کار اور بدکار ہوں مستحق عذاب ہوں چنانچہ مرنے کے بعد اس کے لڑکوں نے ایسا ہی کیا۔ حق تعالیٰ کی قدرت سے نکل کر کون جا سکتا ہے۔ اس کی مٹی جمع کرنے کا فرشتوں کو حکم ہوا اور سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ سوال ہوا کہ یہ ایسا کیوں کیا گیا۔ عرض کیا کہ یا رب من خشیتک فرمایا جاؤ نجات ہے۔ اس پر علماء نے اشکال کیا ہے کہ اس سے تو کمال قدرت کے اعتقاد میں اس شخص کا شک ثابت ہوتا ہے پھر ایمان کہاں رہا پھر غیر مومن کی مغفرت کیسے ہوئی۔ علماء نے مختلف جواب دیئے ہیں مگر محققین نے جواب دیا ہے کہ اس کی عقل اتنی ہی تھی۔ آخر مجنون کو بھی تو غیر مکلّف کہتے ہو جس سے معلوم ہوا کہ مدار تکلیف کا عقل پر ہے تو جس درجہ عقل میں کمی ہوگی اسی درجہ کا عذر ہوگا۔ بہرحال حق تعالیٰ کی وسعت رحمت تو اس واقعہ سے کیسی ظاہر ہے۔

(۲۵) حق تعالیٰ شانہ کی قدرت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو اس پر بھی حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کو ان کا بڑا فضل اور نعمت سمجھتا ہوں کہ عین وقت پر ضرورت کی بات دل میں ڈال دیتے ہیں کہیں گاڑی نہیں اٹکنے دیتے۔ ایک ہندو جو اپنے مذہب کا جاننے والا معلوم ہوتا تھا اور صاحب ریاضت و صاحب ریاست بھی تھا مجھ سے ملنے آیا اور ایک معمر شخص جو غالباً اس کا گرو معلوم

ہوتا تھا اس کے ساتھ تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔ میں نے کہا کہئے وہ سوال کیا ہے کہ آپ قرآن پاک کو کلام اللہ کہتے ہیں اور کلام ہوتا ہے زبان سے اور ساتھ ہی اس کے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ خدا جوارح سے مبرا اور منزہ ہے تو پھر کلام کس چیز سے کیا گیا جبکہ زبان نہیں۔ میں نے کہا کہ انسان تو متکلم ہے بواسطہ زبان کے جس سے معلوم ہوا کہ اصل متکلم زبان ہے تو یہ بتلاؤ کہ اس زبان کے کونسی زبان ہے جس سے یہ متکلم ہے اس سے ثابت ہوا کہ متکلم ہونے کے لئے زبان شرط نہیں بدون زبان کے بھی تکلم ممکن ہے پھر جب زبان بدون زبان کے تکلم پر قادر ہے تو کیا حق تعالیٰ کی قدرت زبان سے بھی کم ہے وہ بدون زبان کیوں نہیں کلام کر سکتا۔ سمجھ گیا ساتھی سے کہنے لگا کہ دیکھئے علم اس کو کہتے ہیں اس کے سمجھ جانے کی وجہ سے اور آگے میری ہمت بڑھی میں نے کہا کہ اور دیکھیئے آدمی دیکھتا ہے بواسطہ آنکھ کے مگر آنکھ بلاواسطہ آنکھ کے دیکھتی ہے اس کے کونسی آنکھ ہے جس سے یہ دیکھتی ہے تو جب آنکھ کو قدرت ہے کہ بدون آنکھ کے دیکھ سکے تو کیا خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ وہ بدون آنکھ کے دیکھ سکیں۔ اسی طرح کان کو سمجھ لیجئے۔ بہت خوش ہوا اس نے اپنا بکس کھولا اور چند سنگترے اس میں سے نکال کر بطور ہدیہ پیش کئے میں نے دل میں کہا کہ میں نے دماغ سے کام لیا ہے جو حق تعالیٰ کی مشین ہے اس کو قوت پہنچانے کے لئے ان سے دلوا رہے ہیں میں نے لے لئے۔ نیز مخالف سے مجھ کو ہدیہ لینے میں کبھی گرانی نہیں ہوتی اس لئے کہ مخالف تو حقیقت سے واقف ہوتا ہے۔ کہ میں اس کے اعتقاد کے خلاف ہوں اس کو دھوکہ نہیں ہوتا مثلاً اس ہندو ہی نے سنگترے دیے اس کو کیا دھوکہ ہو سکتا تھا خوب سمجھتا تھا کہ میں ہندو یہ مسلمان ان کا مذہب اور میرا مذہب اور اس لئے ہدیہ میں بھی دوستوں ہی کے ساتھ شرطیں لگاتا ہوں کیونکہ ان کو حسن ظن میں دھوکہ ہو سکتا ہے۔

(۲۶) معرفت الٰہیہ کی دو قسمیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اتنا لکھ پڑھ گئے اور سوال کرنے کا بھی سلیقہ نہ آیا کیا خاک کتابیں پڑھیں بس ویسے ہی طوطے کی طرح رٹی ہونگی اگر سمجھ کر پڑھتے تو اس طرح بے ہودگی سے سوال نہ کرتے مجھ کو تمہارے اس عنوان سے سخت تکلیف

ہوئی آخرتم لوگ ایسے بے فکرے کیوں ہو کہ بدون سوچے سمجھے اور بدون فکر کئے ہوئے جو چاہتے ہو زبان سے نکال بیٹھتے ہو جب تمہاری یہ حالت ہے تو عوام بے چارے کس شمار میں ہیں۔ عرض کیا کہ فی الحقیقت غلطی ہوئی اب آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی احتیاط رکھوں گا حضرت والا معاف فرمائیں۔ فرمایا کہ سخت افسوس ہے آپ کی حالت پر کہاں تک آخر صبر کروں اگر کہتا ہوں اور غلطیوں بدعنوانیوں پر مطلع کرتا ہوں تو بدنام ہوتا ہوں اگر نہ کہوں تم خراب اور برباد ہوتے ہو مگر اچھا آئندہ کے لئے آپ وعدہ کرتے ہیں۔ بہتر اب سوال کیجئے میں بھی دیکھوں اب وہ غلطی نہ کریں گے۔ اس پر ان مولوی صاحب نے دوبارہ سوال کیا فرمایا کہ اب بالکل ٹھیک ہے دیکھئے ذرا فکر سے سوال صحیح ہوگیا میں تو کہا کرتا ہوں کہ غلطیوں کا سبب زیادہ بدفہمی نہیں ہے بلکہ بے فکری ہے اسی وقت مشاہدہ کر لیجئے کہ اگر بدفہمی اس کا سبب ہوتی تو پھر اس وقت ایسی جلدی کیسے سمجھ میں آسکتا تھا چونکہ بے فکری اس کا سبب ہوئی تھی فکر کیا سوال ٹھیک ہوگیا فرمایا کہ سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقی غلطی نہیں ہوتی ان کی شان ہی یہ ہے کہ غلطی سے معصوم ہوں اور اگر بظاہر کوئی غلطی معلوم بھی ہو تو اس غلطی کو حق تعالیٰ ہی غلطی فرماسکتے ہیں ہم کو حق نہیں کہ ہم اس کو غلطی کہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ حقیقت میں وہ غلطی ہوتی ہی نہیں بلکہ وہ بھی طاعت ہوتی ہے مگر وہاں کوئی طاعت اس سے بڑھ کر ہوتی ہے جو فوت ہوگئی جس کے مقابلہ میں اس کو غلطی فرمایا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی طاعت کے مقابلہ میں چھوٹی طاعت کو غلطی کہا گیا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ اس سے افضل کے ترک کو غلطی فرمایا مثلاً آدم علیہ السلام نے گندم کھایا اس طمع میں کہ فرشتہ ہو جاؤں تو کیا یہ خیال آدم علیہ السلام کا کہ فرشتہ ہونا چاہا غیر طاعت تھا۔ ظاہر ہے کہ طاعت ہی تھا مگر اس سے بڑھ کر طاعت یہ تھی کہ بشر رہ کر ترقی فرماتے بس اسکا ترک افضل کا ترک تھا اور وہ بھی اجتہاد سے جس سے اس میں اور خفت آگئی اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت حاجی صاحب کی تحقیق فرمائی کہ معرفت الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں ایک معرفت ہوتی ہے علمی اور ایک ہوتی ہے حالی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت حالیہ اس واقعہ پر موقوف تھی چنانچہ اگر ان سے مواخذہ نہ ہوتا تو منتقم کی

معرفت حالیہ نہ ہوتی۔ اسی طرح توبہ کے بعد معافی سے تواب کی معرفت حالیہ حاصل ہوئی وعلی ھذا تواس واقعہ سے آپ کے معارف میں ترقی ہوئی کہ صورۃ تنزل ہوا۔

اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام سے کبھی حقیقی غلطی نہیں ہوئی عرض کیا کہ حضرت والا مثال میں کوئی ایسا واقعہ بیان فرمائیں جس سے اس کی توضیح ہو۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کافر رئیس کو سلام کی تعلیم فرما رہے تھے ایسے وقت میں حضرت عبداللہ ابن مکتوم اعمیٰ آئے اور آ کر ہی با آواز بلند عرض کیا علمنی یا رسول اللہ مما علمک اللہ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ترش روئی کے آثار پیدا ہو گئے جس کا منشاء یہ تھا کہ میں اس وقت اصول اسلام کی تعلیم کر رہا ہوں اور یہ فروع کی تعلیم چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصول مقدم ہیں فروع پر۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں عبس وتولی' ان جاءہ الاعمی ' وما یدریک لعلہ یزکی' اویذکر فتنفعہ الذکری' اما من استغنی فانت لہ تصدی' وما علیک الا یزکی' واما من جاءک یسعی' وھو یخشی' فانت عنہ تلھی' کلا انھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ۔ اب دیکھ لیجئے کہ یہ تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت تھی یا غیر طاعت ظاہر ہے کہ طاعت تھی لیکن یہ خطاب عتاب اصول کی تقدیم فروع پر علی الاطلاق نہیں بلکہ اس مقام پر ہے جہاں دونوں کا اثر متماثل ہو باقی تعلیم فروع کا نفع یقینی ہو اور تعلیم اصول کا محتمل وہاں یہ مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ایسا ہی تھا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ طرق تعلیم میں افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کی طرف کیوں متوجہ ہوئے تو آپ کا عمل بھی طاعت تھا مگر دوسری طاعت اس سے اکمل تھی اس سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام اعمال فی نفسہ حسنات اور طاعات ہیں لیکن بڑی طاعت کے مقابلہ میں چھوٹی طاعت کو غلطی فرمایا۔ سائل نے عرض کیا کہ فی الحقیقت یہ مسئلہ خوب صاف ہو گیا۔ پھر عرض کیا کہ وہ صحابی تو خوش ہوئے ہونگے کہ ہماری وجہ سے حق جل علی شانہ نے ایسا فرمایا۔ فرمایا کہ وہ حضرات اس پر خوش ہونے والے نہ تھے ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر تعلق اور محبت تھی کہ ایسے موقع پر

شرمندہ ہوتے تھے کہ ہماری وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خطاب کیا گیا اپنے پر قیاس نہ کرنا چاہیے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اور یہ عشق ہی وہ چیز ہے جس سے محبوب کے حقوق بتمامہ اور بکمالہ ادا ہوتے ہیں۔ میں اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ حق جل علی شانہ کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی کوشش کرو اور اس کا سہل ذریعہ اہل محبت کی صحبت ہے جب اس صحبت کے حقوق ادا کئے جائیں۔

(۲۷) قبض وبسط امور حالی وذوقی ہیں

ایک صاحب کے سوال کے جو قبض وبسط کے متعلق تھا جواب میں فرمایا کہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے کسی شیخ کی تعلیم سے کچھ خلوت میں کام کیا ہو محض زبانی جمع خرچ سے سمجھ میں نہیں آسکتا کیونکہ یہ امور حالی وذوقی ہیں جو کام کرنے پر معلوم ہو سکتے ہیں بدون کام میں لگے ان کا پتہ چلنا مشکل ہے آپ سوال ہی تو کر رہے ہیں کبھی کچھ کر کے بھی دیکھا ہے۔ کر کے دیکھنے کی چیز کو میں تقریر میں کیسے بیان کر دوں کہ قبض اور بسط کیا چیز ہیں۔ سوال کے لئے مناسبت کی ضرورت ہے آپ کی تو ایک ٹکا بھر زبان ہل گئی نہ فکر ہوئی نہ غور کیا کہ آخر اس سوال سے دوسرے کو کیا تنگی اور بار ہوگا وہ حال کو قال سے کیسے سمجھا دے گا۔ عرض کیا کہ معافی کا خواستگار ہوں فرمایا کہ یہ تم لوگوں نے ایک آسان نسخہ یاد کر لیا ہے کہ معافی کا خواستگار ہوں معاف کو معاف ہی ہے مگر کیا اس معافی سے تکلیف بھی جاتی رہی آئندہ ایسے سوال سے سخت احتیاط کی ضرورت ہے کیا قبض اور بسط کی حقیقت معلوم کر کے آپ کو کوئی رسالہ بنانا ہے یا فن کا مجتہد اور محقق بننا ہے کام کی تو ایک بات نہیں پوچھی جاتی یوں ہی وقت کو خراب کیا جاتا ہے۔ اپنا تو کرتے ہی ہیں دوسروں کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے فکری کے سبب سوجھتی ہیں آخر تمام مسائل تصوف میں اسی ایک قبض اور بسط کی تحقیق کی آپ کو ضرورت ہوئی شاید دوسرے تمام مراحل طے ہو چکے ہیں۔ ان بے کار باتوں میں کیا رکھا ہے کام میں لگو اور اپنے وقت کو خدا کی نعمت سمجھ کر اس کی قدر کرو۔ آنکھ بند کرتے ہی وقت ضائع کرنے کا پتہ چل جائے گا تمام تحقیقات تدقیقات دھری رہ جائیں

گی..اب میں بیٹھا ہوا کہاں تک تمہاری باتوں کی ہندی کی چندی کیا کروں اور میں تو اپنی طرف سے اس کے لئے بھی تیار ہوں بشرطیکہ تم میں بھی اہلیت ہو۔

(۲۸) آداب مجلس

ایک صاحب کی اس غلطی پر کہ وہ مجلس میں ایک صاحب کی طرف پشت کر کے بیٹھے مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کونسی انسانیت اور تہذیب کی بات ہے کہ ایک مسلمان کی طرف باوجود جگہ وسیع ہونے کے بلاضرورت پشت کر کے بیٹھ گئے کیا یہ بھی خبر نہیں کہ کسی مسلمان کی طرف بدون کسی سخت معذوری کے پشت کرنا زیبا نہیں' آداب مجلس کے خلاف ہے۔ کیا ایسی موٹی موٹی باتیں بھی محتاج تعلیم ہیں یہ باتیں تو ہر انسان میں امر فطری ہیں آخر تم میں ایسا کون سا سرخاب کا پر لگا ہے اور تم کو ایک مسلمان کی اہانت کا کیا حق ہے عرض کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میں معافی چاہتا ہوں اللہ کے واسطے معاف فرمادیں۔ فرمایا کہ میں بھی تو اللہ ہی کے واسطے کہہ رہا ہوں سو تمہاری اللہ کے واسطے معافی چاہنے میں اور میرے اللہ کے واسطے کے کہنے میں مابہ الفرق کیا ہے اس کو بیان کرو تاکہ میں اپنے کہنے کو بند کرلوں اور تم کو معافی دے کر خاموش ہو جاؤں۔ اس پر وہ صاحب خاموش رہے۔ فرمایا کہ بولتے کیوں نہیں یہ ایک اور دوسری تکلیف دینا شروع کر دی کہ جواب ہی ندارد اچھا یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری اس غلطی کا منشا بدفہمی ہے یا بے فکری۔ عرض کیا کہ بے فکری فرمایا کہ خیر وجہ ایسی بیان کی جس کا انسداد ہو سکتا ہے اس لئے کہ فکر اختیاری ہے امید ہے کہ فکر سے اصلاح ہو جائے گی اگر بدفہمی سبب بیان کی جاتی تو یہ چونکہ اختیاری نہیں اس کا انسداد بھی غیر اختیاری ہوتا اب چونکہ تمہاری اس حرکت سے تکلیف پہنچی اس لئے اس وقت کی مجلس میں تم کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تمہاری صورت دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔

(۲۹) ہدیہ کے اصول

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہدیہ لینے میں جو میں سخت ہوں ایسے اصول میں نے بہت سے تجربوں کے بعد تجویز کئے ہیں جو باتیں پیش آئیں ان کو میں ہی سمجھتا ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ جو مجسم اخلاق تھے ہدیہ کے متعلق ان کی بھی یہی رائے ہے فرمایا

کرتے تھے کہ جو شخص ہم کو حاجت مند سمجھ کر ہدیہ دے اس کو قبول نہیں کیا جاتا اور خواہ واقع میں ہم حاجت مند ہی ہوں مگر اس کو حاجت مند سمجھنے کا کیا حق ہے البتہ جو محبت سے دے اس کو لے لینا چاہئے۔ اور حضرت مولانا ہی کا ایک یہ معمول تھا کہ سفر میں ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے اور اس کی وجہ فرمایا کرتے تھے کہ اس میں ہم کو دیکھ کر ہدیہ دینے کا قلب میں داعیہ پیدا ہوا ہے ممکن ہے کہ اصلی محبت نہ ہو یا ہو اور جوش اس کا سبب ہو ممکن ہے کہ مصلحت سمجھ میں آنے کے بعد یا جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد پچھتائے۔ یہ حضرات حکیم ہیں ان کی معمولی باتوں میں حکم اور علوم ہیں۔ پھر فرمایا کہ آج کل کے ہدایا پر ایک واقعہ یاد آیا کہ جس زمانہ میں بھائی اکبر علی مرحوم سرکاری ملازم تھے غالباً اس وقت عہدہ پیش کاری پر ممتاز تھے۔ ایک شخص ان کے پاس آیا اس کا ایک مقدمہ اسی حاکم کے یہاں تھا جن کے یہ پیش کار تھے اس نے بھائی مرحوم کو تین روپیہ دیئے۔ پوچھا یہ کیسے ہیں کہا کہ میں آپ کو خوشی سے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں اول تو لیا نہیں کرتا۔ دوسرے مقدمہ میں خلاف روئداد کوشش نہ کروں گا پھر مجھ کو کیوں دیتے ہو کہا کہ بھلا آپ نے کیا خیال کیا میں تو محض محبت کی وجہ سے دے رہا ہوں۔ انہوں نے لے کر الگ رکھ لئے بڑے دانشمند تھے مقدمہ لڑا بالآخر یہ شخص مقدمہ ہار گیا تو بھائی مرحوم کے پاس آیا کہ منشی جی میں مقدمہ ہار گیا انہوں نے کہا کہ ہاں بھائی معلوم ہے کہ کہ تم مقدمہ ہار گئے کہا کہ اب میں کیا کروں بھائی مرحوم تھے بڑے ظریف جیب میں سے نکال تین روپیہ اس کے حوالہ کئے اور کہا کہ اب یہ کر وہ روپیہ لے کر چلتا بنا ایک لفظ نہیں بولا۔ یہ محبت سے دیئے تھے یہی حالت آج کل کے اکثر ہدیہ دینے والوں کی ہے کہ اغراض کی وجہ سے ہدیہ دیتے ہیں حالانکہ ہدیہ کا مدار محض محبت اور خلوص ہونا چاہئے اور اس کی پہچان مشکل تھی تو جیسے قصر کی اصل علت مشقت ہے مگر اس کی پہچان مشکل تھی اس لئے احکام میں سفر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اسی طرح میں نے ہدیہ میں عمل کیا کہ خلوص عدم خلوص کی پہچان مشکل تھی اس لئے خصوصیت کی جان پہچان کو خلوص کے قائم مقام کر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ میرا معمول ہے کہ جس سے خاص جان پہچان اور بے تکلفی نہ ہو جو غالب علامت ہے خلوص کی اس سے میں ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

(۳۰) پیر بھائیوں سے مل کر اظہار مسرت

ایک ضعیف العمر صاحب حضرت کے یہاں مہمان ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ بڑے میاں ہمارے پیر بھائی ہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔ پیر بھائی تو کم لوگ ہیں اور مرید زیادہ ہیں اس لئے پیر بھائیوں سے مل کر بڑا ہی جی خوش ہوتا ہے اور ان سے مل کر طبیعت میں ایک خاص تازگی محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ میں جب گنگوہ جاتا تھا تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم جب آ جاتے ہو دل زندہ ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے حضرت میرے سامنے حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت زیادہ تذکرہ فرمایا کرتے تھے سمجھتے تھے کہ میں نے حضرت کو دیکھا ہے اس لئے اس تذکرہ سے زیادہ لطف آتا تھا۔

(۳۱) بدعتی کی تعریف

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی میں بدعت ہونے کے لئے یہ ضروری تھوڑا ہی ہے کہ اس میں ساری ہی باتیں بدعت کی ہوں جیسے کفر کے لئے ایک بات بھی کافی ہے کیا کفر کی ایک بات کرنے سے کافر نہ ہوگا اسی طرح ایک بات بدعت کی کرنے سے بھی بدعتی ہوگا۔

۲ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(۳۲) امراض باطنی کے علاج کا نیا طریقہ

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے کچھ امراض باطنی لکھ کر علاج پوچھا ہے میں نے انہیں سے پوچھا ہے کہ تمہارے نزدیک اس کا کیا علاج مناسب ہے دیکھوں کیا لکھتے ہیں اس سے ان کے فہم کا بھی اندازہ ہو جائے گا نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر میں کوئی علاج تجویز کرتا ہوں تو لوگ اس کو سخت سمجھتے ہیں اب یہ جو کچھ لکھیں گے میں اس میں تسہیل کر دوں گا تو نرمی کی قدر تو ہوگی اسی وجہ سے میں نے اپنا طرز بدل دیا ہے۔ پہلے خود مریض سے اس کی تجویز پوچھتا ہوں بعد میں اسے مشورہ دیتا ہوں۔ نیز اس سے علاوہ رعایت کی قدر کے ان لوگوں کو فکر اور غور کی بھی عادت ہوگی۔

(۳۳) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی فراست

ایک بچہ تعویذ کے لئے آیا فرمایا کہ یہ نیاز کا لڑکا ہے اس کا نام ایاز ہے۔ یہ نام میں نے

ہی رکھا ہے قافیہ کی رعایت سے۔ ایک روز میں نے نیاز سے کہا تھا کہ اب اگر تمہارے لڑکا پیدا ہوا تو کیا نام رکھو گے قافیہ کا نام تو اب مشکل ہے ہاں ایک ہے پیاز۔ جب نام کا قافیہ نہیں رہتا تو قافیہ تنگ ہو جاتا ہے مگر پھر اس کے اولاد ہی نہیں ہوئی۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعضی ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک خاندان کے نام اس قافیہ پر تھے **ماشاء اللہ' تبارک اللہ' بسم اللہ' ان شاء اللہ** 'پھر ایک لڑکی ہوئی تو ان لوگوں نے اس کا نام رکھا **الحمد اللہ** 'حضرت شاہ صاحب نے اس نام کو سن کر فرمایا کہ اب آگے اس خاندان کا خاتمہ ہے یعنی نسل نہ چلے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کیسے سمجھ گئے تھے فرمایا کہ جس وقت یہ نام سنا فوراً یہ آیت میرے قلب میں آئی **واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین** اسی سے بے ساختہ خیال میں آیا کہ اب یہ آخری ندا معلوم ہوتی ہے مگر یہ باتیں کسی ضابطہ میں نہیں ایک قسم کی فراست ہے۔

(۴۴) نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے یہ جب موقع پائے گا اور اسباب دیکھے گا ضرور اپنا کام کئے بدون نہ رہے گا۔ جو لوگ اپنی اصلاح کامل کر چکے ہیں بے فکری تو ان کے لئے بھی خطرہ سے خالی نہیں مگر پھر ایک درجہ میں ان کے لئے سہولت ہے کہ وہ عین وقت پر بھی علم اور تجربہ کی وجہ سے اس کو قابو میں کر سکتے ہیں ورنہ ہمارے نفس کی حالت منہ زور گھوڑے کی سی ہے جب قابو سے نکل جاتا ہے آگا پیچھا کچھ نہیں دیکھتا جو کچھ ضرر بھی اس سے صادر ہو جاوے کم ہے اس لئے ہر وقت ہوشیار رہنے اور انتظام رکھنے کی ضرورت ہے۔ جنہوں نے اس کی حقیقت پہچان لی ہے وہ ہر وقت اس کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ اس سے بے فکری کسی وقت بھی اور کسی کو بھی نہیں ہونا چاہئے اگر کبھی بے فکری ہوگی دھوکا کھائے گا سانپ سے کیا بے فکری وہ تو موقع پاتے ہی اپنا کام کرے گا بس یہی حالت اس نفس کی ہے۔ یہ تو اسی وقت تک قابو میں ہے جب تک کہ اس کی فکر میں ہے اور جس طرح یہ تاک میں ہے اس کی بھی کوئی تاک میں ہو ورنہ یہ تو اژدھا ہے۔ شیطان اس قدر خطرناک

نہیں جتنا یہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اعدی عدوک الذی بین جنبیک۔

(۳۵) راہ طریق میں خود بینی رہزن ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس راہ میں خودرائی اور خود بینی سخت راہزن اور سم قاتل ہے۔ایسا شخص کہ جس کے اندر یہ چیزیں ہونگی وہ قطعاً محروم رہے گا کوئی حصہ اس کا اس راہ میں اس کو نصیب نہ ہوگا پہلا قدم اس راہ میں فنا ہے اور اپنے کو مٹانا ہے اس خودرائی کو حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست   کفرست دریں مذہب وخود بینی وخودرائی

(۳۶) حب جاہ تکبر سے ناشی ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بھی آج کل لوگوں میں ایک عام مرض ہوگیا ہے کہ اس کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کوئی ہم کو برا نہ کہے یہ مرض حب جاہ کہلاتا ہے اور یہ مرض تکبر سے ناشی ہے اور بڑا ہی مہلک مرض ہے اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے دنیا میں بھی اس کی بدولت جو کلفتیں ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں اور آخرت تو اس کی بدولت بہت ہی خراب اور برباد ہو جاتی ہے اس کی تو فکر ہی نہ ہونا چاہئے کوئی کچھ کہے کہا کرے اس سے بگڑتا کیا ہے ایک فوری کلفت تو اس میں یہ ہے کہ آدمی اس سوچ اور فکر میں پڑ کر کسی کام کا نہیں رہتا بڑا حصہ وقت کا اس میں خراب اور برباد ہوتا ہے کسی وقت قلب کو چین اور سکون ہی میسر نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں پر اس کا مدار ہے کہ اس کو اچھا سمجھیں اور یہ غیر اختیاری چیز ہے اور جب یہ معلوم ہے کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے تو اس کے درپے ہونے کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور نتیجہ نہ ہونے کی حالت میں اس میں مشغول ہونا کم از کم فعل عبث تو ضرور ہوگا اور فضول اور عبث سے بچنا خود نصف طریق ہے۔

(۳۷) اظہار حق کا معیار

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے یہاں اظہار حق کا معیار یہ ہے کہ اس کا منشا نہ کسی کی عداوت ہو نہ کسی کی رعایت محض تدین ہو گو اس میں غلطی ہو جاوے کیونکہ غلطی سے کون خالی ہے۔ بشریت میں غلطی ہوتی ہے۔

۳ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(۳۸) لفافہ پر امانت شیخ معروف کرخی لکھنا شرک ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کا لفافہ آیا ہے لفافہ کے پتہ کے اوپر لکھا ہے امانت شیخ معروف کرخی۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسا لکھنے سے وہ چیز محفوظ ہو جاتی ہے مثلاً یہ لفافہ ہی ہے ان صاحب کے خیال میں یہ کہیں گم نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کا عقیدہ صاف شرک ہے جاہلوں نے بزرگوں کے متعلق اس قسم کی حکایتیں گھڑ رکھی ہیں۔ ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کی دیوار جھکی ہوئی تھی اندیشہ اسکے گر جانے کا تھا۔ اس نے یہ شعر اس دیوار پر چسپاں کر دیا۔

بحق حضرت معروف کرخی　　　بماند سالہا دیوار ترقی

(از ترقیدن بمعنی شق شدن) بہت عرصہ تک وہ دیوار اسی حالت پر کھڑی رہی ایک روز مالک دیوار نے حضرت شیخ معروف کرخی کو خواب میں دیکھا حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھائی بہت دن ہو گئے مجھ کو تیری دیوار تھامے میری تو کمر بھی رہ گئی مطلب یہ کہ میں دیوار سے کمر لگائے کھڑا ہوں اب میں مدت متعین کرتا ہوں مثلاً ایک ہفتہ یا پندرہ روز پھر میں ذمہ دار نہیں۔ اس قسم کی باتیں لغو اور جھوٹ تراش رکھی ہیں۔ استغفر اللہ ایسے عقائد میں ان لوگوں کو ابتلاء ہو رہا ہے جو سراسر شرک ہیں پھر علاوہ عقیدہ کی خرابی کے اس میں بزرگوں کی بے ادبی بھی تو ہے کہ جو کام دو آنہ کے مزدور کا ہے وہ ان کے سپرد کیا گیا ہے ان بزرگوں کے پاس بس یہی تو ایک کام ہے کہ ایسے گدھوں کی دیوار تھامے کھڑے رہیں۔ پھر ذرا ان لوگوں کی عقل اور فہم ملاحظہ ہو کہ خود تو بزرگوں سے ایسے ذلیل اور خسیس کام لینا بیان کریں جو بعضے مزدور بھی گوارا نہ کریں اور دوسروں کو بزرگوں کا دشمن اور ان کا مخالف اور غیر معتقد بتائیں۔ یہ محبان بزرگ ہیں۔ دوسری حکایت مولوی عبدالحق صاحب مشہور معقولی ریاست رامپور میں مقیم تھے زبان کے تو آزاد تھے مگر عقائد اچھے تھے ایک خان صاحب ان سے ملنے آئے جو دیہات کی مستاجری کیا کرتے تھے۔ اس وقت تحصیل وصول کا زمانہ تھا مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ خان صاحب آج کل تو کام کا زمانہ ہے۔ تحصیل وصول کے دن ہیں۔ کام کس کے سپرد کر کے آئے خان صاحب جواب میں کہتے ہیں کہ بڑے پیر صاحب کے سپرد کر کے آیا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آہا ہم تو بڑے پیر صاحب کو ولی سمجھتے تھے مگر

آج معلوم ہوا کہ گاؤں کے پدھان بھی ہیں اس وقت تو خان صاحب مولوی صاحب کے سامنے ادب کی وجہ سے کچھ نہ بولے مگر جب مولوی صاحب کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب پر کسی وہابی کا اثر ہوگیا ہے۔ جو اس قسم کی باتیں کرنے لگے۔ اس پر فرمایا کہ مولوی صاحب پر تو کسی وہابی کا اثر ہوگیا ہوگا مگر تم پر کسی شیطان کا اثر ہوگیا جس سے تم نے ایک تو پیر صاحب کی بے ادبی کی کہ یہ ذلیل کام ان کے سپرد کیا دوسرے شرک میں مبتلا ہوئے تیسری حکایت ایک شاہ صاحب کے گپ سنئے مکہ معظمہ میں بیٹھ کر جھوٹ بولا کہ دو حقیقی بھائی تھے ایک دکان میں دونوں شریک تھے۔ بڑے بھائی جب کہیں جاتے اور دکان پر کوئی نہ ہوتا تو یہ کہہ کر جاتے کہ بڑے پیر صاحب دکان آپ کے سپرد چھوٹا بھائی ان کے اس عقیدہ پر ناراض ہوتا کہ یہ کیا واہیات عقیدہ ہے ایک روز بڑے بھائی تو تھے نہیں چھوٹا بھائی دکان پر تھا وہ نماز کو چلا گیا پیچھے دکان میں چوری ہوگئی بڑے بھائی کو معلوم ہوا چھوٹے بھائی سے پوچھا کہ آخر بات کیا ہوئی تم نے دکان کس کے سپرد کی تھی کہا کہ اللہ میاں کے سپرد کر گیا تھا۔ بڑا بھائی کہتا ہے کہ ارے بیوقوف بڑے پیر صاحب تو بشر ہیں اور مکلّف ہیں اگر کوئی چیز ان کے سپرد کی جائے تو وہ تو امانت کا خیال رکھیں گے اور اللہ میاں مکلّف تو ہیں نہیں اور ان کا یہی کام ہے کہ اس سے لے کر اسے دے دیا اور اس سے لے کر اسے دے دیا اس لئے چوری ہوئی یہ عقائد ہیں اور یہ عقلیں ہیں خدا معلوم ان لوگوں کا فہم کیا ہوا عقلیں کہاں گئیں۔ واقعی بدعت سے قلب پر قساوت کے علاوہ جہل کی ظلمت بھی ہوتی ہے یہ نورانیت اور روحانیت کو بالکل فنا کر دینے والی چیز ہے۔ یہ سب بدعت ہی کے ثمرات ہیں کہ کوئی بات عقل اور فہم کی نہیں رہتی اس پر اگر ان لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے روک ٹوک کی جاتی ہے تو بدنام کرتے ہیں کہ یہ وہابی ہیں۔ بزرگوں کے دشمن اور مخالف ہیں بے ادب ہیں۔ مگر اپنے کو تو دیکھو تم بزرگوں کے بہت معتقد اور عظمت کرنے والے ہو تم نے بزرگوں کا بڑا ادب کیا کہ جو کام بزرگوں کے کفش برداروں نے بھی نہیں کیا تم نے ان کے سپرد کیا مثلاً تحصیل وصول پھر اعتقاد کا دعوی ہی دعوی تو ہے۔ اس دعوے کی دلیل تو بیان کرو پتہ چل جائے گا بندگان خدا کیوں آخرت کو خراب اور برباد کرتے ہو۔

(۳۹) پہلے زمانے کے بدعتی

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ پہلے زمانہ کے بدعتی بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے اب تو بکثرت کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ نفوس میں شرارت بھری ہے ہوا پرستی اور عیش پرستی میں مبتلا ہیں صریح بددینی پر اترے ہوئے ہیں۔ گانا بجانا امرد لڑکوں اور بازاری عورتوں سے اختلاط ان کا شعار ہوگیا ہے۔ بزرگوں کے مزارات پر شب روز یہی فسق و فجور اور خرافات مہیا رہتا ہے۔ بزرگوں کے بدنام کرنے والے ان کو تکلیف پہنچانے والے پھر دوسروں کو بدنام کریں۔ یہ بزرگوں کے مخالف اور دشمن ہیں۔ ایک شخص حکایت بیان کرتے تھے ذہین تو ہر طبقے میں ہوتے ہیں گو عاقل ہر طبقے میں نہیں ہوتے۔ یہ دولت اہل حق ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ کہتے تھے کہ پیران کلیر میں میلے کے ہنگامہ پر ایک مکان میں ایک مدعی عقیدت اولیاء ایک عورت سے منہ کالا کر رہا تھا اور اندر سے دروازہ کی زنجیر لگا رکھی تھی۔ کچھ مسافر لوگ آئے انہوں نے مکان کی زنجیر ہلائی کہ وہ بھی وہاں آرام کریں تو وہ اندر سے کہتا ہے کہ میاں یہاں جگہ کہاں ہے یہاں تو آپ ہی آدمی پر آدمی پڑا ہے۔ ذہانت ملاحظہ ہو کیسے سچے تھے یہ بزرگوں کے مزارات پر جا کر فسق و فجور ہوتے ہیں۔ پھر درویش اور صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور شب و روز شرکیات اور بدعات و کبائر میں مبتلا ہیں۔ خود گمراہ ہوئے دوسروں کو گمراہ کیا۔ اللہ کے راستہ میں راہ زن یہی لوگ ہیں اڑنگ بڑنگ واہی تباہی ہانکتے ہیں اور ان کو اسرار اور راز سمجھتے ہیں اللہ کی مخلوق کو دھوکے دیتے ہیں تصوف کو اور اہل تصوف کو بدنام کیا۔ اتفاق سے ملحدین اور بددینوں کا زمانہ ہے ان کو ایسے نمونے دیکھ کر خود طریق پر اعتراضات کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک طرف تو یہ ہو رہا ہے دوسری طرف بعضے ایسے لوگ پیدا ہوگئے کہ وہ غلو کے درجہ میں پہنچ گئے۔ بعض کو یہ غلو دیکھ کر طریق سے نفرت کا درجہ ہوگیا۔ مگر الحمد للہ اب مدتوں کے بعد یہ طریق واضح ہوا اب بے غبار ہے اس کے حدود اس کے احکام اس کے قواعد اور اصول سب منضبط ہوگئے اور مخلوق پر ظاہر ہوگیا کہ یہ طریق اگر اپنی اصل پر ہے وہ چیز ہے کہ بدون اس کے نجات اگر محال اور غیر ممکن نہیں تو مشکل تو ضرور ہے گو اس طریق کو صاف کرنے میں مجھ کو بدنام بہت کیا گیا مگر واقعہ یہی ہے کہ اس پر چودھویں

صدی کے اندر ایسے ہی لٹھ اور بے مروت شخص کی ضرورت تھی جیسا میں ہوں اس وقت نستعلیق سے کیا کام چلتا اس وقت کے لوگ جیسے ہوشیار ہیں یہ تو نرم آدمی کو ویسے ہی چٹکیوں میں اڑا دیتے مگر اللہ کا فضل ہے کہ اب سب کے دماغ درست ہوگئے اور طریق کی حقیقت سے باخبر ہوگئے۔ چنانچہ اسی ارشاد خلق کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا جو نہایت کامل العقل کامل الفراست تھے ورنہ کفار ان کو کہاں جمنے دیتے مگر ان حضرات کے عقل کے سامنے اس وقت کے بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء گرد تھے اور پانی بھرتے تھے جب ہی تو تبلیغ ہوسکی بعینہ اس زمانہ میں الحاد اور زندقہ فتنہ فساد کی حالت ہے کہ علاوہ علانیہ دشمنوں کے بہت سے اسلام کی دشمنی کے پردے میں دشمنی کررہے ہیں اور ان سب کی دشمنی گویا اس آیت کا مصداق ہے وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال مگر ساتھ ہی انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے موافق اللہ تعالیٰ نے حق کی نصرت کرنے والی ایک جماعت بھی حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لایزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لایضرھم من خذلھم قائم فرما کر ان سب کے مکر اور دغل کو ھباء منثورا کر دیا۔ مگر ان اعداد میں اسلام کو دوسروں سے اتنی شکایت نہیں جتنی اپنوں سے شکایت ہے۔ اسلام بزبان حال کہتا ہے۔

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نہ بود ورنہ ہیچ ازدل بے رحم تو تقصیر نہ بود

آج کل کے خیر خواہاں اسلام اور ہمدردان اسلام کوئی ریفامر کہلاتے ہیں کوئی لیڈر کہلاتے ہیں۔ مگر دوست نما دشمن اسلام کے احکام میں تحریف کرنا انہوں نے شعار بنا رکھا ہے۔

(۴۰) دور حاضر کی ترقی کا حاصل

ترقی متعارف کے متعلق ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کی ترقی کا حاصل یہ ہے کہ ایک کو ترقی ہو اور دس کو پستی و تنزل۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک میاں جی کسی صاحب کے یہاں لڑکے پڑھانے پر ملازم تھے وہ صاحب کہیں جا کر بڑے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ تنخواہ معقول ہوئی انہوں نے اپنے گھر والوں کو بذریعہ خط اس کی اطلاع کی گھر والوں میں کوئی خط کا پڑھنے والا نہ تھا وہ خط پڑھ کر سنانے کے لئے میاں جی کے سپرد کیا گیا۔ میاں جی نے خط پڑھ کر رونا شروع کر دیا۔ گھر والوں نے رونے کی وجہ دریافت کی کہا کہ تم

بھی روؤ جب بتلاؤں گا گھر والے بھی رونے لگے۔ اہل محلّہ نے جو شور غل سنا آ کر وجہ دریافت کی میاں جی نے کہا کہ تم بھی روؤ اہل محلّہ بھی رونے لگے۔ پھر میاں جی سے وجہ رونے کی دریافت کی گئی تب میاں جی نے کہا کہ آج میاں کا خط آیا ہے اس میں نوکر ہو جانے کو اور معقول تنخواہ ہو جانے کو لکھا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے نہ کہ رونے اور رنج کرنے کی۔ میاں جی نے کہا کہ تم سمجھے ہی نہیں دیکھو جب اتنی تنخواہ ہو گئی تو اب وہ بچوں کو انگریزی پڑھوائیں گے جس کے لئے ماسٹر کی ضرورت ہے تو میری نوکری تو گئی میں تو یوں رویا اور بجائے پرانی بی بی کے کوئی جوان عورت بالخصوص میم کو گھر میں رکھیں گے۔ بی بی کے رونے کی یہ بات ہے پھر جب میاں یہاں آ کر رہیں گے تو گھوڑے اور موٹر ساتھ ہونگے جن کے کھڑے ہونے کے لئے مکانات کی ضرورت ہوگی وہ اہل محلّہ سے خرید کر بنوائے جائیں گے ان کے رونے کی یہ بات ہے غرض سب کے رونے کی یہ وجوہ ہیں۔ یہ حکایت ترقی خاص وتنزل عام کا بہت اچھا نقشہ ہے۔

(۴۱) اصلاح اور تربیت کا کام بڑا نازک ہے

ایک صاحب کی غلطی پر (جو عنقریب مذکور ہے) مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں پہلے ہی بدنام ہوں۔ اگر تم سے قیل وقال یا جرح قدح کروں گا اس سے اور زیادہ بدنامی میں شہرت ہوگی اس لئے جانے ہی دو جب تم سمجھتے ہی نہیں اور اپنی اصلاح ہی نہیں چاہتے تو میں کیا اپنا سر دے ماروں مجھ کو تو سب کہنے کو تیار ہیں مگر اس کو کوئی نہیں دیکھتا کہ دوسرے لوگ میرے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ میں اس میں کیا تاویل کروں آپ سے پوچھا یہ تھا کہ دوپہر جو تم سے غلطی ہوئی تھی اور اس پر میں نے تم کو سمجھایا تھا تم اپنی غلطی کی حقیقت سمجھ بھی گئے یا نہیں اگر نہ سمجھے ہوں تو پھر سمجھا دونگا اس پر جواب ملتا ہے کہ معاف فرما دیجئے میں معافی چاہتا ہوں۔ اب اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ مجھ کو سمجھانے سے معاف رکھو یعنی سمجھاؤ نہیں کیا یہ مہمل جواب نہیں۔ آخر کہاں تک تغیر نہ ہو کہاں تک صبر کروں کوئی حد بھی ہے ایسے ایسے بدفہم آتے ہیں اگر میں ضابطہ سے کام لیتا تو عقل ٹھکانے لگ جاتی اور دماغ درست ہو جاتا مگر نرمی کی گئی سو یہ نتیجہ ہوا نااہلوں کے ساتھ

نرمی کرنے کا۔ان صاحب نے کچھ اور عرض کرنا چاہا فرمایا کہ میں اب تم سے براہ راست گفتگو کرنا نہیں چاہتا خواہ مخواہ طبیعت میں تغیر ہوگا تم کو تو حس نہیں اور مجھ کو حس ہے پھر کیونکر توافق ہو۔ بس اب اٹھ جاؤ اور کسی کے واسطے سے گفتگو کرو۔اس واسطہ کا انتظام بھی میرے ذمہ نہیں کیونکہ میری کوئی غرض نہیں یہ بھی تمہارے ذمہ ہے غرض ایک صاحب واسطہ تجویز ہوئے ان کو بیچ میں ڈال کر حضرت والا نے فرمایا کہ ان سے یہ پوچھو کہ اپنی غلطی تمہاری سمجھ میں آئی یا نہیں ۔عرض کیا نہیں فرمایا پوچھو کہ میں نے دو پہر ایک غلطی تو بتلا دی اور سمجھا دی تھی گو ہیں تو چند غلطیاں پھر کیوں سمجھ میں نہیں آئیں ۔عرض کیا کہ یاد نہیں رہی فرمایا پوچھو کہ اس سے بے فکری ثابت ہوئی یا نہیں۔عرض کیا کہ جی بے فکری ثابت ہوئی۔ فرمایا کہ کہو کہ بے فکری اور طلب دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔عرض کیا کہ جی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔فرمایا پوچھو کہ طلب کی کمی ثابت ہوئی عرض کیا کہ جی طلب کی کمی ثابت ہوئی۔ کہو کہ جب طلب کی کمی ہے تو یہاں آنے سے فائدہ۔عرض کیا کہ طلب کو میں نہیں سمجھا۔فرمایا کہو کہ سمجھانے کو اور کہاں سے الفاظ لاؤں۔کہاں تک تنزل کروں' بے چارے ٹھیک تو کہتے ہیں طلب تنخواہ کو بھی کہتے ہیں۔ فرمایا میں مکرر کہتا ہوں کہ جب طلب نہیں تو کیوں خود پریشان ہوئے اور کیوں دوسروں کو پریشان کیا۔ خیر ان کو بتلا دو کہ طلب کے معنے ہیں کسی کام کی دل میں فکر ہو ادھیڑ بن سی لگ جائے جب تک مقصود حاصل نہ ہو برابر اس کی جستجو کرتا رہے پوچھو اب بھی طلب کی حقیقت سمجھ میں آئی۔عرض کیا کہ جی آ گئی۔فرمایا کہو کہ جب طلب کو سمجھ گئے اور یہ تمہارے اندر ہے نہیں تو یہاں پر آنے سے فائدہ۔عرض کیا کہ طلب کیسے پیدا ہو اس کا طریقہ بتلا دیا جائے فرمایا پوچھو کہ طلب کا طریقہ ہی معلوم کرنے آئے تھے یا طلب لے کر آئے تھے۔اس پر ان صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔فرمایا اچھا دوسرا عنوان اختیار کرتا ہوں۔ان سے پوچھو کہ مرید کیوں ہوئے تھے۔عرض کیا کہ دین کی وجہ سے۔ پوچھو کہ کیا مرید ہونے سے قبل دین نہ تھا۔عرض کیا کہ تھا۔ پوچھو کہ جب دین پہلے بھی تھا تو پھر مرید کیوں ہوئے کس چیز کی کمی تھی جس کی وجہ سے مرید ہوئے۔اب کہاں تک ہندی کی چندی کروں۔عرض کیا کہ اللہ کا راستہ معلوم کرنے کی غرض سے مرید ہوا تھا۔فرمایا پوچھو کہ مرید ہو کر معلوم ہوگیا عرض کیا نہیں۔

پوچھو کہ پھر مریدی اور پیری سے فائدہ۔ عرض کیا کہ راستہ بتلا دیجئے۔ پوچھو کہ بتلایا تو تھا جس کو تم کہتے ہو کہ سمجھ میں نہیں آیا یا یاد نہیں رہا۔ فرمایا کہ اچھا ان سے ایک اور سوال کرو کہ سمجھ میں نہیں آیا تھا یا یاد نہیں رہا تھا۔ عرض کیا کہ سمجھ میں تو آ گیا تھا مگر یاد نہیں رہا۔ فرمایا کہ یہ سب بے فکری اور بے توجہی کے سبب ہے۔ ابھی دیکھئے سب یاد آیا جاتا ہے اور ایسا یاد ہوگا کہ تازیست بھی پھر کوئی سبق نہ بھولیں گے۔ کہو ان سے کہ تم بھی معذور ہو کہ یاد نہیں رہتا اور میں بھی معذور ہوں کہ ایسے شخص سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا اس لئے کہ میں بتایا کروں گا یہ بھلایا کریں گے یا ان کو یاد نہ ہوگا تو کام کیسے چلے گا کبھی حکیم سے نسخہ لکھوا کر دوا لا کر اس کو نہ پیا ہو اور حکیم سے جا کر کہا ہو کہ حکیم جی نسخہ پینا یاد نہیں رہا یہ ساری بھول دین ہی کے لئے رہ گئی۔ میں ایسی حالت میں جبکہ مجھ سے بیعت کا تعلق ہے میرے مرید کہلاتے ہیں مہمل حالت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ لہذا آج سے بیعت کا تعلق ختم ان سے کہو کہ اور کسی سے مرید ہو جاویں اور اس کی مجھے اطلاع دیں بلکہ جن سے مرید ہوں ان سے لکھوا کر اور دستخط کرا کر میرے پاس بھیجیں۔ تب میں اور عام مسلمانوں کا سا تعلق ان سے رکھوں گا اور آنے کی اجازت دوں گا۔ ان کا مجھ سے مرید ہونا بے کار گیا۔ اب تو وہ وظائف اور اوراد کو لوگ بزرگی سمجھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ پیر نے وظائف بتلا دیئے مرید نے پڑھ لئے بڑا کام ہو گیا۔ ان سے کہو مجھ سے اگر تعلق رکھنا چاہتے ہو تو دوسری جگہ مرید ہو جاؤ۔ پوچھو ان سے کہ جو میں نے کہا وہ سن لیا اور سمجھ لیا۔ جب اس قدر بے فکری ہے کہ بتلانے اور سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتے یا یاد نہیں رکھتے تو پھر اصلاح کی میرے پاس کیا تدبیر ہے۔ عرض کیا کہ مرید تو دوسری جگہ نہ ہوں گا۔ اس وقت جو کچھ ہوا اس کی معافی چاہتا ہوں اور آئندہ فکر اور توجہ سے کام لوں گا۔ فرمایا پوچھو کب سے فکر شروع ہوگی۔ عرض کیا کہ ابھی سے۔ فرمایا کہ پوچھو کہ اپنی غلطی کو کیا سمجھے جو غلطی ان سے ہوئی تھی وہ ایسی موٹی ہے کہ ذرا غور اور فکر سے اگر انہوں نے کام لیا فوراً سمجھ میں آ جائے گی۔ ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔ عرض کیا کہ میں دوپہر کو آرام کے وقت حضرت سے ملا اس وقت مجھ کو نہ ملنا چاہئے تھا۔ فرمایا کہ اب کیسے سمجھ میں آ گیا اور کیسے یاد آ گیا پھر اور غلطیوں کو بھی اسی طرح بیان کر دیا اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ذرا سی دیر میں سب باتوں کا کیسے الہام ہو گیا یا تو ان

ی کرامت ہے یا میری یا دونوں کی تھوڑی تھوڑی۔ یہ بات نہیں کہ عقل اور فہم کی کمی ہے بات وہی ہے جو میں عرض کرر ہا ہوں کہ فکر اور توجہ کی کمی ہے اب جب میں نے عدم تعلق کی خبر دی تب ذرا قلب پر زور پڑا فکر پیدا ہوئی سب باتیں سمجھ میں آ گئیں۔ مواخذہ کا طریق اس لئے نافع ہے۔ اب معترض صاحبوں کو بلا کر ان سے فیصلہ کرائیے یا مشیر صاحبوں سے جو کہ مشورے دیا کرتے ہیں پوچھئے کہ کیا صورت ہو رہی ہے اب اعتراض کریں یا مشورہ دیں۔ حضرت یہ اصلاح اور تربیت کا کام بڑا نازک ہے۔ خیر ان سے کہہ دو کہ مجلس میں آ کر بیٹھیں یہ ہے میری سختی اور بد خلقی جس پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے۔

(۴۲) کیفیات نفسانیہ کسی حال میں مقصود نہیں

ایک خط کا جواب سنا کر فرمایا کہ یہ لوگ پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔ مشائخ بھی ان چیزوں کی تعلیم نہیں کرتے صرف وظائف اور اوراد کی تعلیم کی جاتی ہے۔ کیفیات پوچھی جاتی ہیں کہ کچھ نظر آیا یا نہیں قلب میں کچھ شورش اور سوزش پیدا ہوئی یا نہیں یہ سب کیفیات نفسانیہ ہیں جو بعض احوال میں گو محمود ہیں مگر کسی حال میں مقصود نہیں اور یہ سب انفعالات اور غیر مامور بہا ہیں۔ جو بعضے کافروں کو بھی میسر ہو جاتے ہیں۔ جن کو جوگی وغیرہ ریاضتیں کر کے حاصل کر لیتے ہیں ایک کافر ہے کہ ادنی محرک سے رو پڑتا ہے اور ایک مسلمان ہے جس کو ساری عمر بھی رونا نہیں آتا لیکن فرق ظاہر ہے کہ مسلمان کا ایمان پہاڑ کے برابر ہے اور کافر کا رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں۔ صفات روحانیہ نہیں جو افعال ہیں اور مامور بہا ہیں۔ ایک مولوی صاحب جو ذی استعداد اور ذی علم ہیں ان سے میری مکاتبت ہوئی جن کو میں نے یہی لکھا کہ اس طریق میں انفعالات مقصود نہیں افعال مقصود ہیں مگر انہوں نے اس مضمون کی کچھ قدر نہ کی ان کی تمام خط و کتابت کا جو منشا میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ قوت توجہ سے قلب کی صفائی کر دی جائے میں کہتا ہوں کہ توجہ متعارف سے قلب کی صفائی نہیں ہو سکتی گو بعض بزرگوں نے اس سے کام لیا ہے مگر وہ ایک عارضی چیز ہے جو اس سے حاصل ہو جاتی ہے مگر اس سے اصلاح نہیں ہو سکتی جو مقصود ہے اور نہ اس سے کسی مقام کا رسوخ ہو سکتا ہے۔ رسوخ وہی ہے جو اعمال کے ذریعہ سے ہو اور نہ یہ تدبیر مسنون ہے ہاں مباح ہے۔ مسنونیت کا درجہ

تعلیم ہی کو حاصل ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصل کام تعلیم ہی تھا اگر توجہ متعارف اس کا ذریعہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قوی و موثر توجہ کسی کی ہوسکتی ایک کافر بھی کافر نہ رہتا سب با ایمان ہو جاتے ۔ توجہ مطلوب صرف یہی ہے کہ شیخ طالب کے حالات کی نگرانی اور ان حالات کے اقتضا سے تعلیم کرتا رہے سو ایسی توجہ ہمارے بزرگوں کو دائمی طور پر رہتی ہے ۔ محاسبہ' معاقبہ' دارو گیر' مواخذہ' روک ٹوک تعلیم تلقین بس یہی اصل توجہ ہے باقی توجہ متعارف بہ تو ایک وقتی چیز ہے جس سے استعداد کو ایک گونہ حرکت ہو جاتی ہے ۔ پھر کچھ بھی نہیں رہتا یہ تجربہ کی باتیں ہیں اور اعمال سے جو رسوخ ہوتا ہے وہ دائمی ہوتا ہے ۔ روح کے افعال وہ ہیں جو مادہ سے نہیں جیسے خشیت ہے محبت ہے ۔ مگر اس زمانہ میں بے علم اور بے خبر لوگوں نے اپنے اجتہاد سے مقصود و غیر مقصود میں خلط کر رکھا ہے اور یہ سب بے خبری کی باتیں ہیں ۔ اسی لئے اس طریق میں قدم رکھنے سے قبل ضرورت ہے کسی عارف کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی جو فضول اور عبث سے بچا کر کام میں لگا سکتا ہے ورنہ کوئی صورت غلطیوں سے بچنے کی نہیں (تتمہ) صفات روحانیہ اور کیفیات نفسانیہ میں بعض اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کا امتیاز بتلایا جاتا ہے کہ جو کیفیت مشروط ہو مادہ کے ساتھ وہ نفسانی ہے اور جس میں مادہ شرط نہ ہو وہ روحانی ہے ۔ شورش' سوزش اضطراب التہاب سب کیفیات نفسانی ہیں ۔ محبت و خشیت و توکل و توحید یہ صفات روحانی ہیں ۔ مفارقت روح کے بعد پہلی کیفیات ختم ہو جاتی ہیں دوسری باقی رہتی ہیں ۔ پہلی طبعی کہلاتی ہیں ۔ دوسری عقلی خوب سمجھ لو ۔

(۴۳) بگڑتے کام کو تقدیر کی طرف منسوب کرنا غلط ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر لوگوں میں ادب کی اس قدر کمی ہے کہ اگر کوئی کام بگڑ جاتا ہے تو اس کو تقدیر کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ قدرت کو یہی منظور تھا اور یہ نہیں دیکھتے کہ قدرت ہی کا حکم اس سے بچنے کا بھی تھا ۔ اس میں فرق باطلہ جبریہ وغیرہ کو جو غلطیاں ہوئیں وہ صرف ایک صفت پر نظر کرنے سے ہوئیں مثلاً قدرت پر اور اہل حق نے سب صفات پر نظر کی مثلاً قدرت کے ساتھ عدل اور حکمت پر بھی اس لئے یہ راہ پر رہے اور وہ گمراہی کی طرف چلے گئے قال تعالیٰ ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ۔

(۴۴) لوگوں کی مہمل تاویلات

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آتے ہی پوری بات کیوں نہیں کہہ دی آخر کس بات کا انتظار تھا جواب دریافت کرنے پر کہی اور وہ بھی ادھوری۔ عرض کیا کہ حضرت لکھ رہے تھے فرمایا کہ کیا تمہاری وجہ سے لکھنا بند کر دیتا۔ کوئی مجھ کو علم غیب ہے کہ جو بدون کہے یا بتلائے ہوئے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں صاحب آئے ہیں وہ یہ بات کہیں گے لکھنا بند کر دینا چاہئے۔ اچھا اب کیوں کہا۔ اب بھی تو لکھ ہی رہا تھا تم لوگ مہمل تاویلات کر کے کیوں خود پریشان ہوتے ہو اور کیوں دوسرے کو پریشان کرتے ہو سیدھی بات اور سیدھا جواب اب بھی نہ دیا وہی الجھی ہوئی بات اب بھی کی سو میرا کون سا حرج ہے۔ دیکھو اب میں سلجھاتا ہوں تمہاری نبضیں میں ہی پہنچاتا ہوں۔ جب تم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو بلی کے گوہ کی طرح دباتے اور چھپاتے ہو تو پھر اصلاح کی صورت کیا ہو۔ یہ جو اپنی کمزوریاں چھپاتے ہو آخر اس کا منشا کیا ہے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ ایک زمانہ اسی کام کو کرتے ہوئے گزر گیا۔ اب تم کو بتلاؤں گا دیکھوں کہاں تک چلتے ہو۔ عرض کیا اب تو حضرت والا معاف فرمائیں آئندہ اس کی احتیاط رکھی جاوے گی واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ فرمایا کہ معاف ہے مگر جو مرض تمہارے اندر ہے وہ اس معافی سے تھوڑا ہی جا سکتا ہے وہ مرض ہے جاہ کا جس کی وجہ سے تم اپنے عیوب کو چھپاتے پھرتے ہو اس کا علاج کرو ورنہ یاد رکھنا کہ سب کیا کرایا جاتا رہے گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ بسہولت امراض کا علاج ہو جائے مگر تم لوگ خود سختی میں پڑتے ہو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔

(۴۵) اہل محبت اور عوام الناس کے غم و حزن میں فرق

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو حوادث غم اور حزن کی ہیں ان سے غم اور حزن سب کو ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو لوگ محبت سے کورے اور خالی ہیں ان کے یہاں حدود سے نکل کر جزع فزع بھی ہوتا ہے اور جن حضرات کے قلوب محبت سے پر ہیں وہاں جزع اور فزع نہیں ہوتا یہ فرق دونوں کے اندر۔

(۴۶) کام کی علامت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس قدر جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ ہوا اسی درجہ وہ کامل ہے۔ مگر آج کل لوگوں نے تعریف گڑھ رکھی ہے جس کو ہر وقت استغراق رہے کسی چیز کی خبر نہ ہو۔ اب حقیقت سنئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں قرات کو طویل کروں مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں نماز میں پریشان نہ ہو قرأت کو طویل نہیں کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بچوں کے رونے تک کی خبر ہو اور لوگوں نے کمال کی مثال میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ بعض بزرگوں کو نماز میں تیر نکلنے تک کی خبر نہیں ہوئی اگر کسی کو یہ اطلاع نہ کی جاوے کہ دونوں واقعے کس کے ہیں تو وہ تیر کی خبر نہ ہونے والے کو کامل سمجھے گا حالانکہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون کامل ہو سکتا ہے مگر پھر بھی حضور کو بچوں تک کے رونے کی خبر ہوئی۔

ذرا سوچ سمجھ کر کچھ زبان سے نکالنا چاہئے اور ان کیفیات یعنی استغراق وغیرہ کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کوئی کمال کی چیز نہیں اور جب کمال کی نہیں تو بیچاری مقصود کیا ہو سکتی ہے۔ لوگوں کی یہ سب بے خبری ہے کہ ان چیزوں کو مقصود اعظم بنا رکھا ہے اور سمجھ رکھا ہے۔

(۴۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کیا ٹھکانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مبارک زندگی ہے کہ آپ کی خانگی زندگی تک ضبط کی گئی اور عالم میں شائع ہوئی اور پھر اس پر اصولی کوئی اعتراض نہیں ہو سکا۔ باقی معاندین کا ذکر نہیں وہ تو حق تعالیٰ پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں رکے یہ عناد کم بخت ہے بری چیز۔ اس کے سامنے کوئی انصاف کوئی دیانت نہیں چلتی۔

(۴۸) افکار دنیا سے حسن ظاہری بھی فنا ہو جاتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انہماک دنیا اور افکار دنیا اور تشویشات دنیا سے انسان کا حسن ظاہری بھی فنا اور برباد ہو جاتا ہے۔ پھر جس کا اثر ظاہر پر یہ ہو وہ حسن باطن کو کیا کچھ برباد اور فنا کرے گا۔ مگر بے حسی کی وجہ سے لوگ اس کو محسوس نہیں کرتے۔

(۴۹) حکایت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس کو دنیا سے جتنا کم تعلق ہوتا ہے ان کے قلب پر اسی قدر مسرت ہوتی ہے۔ یہ دولت مسرت کی اہل دنیا کو کہاں نصیب اور اگر کچھ ہو بھی مگر وہ خالص اور کامل نہیں ہوتی تکدر سے ملی ہوئی ہوتی ہے اس کو اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ ایک شخص ہے جس کو بہت سارو پیہ مل گیا جس سے مسرت ہوگی مگر ساتھ ہی اس کی حفاظت کی فکر اس کے زوال کی فکر سو مسرت تو ہوئی مگر خالص اور کامل نہ ہوئی اور ایک بچہ ہے اسکو اگر کسی بات پر مسرت ہوگی وہ کدورت افکار سے خالص اور کامل ہوگی بلکہ مسرت کی کیا تخصیص اس کی ہر بات خالص اور کامل ہوگی اس لئے کہ وہاں مصالح پرتی پیش نظر نہیں۔ مسرت ہے تو کامل۔ رنج ہے تو کامل، غصہ ہے تو کامل غرض ہر چیز کامل پس جس کا بچوں کی طرح پر تشویش سے دل خالی ہو ظاہر ہے کہ اس کی بھی یہی شان ہوگی۔ پھر ان میں بعض کی یہ شان ذرا دقیق ہوتی ہے اور بعض کی بالکل نمایاں چنانچہ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مرادآبادی کی یہ حالت بالکل ظاہر تھی میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک روز ان کے پوتے گھر میں پٹاخے چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے آواز سنکر لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضرت آپ کے پوتے پٹاخے چھوڑ رہے ہیں۔ فرمایا کہ پٹاخہ کیسا ہوتا ہے ذرا ہم بھی دیکھیں گے بلاؤ ان کو۔ پوتے صاحب بلائے گئے معلوم ہوا کہ پٹاخے ختم ہوگئے افسوس سے فرمایا اب ہم کیسے دیکھیں گے۔ عرض کیا گیا کہ بازار میں ملتے ہیں۔ خریدنے کے لئے پیسے دیئے پٹاخے آئے چھوڑے گئے۔ مولانا قریب کی آواز سے ڈر بھی گئے فرمایا اب ڈر لگتا ہے بند کرو۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص مولانا کے فعل سے تمسک کرنے لگے اس کا جہل ہے مولانا کو کچھ خبر ہی نہیں۔ مولانا پر جذب غالب رہتا تھا اور جذب کی حالت میں اکثر جلال زیادہ ظاہر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لیفٹیننٹ گورنر زیارت کو آئے۔ پہلے اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ اطلاع ہونے پر فرمایا کہ کیوں آ رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ میاں اس کو بٹھلائیں گے کہاں۔ ہمارے یہاں تو چاندی سونے کی کرسی بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت لکڑی ہی کی کرسی پر بیٹھ جاویں گے فرمایا اچھا۔ غرض وہ آ پہنچا۔ حضرت کو اس کے آنے

کی اطلاع دی گئی کہ لیفٹیننٹ گورنر آ گئے ہیں حضرت اس وقت ایک گھری چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے فرمایا کہ بلالو بلالیا گیا اس نے حاضر ہو کر سلام کیا آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ لیفٹیننٹ گورنر نے آپ کے قوی کا حال پوچھا فرمایا بہت اچھے ہیں گورنر نے تبرک مانگا۔ خادم سے فرمایا کہ ارے بھائی دیکھو اگر کسی برتن میں کسی مٹھائی کا کچھ چورا وغیرہ پڑا ہو دے دو۔ خادم نے ایک مٹی کے برتن میں سے مٹھائی کا چورا لا کر لیفٹیننٹ گورنر کے سامنے کیا اس نے نہایت احترام کے ساتھ لیا۔ گورنر نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا انصاف کرنا ظلم نہ کرنا۔ لیفٹیننٹ گورنر سلام کر کے واپس ہو گیا یہ شان تھی حضرت کی اور ان حضرات کی تو ہر بات میں کشش ہوتی ہے حتیٰ کہ ان کے غصہ میں بھی ایک شان محبوبیت کی ہوتی ہے جیسے بچہ کی طرف کشش ہوتی ہے اور اس کی ہر ادا محبوب معلوم ہوتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ان کی ہر بات اللہ کے واسطے ہوتی ہے اس میں خلوص اور سادگی ہوتی ہے۔ اغراض کا شائبہ نہیں ہوتا یہ اس کا اثر ہوتا ہے اور یہ چیز ان ہی میں ہوتی ہے جن کو سوائے ایک کے راضی کرنے کے اور کسی کی طرف نظر نہیں ہوتی حضرت کی اور بھی بہت سی باتیں اسی قسم کی ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب ہم مر جائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور حوریں ہمارے پاس آئیں گی تو ہم ان سے کہیں گے کہ بی اگر قرآن شریف پڑھ کر سناؤ تو ہمارے پاس بیٹھو ورنہ اپنا کام کرو۔ آپ کو قرآن شریف سے عشق کی کیفیت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم ایک دفعہ بیمار ہو گئے ہم کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے ہم نے خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا انہوں نے ہم کو اپنے سینے سے چمٹا لیا ہم اچھے ہو گئے۔ ایک واقعہ حضرت نے فرمایا کہ میاں ایک جذامی یہاں پر آیا لوگوں نے اس سے نفرت کی ہم نے اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا وہ اچھا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک جذامی کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا تھا ہم نے اس پر عمل کیا وہ اس عمل بالسنہ کی برکت سے اچھا ہوا یہ نہیں فرمایا کہ میری برکت سے اچھا ہو گیا اور عجیب بات ہے کہ حضرت پر جذب کی کیفیت غالب تھی مگر اس پر یہ بھی ہوش کہ ہر بات میں حدود کی رعایت اور علوم کا ظہور کیا ٹھکانا ہے۔ اس اتباع سنت کا۔ کہاں ہیں وہ معترض جو بزرگوں پر خلاف سنت کا الزام لگاتے اور اعتراضات کرتے ہیں۔ ایک شخص کو حاضرین میں سے

حضرت کے متعلق وسوسہ ہوا کہ حضرت کے پاس کوئی عمل تسخیر کا ہوگا جس کی وجہ سے حضرت کی طرف اس قدر رجوع عام ہے فرمایا کہ توبہ توبہ ارے معلوم بھی ہے کہ عمل سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے کیسی عجیب اور کام کی بات فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک سائل نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو مفقود الخبر کے متعلق امام صاحب کا مسئلہ ہے اس میں تو بڑا حرج ہے۔ فرمایا کہ ہاں بڑا حرج ہے اور جہاد کا مسئلہ بھی تو قرآن شریف میں ہے اس میں اس سے زیادہ حرج ہے اس کو بھی قرآن شریف سے نکال دو۔ کیسا پاکیزہ جواب ہے۔ ایک مرتبہ ایک مقیم خانقاہ کے پاس کہیں سے آیا ہوا کھانا بھیج دیا وہ ذرا گستاخ سے تھے آ کر عرض کیا حضرت تحقیق بھی فرمالیا تھا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ فرمایا کہ ارے جا بڑا جائز ناجائز والا نکلا ہے۔ ایسی تحقیق کرے گا تو بھوکوں مر جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں کوئی قوی وجہ شبہ کی نہ ہو وہاں ان وہموں کی ضرورت نہیں۔ ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا کہ مولود کا کیا حکم ہے۔ فرمایا ہم تو ہر وقت ہی مولود پڑھتے ہیں **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھتے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ کلمہ کہاں سے پڑھتے۔ اہل معنے کے نزدیک اس میں مولد کی حقیقت بیان فرمادی۔ غرض آپ کی بڑی ہی محققانہ اور حکیمانہ باتیں ہوتی تھیں اور یہ بھی اس حالت میں جبکہ حضرت پر اکثر جذب کا غلبہ رہتا تھا مجھ کو تو ان حضرات کے تذکرہ میں بھی ایک جذب کی سی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

(۵۰) شریعت میں نوحہ کی ممانعت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شریعت میں مطلق رونے کو منع نہیں کیا۔ نوحہ کرنے کی ممانعت کی ہے بلکہ اگر کوئی رویا بھی اور جزع فزع نہ کیا اس نے دونوں حق ادا کیے خدا کا بھی میت کا بھی۔ یہ جامعیت ہے اسی کو کسی نے خوب کہا ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

اور جس نے اس جامعیت کی ظاہری دشواری دیکھ کر تنگی ظاہر کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ بے چارا کورا تھا بلکہ کور تھا اس تنگی کے متعلق کہتا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

اس بے چارے کو کیا خبر کہ جو تیرنا جانتے ہیں اور اس فن کے ماہر ہیں وہ ہر حال میں تیرتے ہیں اور دریا سے پار ہو جاتے ہیں اور دامن بچا کر نکل جاتے ہیں اور یہ دشواری تو محض ظاہری ہی ہے وہ حضرات تو حقیقی دشواریوں سے بھی نہیں گھبراتے بلکہ ہر وقت ہتھیلی پر سر لئے پھرتے ہیں اور یہ کیفیت مطلوبہ اور مقصودہ پیدا ہوتی ہے کسی اہل دل کی محبت اور صحبت سے اس کو اختیار کرو بدون اس کے راہ ملنا اور منزل مقصود پر پہنچنا دشوار ہی نہیں بلکہ محال عادی ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو　　　　پیش مردے کاملے پامال شو

اور مولانا ہی فرماتے ہیں

یار باید راہ را تنہا مرو　　　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

اگر ہم نے یہ کام کر لیا پھر آگے ان کا کام ہے اور وہ ایک چشم زدن میں سب کچھ کر دیں گے مایوسی کی ضرورت نہیں کہ منزل مقصود پر ہم کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

تو مگو مارا بدان شہ بار نیست　　　　با کریمان کارہا دشوار نیست

یعنی وہ خود پہنچا دیں گے مگر تم لگے رہو چلے چلو اسی کو فرماتے ہیں

یک چشم زدن غافل ازان شاہ نباشی　　　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

لیکن چلنے سے پہلے یہ شرط ہے کہ ایسا ہو جائے جس کو فرماتے ہیں

دررہ منزل لیلے کہ خطرہاست بجان　　　　شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی

غرض یہ راہ محض زبانی قیل وقال اور جمع خرچ سے نہیں طے ہو سکتی اس میں ضرورت ہے کام کرنے کی اور ہر مشکل کے لئے تیار ہو کر قدم رکھنے کی اور اگر یہ بات نہیں تو قدم ہی نہ رکھے عشق اور محبت کا دعویٰ ہی نہ کرے اور اگر کیا ہے تو یہ عزم اور ارادہ کر کے قدم رکھے کہ سب آنے والی دشواریوں کا مقابلہ کرے گا اسی کو عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یا مکن با پیلبانان دوستی　　　　یا بنا کن خانہ برانداز پیل

اور اگر اس کی برداشت نہ کر سکا تو اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق　　　　تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

دربہر زخمی تو پرکینہ شوی   پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

اور یہ سب دشواریاں اور مشکلات جو اس راہ میں حائل نظر آتی ہیں صرف ایک چیز کے پیدا کر لینے سے آسان اور سہل ہو جائیں گی وہ چیز خداوند جل جلالہ کے ساتھ محبت ہے اور اسی کی شدت کا نام عشق ہے اس کے قلب میں پیدا ہونے سے تمام دشواریاں آسان نظر آنے لگیں گی۔ یہی وہ چیز ہے کہ محبوب کے سوا سب کو فنا کر دیتی ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عشق آن شعلہ است کو چوں برفروخت   ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یہاں پر مولانا کے اس قول میں محبت حق مراد ہے یہ عشق مراد نہیں جس کو آج کل ابوالہوس لئے پھرتے ہیں وہ فسق ہے۔ نفس پرستی ہے ہوا پرستی ہے اسی کو ایک صاحب نظر فرماتے ہیں۔

ایں نہ عشق ست آنکہ در مردم بود   ایں فساد خوردن گندم بود

اس کے مناسب ایک حکایت یاد آئی ایک شخص ایک عورت کے پیچھے ہو لیا اس نے دریافت کیا تو میرے پیچھے کیسے آ رہا ہے۔ کہا کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں اس عورت نے کہا کہ مجھ پر عاشق ہو کر کیا لے گا۔ میری بہن مجھ سے بہت زیادہ حسین اور خوبصورت پیچھے آ رہی ہے اس پر عاشق ہو۔ ابوالہوس تو تھا ہی پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا اس عورت نے ایک دھول رسید کی اور کہا کہ

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی   دربیاں دعوی خود صادقی

پس چرا برغیر افگندی نظر   ایں بود دعوی عشق اے بے ہنر

دیکھئے ادنی سے عشق میں معشوق کو التفات الی الغیر گوارا نہ ہوا تو کیا خدا کا عشق نعوذ باللہ اس سے بھی کم ہے ان کو غیر کی طرف التفات کیسے پسند ہوگا اس کا تو بڑا حق ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عشق مولی کے کم از لیلی بود   گوئے گشتن بہراو اولی بود

ایک یہ بات قابل استحضار ہے کہ اس راہ میں چلنا ایک دو دن کا کام نہیں ساری عمر ادھیڑ بن میں لگا رہنا پڑے گا اس پر بھی اگر فضل ہو جاوے تو ان کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں

اندریں رہ می تراش و می خراش   تادم آخر دمے فارغ مباش

اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ یہ سب باتیں دور ہی دور رہتے ہیں کھٹن معلوم ہوتی ہیں مگر جب کام میں لگ جاؤ گے تب سب آسان نظر آنے لگیں گی اس لئے ہمارے نزدیک مشکل ہے ان کے نزدیک سب آسان ہے اس لئے کر کے دیکھو خواہ بطور امتحان ہی کر کے دیکھو اسی کو فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزمودن رایک زمانے خاک باش

(۵۱) بزرگوں کی مختلف شانیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں میں مختلف شانیں ہوتی ہیں۔اس پر میں یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں ست

مثلاً کسی پر تواضع کا غلبہ ہوتا ہے کسی پر شفقت اور رحمت کا کسی پر جلال کا کسی پر جمال کا و اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ اختیاری چیزیں تھوڑا ہی ہیں۔

(۵۲) حلال اور حرام

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگ تو مجھ کو حلال کریں کیا میں جلال بھی نہ کروں وہ بھی محض اس غرض سے کہ ان کی کسی طرح اصلاح ہو۔ان میں انسانیت پیدا ہو آدمیت آئے۔ میری اس میں کوئی خاص غرض نہیں ہے میں جو کچھ کرتا ہوں یا کہتا ہوں مغلوب ہو کر نہیں کرتا بلکہ سب قصد سے کرتا ہوں اور کہتا ہوں۔ بحمد اللہ تعالیٰ مجھ پر اضطرار کی کیفیت کسی وقت بھی نہیں ہوتی اگر چاہوں تو نہ کہوں نہ بولوں کوئی مجبور تھوڑا ہی ہوں یہ دوسری بات ہے کہ ضبط پر تکلیف ہو۔ ہوا کرے تکلیف اگر میں تکلیف برداشت کر کے اس کا قصد کروں کہ خاموش رہوں اور آنے والوں پر روک ٹوک نہ کروں تو میں الحمد للہ اس پر قادر ہوں کوئی مانع نہیں لیکن اسی کے ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ جب تک اس کام کو میں کر رہا ہوں اور اسی خیال سے لوگ میرے پاس آتے ہیں اس وقت تک میں ایسا کرنے کو خیانت سمجھتا ہوں اس لئے یہ سب دین کے واسطے ہے۔

(۵۳) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایسے کام جس کی دوسروں کو فرمائش کرنا گوارا نہ ہو یا مرضی

کے موافق کام ہونے کی امید نہ ہوان کوتو خیر کرلیتا ہوں ورنہ اب کام ہوتانہیں۔قوی مضمحل ہوگئے ہیں تصنیفات کا کام بھی اب قریب قریب بند ہونے کے ہے اللہ کا شکر ہے اور احسان ہے کہ بہت کچھ کام ہوگیا صدیوں ضرورت نہیں اور جب ضرورت ہوگی حق تعالیٰ اپنے کسی اور بندہ کو پیدا فرمادیں گے۔کام کرنا کون سے فخر کی بات ہے یہ توان کا فضل اور احسان ہے کہ کسی سے اپنا کام لے لیں۔مسرت ضرور ہوتی ہے کہ انہوں نے کام کرنے کی قوت اور ہمت دی ورنہ انسان کا وجود اور ہستی ہی کیا ہے۔

(۵۴)ایک وجدانی اور ذوقی بات

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس زمانہ پرفتن میں جس میں آئے دن ملک میں ایک نیا فتنہ کھڑا رہتا ہے اپنے بزرگ یاد آتے ہیں۔خصوصاً حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وہ اگر زندہ ہوتے تو اپنے مجمع میں کوئی بھی مخالفت نہ کرتا اور وجدان سے کہتا ہوں کہ تحریکات حاضرہ میں عجب نہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو شرکت فرمالیتے مگر حفظ حدود شرعیہ کے ساتھ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شرکت نہ فرماتے یہ ایک وجدانی اور ذوقی بات ہے۔

(۵۵)دور حاضر میں تقویٰ وطہارت کی کمی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تقوے اور طہارت کی تو ہر طبقے میں کمی ہوگئی خواہ علماء ہوں یا درویش خواہ زاہد ہوں یا عابد۔یہ چیز قریب بہت ہی کم کسی میں پائی جاتی ہے۔احتیاط رہی ہی نہیں۔علماء کو دیکھ لیجئے کہ مدارس کے چندوں میں کس قدر گڑ بڑ کرتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ایسے ہی یہ درویش اور صوفی جو کہلاتے ہیں یہ عملیات سے لوگوں کے قلوب کی تسخیر کرتے ہیں اور اس سے ان کے مال اینٹھتے ہیں اور یہ سب ایسا ہے جیسا کسی کے لٹھ مار کر یا چوری اور ڈاکہ ڈال کر مال حاصل کیا جاوے کیونکہ بدون طیب خاطر کسی کا مال لینا خواہ وہ تسخیر کے ذریعہ سے ہو یا کسی ظاہری اثر اور دباؤ کے ذریعہ سے ہو قطعاً ناجائز ہے۔ہمارے حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب مرحوم بھوپال میں تحصیلدار تھے

صاحب نسبت تھے ایک فقیر بصورت درویش بھوپال میں آیا صاحب تصرف تھا کسی تسخیر کے عمل کا عامل تھا اس کے ذریعہ لوگوں کے قلب کی تسخیر کرتا اور مال اینٹھتا خوب لوگوں کو لوٹا۔ حافظ صاحب کا بھی پتہ معلوم ہوا کہ وہ بھی تحصیلدار ہیں ان کے پاس بھی آیا اور ایک کونے میں کھڑا ہوکر حافظ صاحب کی طرف توجہ کرنے لگا حافظ صاحب کو محسوس ہوگیا اور یہ شعر پڑھا۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ وہ فقیر دھڑ سے زمین پر گر پڑا اور اٹھ کر ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں تو حضور ہی کا شغال رنگیں ہوں۔ گستاخی معاف فرمایئے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب ان باتوں میں کیا رکھا ہے یہ سب خرافات ہیں ان سے توبہ کرو اور اتباع سنت اختیار کرو۔ بس وہاں سے بھاگا یہ آج کل کے درویش اور صوفی رہ گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقوے اور طہارت کی ہر طبقے میں کمی پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ نہ دین کے کاموں میں برکت اور نہ دنیا کے۔ اسکے نہ ہونے سے نحوست بڑھ گئی اور خیر و برکت جاتی رہی۔ سب گاڑیاں تقوے اور طہارت کی اسٹیم سے چلتی ہیں اور یوں دھکیلنے سے کیا ہوتا ہے۔

۴ر رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز جمعہ

(۵۶) مواعظ اشرفیہ کے مطالعہ سے نفع

ایک صاحب نے دوسرے صاحب کے حالات دینداری بیان کرکے عرض کیا کہ صرف اگر کمی ہے تو یہ ہے کہ پانچ وقت کی جماعت کی پابندی نہیں جہاں ہوتے ہیں وہاں نماز پڑھ لیتے ہیں فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو اکثر مشورہ دیا کرتا ہوں کہ روزانہ میرے مواعظ دیکھا کریں۔ ان میں اللہ کے فضل سے سب کچھ ہے تجربہ سے ثابت ہوا کہ مواعظ کے دیکھنے سے لوگوں کو بے حد نفع ہوا یہی انکے لئے بھی تجویز کرتا ہوں اگر انہوں نے یہ مشورہ قبول کرلیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کمی بھی بہت جلد دور ہوجائے گی۔ جہاں اور کاموں کے وقت مقرر ہیں اسکے لئے بھی ایک وقت مقرر کرلیں چاہے وہ پندرہ ہی منٹ ہوں مگر ہوں روزانہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد نفع ہوگا اور بہت زیادہ ہوگا۔ وعظ بڑے کام کی چیز ہیں۔ کام کی سب باتیں ان میں موجود ہیں۔ لوگ قدر نہیں کرتے حالانکہ وہ بڑے قدر کی چیز ہیں۔ لیکن اگر کوئی دیکھے ہی نہیں تو اس کا کیا علاج۔

(۵۷) مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمان اگر تباہ اور برباد نہ ہوں تو اور کیا ہوں اور اس تباہی اور بربادی کی وجہ زیادہ تر بدانتظامی ہے جو دلیل ہے بے فکری کی۔ اسی بے فکری کی بدولت ہزاروں زمیندار رئیس اور نواب بھیک مانگتے پھرتے ہیں حتیٰ کہ اسی کی وجہ سے سلطنتیں دے بیٹھے۔ اس کی بدولت دنیا تو دنیا دین تک تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ میں کیا عرض کروں میری جو آنے والوں کے ساتھ لڑائی ہوتی ہے اس کا اصل سبب یہی ہے کہ لوگوں میں فکر نہیں جو جی میں آیا کر لیا جو جی میں آیا کہہ ڈالا۔ نہ کوئی قاعدہ نہ اصول نہ یہ خبر کی ہماری اس حرکت سے لوگوں کو اذیت ہو گی یا نہیں محض مست ہیں اور میں فکر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ روک ٹوک مواخذہ محاسبہ داروگیر کرتا ہوں اور ان سب کا منشاء یہی ہے۔ بس یہی لڑائی ہے اس پر خفا ہوتے ہیں۔ یہاں سے جا کر بدنام کرتے پھرتے ہیں کہ سخت گیر ہے بدخلق ہے مزاج میں تشدد ہے حالانکہ میں سخت نہیں البتہ مضبوط ہوں۔ ان معترضوں کو ابھی تک سختی اور مضبوطی میں فرق معلوم نہیں۔ سختی الگ چیز ہے اور اگر ان کی اصطلاح کے موافق میں نرم رہوں اور با اخلاق ہو جاؤں تو اس سے ان کو کیا نفع ان کی اصلاح کی کیا صورت ہو۔ یہ تو حیوان کے حیوان ہی رہے بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میری اس بدخلقی کا منشاء خوش خلقی ہے۔ پھر فرمایا یہ بے فکری وہ چیز ہے کہ کانپور میں ایک صاحب نے بنئے سے سات سو روپے قرض لئے پھر بے فکر ہو گئے وہ بھی خاموش رہا۔ ایک مدت کے بعد چالیس ہزار روپیہ ہو گیا۔ اس پر بھی اس بنئے نے کہا کہ فلاں دوکان مجھ کو دے دو اور بے باقی قرض کی رسید لے لو۔ مگر ایک ملازم نے اپنی بعض اغراض کے سبب بہکایا اور دوکان نہیں دینے دی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جائیداد مع گھر دوکان سب ہاتھ سے نکل گئیں۔ کانپور ہی کے ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس کے باپ کا انتقال ہوا۔ صاحب ثروت آدمی تھے۔ بیٹے نے روپیہ اڑانا شروع کر دیا اس کے باپ کے ایک دوست تھے ان کو یہ سن کر کہ اس طرح مال اڑا رہا ہے۔ رنج ہوا آئے اور اس کے سامنے مال کے اڑانے پر مصائب اور تکالیف ہو سکتی ہیں ان پر بڑی لمبی چوڑی تقریر کی کہ اس فضول خرچی کے یہ نتائج ہوں گے اس نے سب سن کر

طاق میں سے ایک لنگوٹی اتار کر دکھائی کہ مال اڑانے کے یہاں تک کے نتیجہ کے لئے تو میں پہلے سے تیار ہوں اگر افلاس کا کوئی درجہ اس سے بڑھ کر ہو تو وہ فرمائیے تا کہ اس میں میں غور کر سکوں۔ باقی اس کے لئے تو تیار ہوں۔ ایک شخص کانپور کی جامع مسجد میں سقاوہ میں پانی بھرا کرتے تھے۔ لوگ ان کو نواب صاحب کہتے تھے تحقیق پر معلوم ہوا کہ فی الحقیقت نواب تھے عیاشی اور فضول خرچی کی بدولت تباہ اور برباد ہو گئے یہ سب بے فکری اور غفلت کے نتائج ہیں جن کی بدولت مسلمان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ دین اور دنیا دونوں اس کی بدولت ہاتھ سے جاتے رہے اور پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں رات دن یہ تباہی اور بربادی دیکھ رہے ہیں مگر پتھر پر جونک نہیں لگتی دیکھئے آئندہ اور کیا حشر ہونا ہے۔ سن سن کر بہت ہی قلب میں قلق اور رنج ہوتا ہے۔ اور اگر کچھ فکر بھی کی تو آمدنی کی فکر کرتے ہیں مگر خرچ کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ میرٹھ میں ایک رئیس تھے انہوں نے ایک بڑے کام کی بات کہی مجھ کو تو بڑی پسند آئی یہ کہتے تھے کہ لوگ آمدنی بڑھانے کی تو فکر کرتے ہیں جو غیر اختیاری ہے اور خرچ گھٹانے کا انتظام نہیں کرتے جو اختیاری ہے خوب ہی بات ہے۔ غرض اس زمانہ میں خصوصاً سخت ضرورت ہے کہ مسلمان فکر سے کام لیں اور خرچ سوچ سمجھ کر کیا کریں جس کا نظام میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ خرچ کرنے سے قبل کم از کم تین مرتبہ مراقبہ کر لیا کریں کہ جو ہم خرچ کرنا چاہتے ہیں کیا یہ خرچ ایسا ضروری ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر ہو گا جہاں یہ تحقیق ہو جاوے اس کو ضروری سمجھیں پھر یہ سوچیں کہ کیا اتنا ہی خرچ ہونا چاہئے یا اس سے کم میں بھی کام چل سکتا ہے ایسا کرنے سے چند روز تو تعب ہو گا کیونکہ طبیعتیں اس کی عادی اور خوگر نہیں اس کے بعد سہولت سے مداومت کے ساتھ اس پر عمل ہونے لگے گا۔ خلاصہ یہ کہ فکر اور انتظام بڑی ضروری چیزیں ہیں اور بے فکری اور بدانتظامی نہایت مضر۔

(۵۸) امراء کو نوکروں سے ذلت آمیز سلوک مذموم ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ واقعہ ہے کہ امراء کے یہاں نوکروں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ نہایت ذلت کا برتاؤ اور حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے مگر سب امراء بھی ایسے نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک امیر کی حکایت بیان کرتا ہوں۔ بھوپال کی ایک

رئیسہ جو کانپور میں رہتی تھیں۔ ان کا لڑکا ایک استاد سے پڑھتا تھا۔ سبق میں حضرت زلیخا کا قصہ آیا تو اس لڑکے نے ایک بے ہودہ نوکر کے بہکانے سے سوال کیا کہ مولوی صاحب حضرت زلیخا کی چھاتیاں کیسی تھیں۔ پہلے استاد بھی غیور ہوتے تھے نہایت شان اور آن بان سے رہتے تھے قلوب میں استغناء تھا آج کل کے استادوں کی طرح حریص اور طامع نہ ہوتے تھے جواب میں کہا کہ جیسی تیری ماں کی چھاتیاں۔ لڑکے نے اس کی شکایت اپنی والدہ سے کی کہ آپ کو گالی دی ان بی بی نے استاد کو دروازہ پر بلا کر واقعہ دریافت کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کہا انہوں نے کہا کہ لڑکے نے آپ سے پوری بات نہیں کہی۔ واقعہ یہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں امت کی مائیں ہیں تو حضرت زلیخا میری ماں ہیں اس نے میری ماں کو کہا میں نے اس کی ماں کو کہہ دیا یہ سن کر وہ بی بی آگ ہوگئیں اور یہ کہا کہ آپ نے اس نالائق کے منہ پر جوتہ نہ مارا اور اس لڑکے سے کہا کہ خبیث جا دور ہو میرے سامنے سے تو یہ جذبہ ان بی بی کے اندر باوجود رئیسہ ہونے کے دین کی عظمت اور محبت ہی کا تو تھا تو امراء میں بھی سب یکساں تھوڑا ہی ہیں وہ بھی ہیں جو دین کے فدائی ہیں اور ان کے قلوب اللہ اور رسول کی محبت سے لبریز ہیں سب کو ایک سا سمجھنا عدل اور انصاف کے خلاف ہے اور یہ بے قیدی امراء ہی کے ساتھ کیا مخصوص ہے۔ میں نے تو بعض نام کے دینداروں کو دیکھا کہ حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر لیتے ہیں۔

(۵۹) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا واقعہ صبر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی عورتوں تک میں پائی جاتی تھیں وہ اس وقت کے بہت سے علماء و مشائخ میں نہیں۔ حضرت ام سلیم کا بچہ بیمار ہوا اور مر گیا۔ شب کا وقت تھا انہوں نے بیٹے کے انتقال کی خبر خاوند یعنی ابو طلحہ کو نہیں کی تا کہ صبح تک پریشان نہ رہیں۔ اول ابو طلحہ نے بیٹے کو پوچھا کہ اب کیا حالت ہے۔ جواب میں کہا کہ سکون ہے۔ واقعی موت سے بڑھ کر سکون کی اور کیا چیز ہوگی۔ معمول کے موافق خاوند کی خدمت کی چہرہ سے بھی کوئی ملال یا رنج کا اظہار نہ ہونے دیا کھانا کھلایا بستر ہ لگایا۔ شب کو ہمبستری کی طرف صحابی کو رغبت ہوئی اس سے بھی انکار نہیں کیا۔ جب تمام شب گزر چکی اور صبح ہوئی تو میاں سے مسئلہ پوچھا کہ کسی نے ایک شخص کے پاس کوئی امانت رکھی اب وہ اس کو مانتا ہے اس

کو بخوشی اس کے سپرد کر دینا چاہئے یا رنج کرنا چاہئے۔ صحابی نے کہا کہ بخوشی سپرد کر دینا چاہیے رنج کی کون سے بات ہے۔ تب کہتی ہیں کہ لڑکے کا انتقال ہو چکا ہے اس کو دفن کرآ ؤ۔ صحابی بہت خفا ہوئے کہ بھلی مانس میں تمام شب خواہش نفس میں مبتلا رہا کھانا کھایا اور تو نے ذکر نہیں کیا وہ جواب دیتی ہیں کہ کیا نتیجہ ہوتا میں تو پریشان تھی ہی تم بھی پریشان ہوتے۔ اللہ اللہ یہ عورت تھیں ذکر کرنا تو بہت آسان ہے مگر جب اپنے پر گزرے تب پتہ چلے۔ اللہ اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کیا شان تھی۔ عرب کی کیا حالت تھی' آپ کی برکت سے کیا سے کیا ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر میں کیمیا تو کیا کیمیا ساز بن گئے۔ سبحان اللہ۔

(۶۰) مدعیان اسلام کی تحریف معنوی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل برساتی مینڈکوں کی طرح بہت سے مجتہد اور محقق پیدا ہو گئے ہیں۔ دین میں احکام شریعت میں تحریف کرنا ان لوگوں کا شعار ہو گیا ہے شب و روز یہی مشغلہ ہے۔ احکام اسلام کو تختہ مشق بنا رکھا ہے تمام دماغی قوتیں احکام شرعیہ ہی کی کتر بونت میں صرف کی جا رہی ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو کبھی دوسرے اغیار اتنا نقصان نہیں پہنچا سکے جس قدر نقصان ان مدعیان اسلام سے ہی پہنچا۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دوست نما دشمن ہیں۔ اسلام کی دوستی کے پردے میں اسلام اور مسلمانوں کی بدخواہی کر رہے ہیں۔ ایسوں ہی نے ناس کیا ہے دین کا اور دین کا کیا ناس کرتے۔ درحقیقت اپنا ہی ناس کر لیا خود بھی تباہ اور برباد ہوئے اور ان کو بھی تباہ کیا باقی اسلام کی تو وہ شان ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ یہی رہے گی۔

ہنوز آن ابر رحمت درفشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کہتے ہیں کہ ہم قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں علماء نہیں سمجھتے اور اس زعم پر تحریف معنوی کرتے ہیں جس کا درجہ اہل بصیرت کی نظر میں وہی ہے جیسا ایک جاہل قرآن میں تحریف لفظی کیا کرتا تھا بلکہ اس سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس میں ایسا عام دھوکہ نہ تھا جیسا اس میں ہے۔ یہ جاہل ایک جلد ساز تھا اس کی عادت تھی کہ جو کتاب جلد بندھنے کے لئے آتی اس میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کمی بیشی ضرور کرتا کہیں سے کوئی عبارت کاٹ دی کہیں بڑھا دی ایک شخص

قرآن شریف کی جلد بندھوانے لے گئے اور یہ کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہاری یہ عادت ہے اور یہ قرآن پاک خدا کا کلام کہیں اس میں گڑبڑ نہ کریں کہنے لگا کہ اب تو وہ عادت چھوڑ دی ہے۔ اطمینان رکھو۔ وہ بیچارے قرآن شریف دے کر چلے گئے جو وعدہ جلد باندھ کر دینے کا کیا تھا اس وعدہ پر یہ پہنچے اور دریافت کیا کہ کہیں کچھ گڑبڑ تو نہیں کی کہا کہ نہیں کوئی ایسی زیادہ گڑبڑ نہیں لیکن بعض صریح غلطیوں کو دیکھ کر تو صبر نہ ہوا ان کی اصلاح بیشک ضرور کردی۔ پوچھا کہ وہ صریح غلطی کہاں اور کیا تھیں۔ کہا کہ ایک جگہ تو یہ تھا عصی آدم حالانکہ عصی موسیٰ علیہ السلام کا تھا میں نے کاٹ کر عصی موسیٰ کر دیا۔ دوسری جگہ ایک مقام پر خر موسیٰ حالانکہ خر عیسے کا تھا وہاں خر عیسے بنا دیا۔ تیسری جگہ ایک مقام پر ولقد نادانا نوح تھا حالانکہ نوح دانا تھے میں نے وہاں نا کاٹ کر ولقد دانا نوح بنا دیا اور ایک اہم اور عام غلطی تھی وہ یہ کہ جگہ جگہ قرآن پاک میں کہیں فرعون کہیں قارون کہیں ہامان۔ کہیں ابلیس کا نام تھا ایسے کفار اور ملعون کا اور شیطانوں کا قرآن پاک میں کیا کام وہاں میں نے اپنا اور تمہارا نام لکھ دیا ہے ان بے چارے نے کہا کہ خدا تیرا ناس کرے تو نے میرے قرآن شریف ہی کی گت بنا دی۔ اسی طرح یہ لوگ تحریف کر کر کے اپنی آخرت کو خراب اور برباد کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ فہم سلیم عطاء فرمائیں۔

(۶۱) ایک اکثری کلیہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ سنا ہے کہ جس دن رجب کی چوتھی تاریخ ہوتی ہے اسی دن رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی ہے۔ فرمایا کہ یہ اکثری ہے کلی نہیں۔ پھر رجب اور رمضان شریف ہی کی کچھ تخصیص نہیں سب مہینوں میں یہی بات ہے کہ جس مہینہ کی جس روز چوتھی ہوگئی اس سے تیسرے مہینہ کی اسی روز پہلی ہوگی۔ مثلاً محرم کی جس دن چوتھی ہوگی صفر کا مہینہ چھوڑ کر ربیع الاول کی اس دن پہلی ہوگی۔

(۶۲) ۲۷ رجب کے روزہ کا حکم

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت رجب کے مہینہ میں اکثر ستائیس کا روزہ مشہور ہے فرمایا یہ سمجھ کر کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے نہ رکھے اگر ویسے ہی رکھ لے تو کوئی

حرج نہیں لیکن اس کے روزہ سے کوئی استدلال کرنے لگے اس کو دیکھ لیا جاوے اس کے بعد بعض روایات ضعیفہ میں نظر سے گزرا جس سے فضائل اعمال میں گنجائش ہو سکتی ہے۔

(۶۳) بیعت کے اصول

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں حضور سے مرید ہونا چاہتا ہوں اور اشتیاق کا اس قدر غلبہ ہے کہ شب روز تڑپتا ہوں کہ جس طرح بھی ہو بیعت ہو جاؤں اگر حضور نے مرید نہ کیا تو مثل ماہی بے آب کے تڑپ کر جان نکل جائے گی۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ دھمکانے سے کوئی مرید نہیں کیا کرتا۔ اس پر فرمایا کہ نہ کچھ اصول ہیں نہ کوئی قاعدہ دھمکی دیتے ہیں اس کی تو بالکل ایسی مثال ہوئی ایک شخص کہتا ہے کہ اپنا فلاں مکان میرے نام رجسٹری کر دو ورنہ تڑپ کر مر جاؤں گا۔ کیا رجسٹری کرانے کا یہی طریقہ ہے آدمی کی طرح اگر مانگو تو شاید رجسٹری بھی ہو جائے۔

(۶۴) جوابی لفافہ پر پتہ نہ لکھنے والوں کی رعایت

ایک صاحب نے جوابی لفافہ پر اپنا پتہ نہ لکھا تھا بلا پتہ لکھا ہوا لفافہ جوابی اندر سے نکلا حضرت والا کو ان کے خط میں سے پتہ کاٹ کر اس لفافہ پر چسپاں کرنے کی زحمت ہوئی۔ یہ اس لئے کہ حضرت والا کا بہت سی مصلحتوں سے یہ معمول ہے کہ کاتب خط ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ کاٹ کر لفافہ پر چسپاں فرما دیتے ہیں اس خیال سے بھی ایسا کیا جاتا ہے کہ پہنچنے نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہیں اس سلسلہ میں فرمایا کہ میں تو ایسوں کی بھی رعایت کرتا ہوں جو ضابطہ سے میرے تابع ہیں اور تعجب ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کی بھی رعایت نہ کریں جو ضابطہ سے ان کا تابع نہیں اگر اپنے ہاتھ سے لفافہ پر اپنا پتہ لکھ دیتے تو ان کا کیا حرج تھا۔ یہ لوگ تو غالباً جواب کے لئے لفافہ اور ٹکٹ بھیج دینے کو بھی سمجھتے ہونگے کہ ہم نے بڑا احسان کیا ورنہ یہ بھی ملانوں ہی کے ذمہ تھا۔ کچھ نہیں دنیا سے عقل اور فہم ہی گم ہو گئے۔ دونوں چیزوں کا قحط ہے کتنا بڑا ظلم ہے کہ کام بھی لیتے ہیں اور ستاتے بھی ہیں اور اگر اس رنگ کے ایک دو ہوں تو اصلاح بھی ہو جائے مگر عالم کا عالم بدفہمی پر متفق ہو گیا۔

(۶۵) مسلمانوں کے برابر کوئی عاقل نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمیں تو اس پر فخر ہے کہ مسلمانوں کے برابر کوئی بھی عاقل نہیں گو بعضے بھولے ہیں۔یعنی چالاک نہیں مکار نہیں عاقل ہونا اور بات ہے چالاک ہونا اور بات ہے جو اس کی حقیقت نہیں جانتے انہوں نے ایک طاغوت کو مشہور کیا ہے کہ بڑا عاقل ہے مگر عقل کی تو اس کو ہوا بھی نہیں لگی ہاں چالاک ہے۔دونوں میں فرق کی سمعی دلیل قرآن پاک میں ہے جس میں عورتوں کے بارہ میں **ان کیدکن عظیم** فرمایا۔باوجود اسکے کہ حدیث میں ان کو ناقص العقل کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ چالاکی اور قید کا عقل سے کوئی تعلق نہیں۔ایک مولوی صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ حدیث شریف میں مومن کی مدح آئی ہے **المؤمن غر کریم** میں نے کہا کہ حدیث میں احمق ہونے کی مدح نہیں آئی اگر یہ معنے ہوتے تو قرآن شریف میں جابجا ارشاد ہے **انی فی ذالک لایات لقوم یتفکرون لقوم یعقلون**۔عاقل ہونے کی مدح کیوں فرمائی جاتی۔

(۶۶) پانی پڑھوانے کی بدفہمی

ایک شخص نے ایک پرچہ پیش کیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ اس پرچہ میں تو یہ لکھا ہے کہ پانی پڑھ کر جو دیا تھا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔میں نے پانی پڑھ کر دیتے وقت کب کہا تھا کہ نفع ضرور ہی ہوگا اور میں نفع کا ذمہ دار بھی ہوں۔خدا معلوم لوگ ہم لوگوں کو ٹھیکیدار سمجھتے ہیں عرض کیا کہ حضرت معاف فرما دیں اور پانی پڑھ دیں۔فرمایا کہ معاف ہے لیکن معاف کرنے کے یہ معنے تھوڑا ہی ہیں کہ کام بھی کر دوں جاؤ اب دل برا کر دیا اب کام نہ ہوگا جب آدمی بن کر آؤ گے اور ستاؤ گے نہیں اس وقت کام ہوگا۔جب کہیں جایا کرتے ہیں آدمی بن کر جایا کرتے ہیں۔جانور بن کر نہیں جایا کرتے۔

(۶۷) تہذیب سے دنیا بالکل خالی ہوگئی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تہذیب دنیا سے بالکل گم ہی ہوگئی ہے جو لکھے پڑھے نہیں ان کی تو کیا شکایت کی جائے جو لکھے پڑھے ہیں اور بڑے عقلاء کہلاتے ہیں ان کی یہ حالت

ہے کہ جو منہ میں آیا لکھ دیا۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ دوسرے کو اس سے تکلیف ہوگی اور غضب یہ ہے کہ مشائخ بھی اس کی تعلیم نہیں کرتے صرف وظائف بتلا دیتے ہیں اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اور حضرات تو بزرگی سکھاتے ہیں اور میں آدمیت سکھاتا ہوں۔

(۶۸) آج کل کی عقل مندی

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل عقلمندی نام رکھا ہے کمانے کھانے کا جو کما کھالے وہ عقلمند ہے لیکن کما کھا تو جانور بھی لیتے ہیں پیٹ بھی بھر لیتے ہیں کیا یہ کوئی انسانیت ہے اس کے متعلق غالباً مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست آدمیت جز رضائے دوست نیست

(۶۹) ہر بات کا موقع ومحل

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ڈاکخانہ کے سود کے متعلق شرعی حکم کیا ہے اس کو کیا کرنا چاہیے فرمایا یہ بات مجلس میں پوچھنے کی نہیں۔ مجلس میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ممکن ہے کہ بعض کی سمجھ میں نہ آئے اور حدود سے گزر کر کیا گڑبڑ شروع کردے اور ہر بات ہر شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ سب میرے تجربے ہیں۔ ہر بات کا موقع اور محل ہوتا ہے اس طرح پر ہر بات نہیں پوچھا کرتے موقع اور محل دیکھ کر پوچھا کرتے ہیں۔ اس کو خط سے پوچھ لینا۔

(۷۰) السلام علیکم کی سنت کا احیاء

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ رسم ورواج بھی کیا بری چیز ہے۔ بڑے بڑے لکھے پڑھے اور عقلاء تک کو ان میں ابتلا ہو جاتا ہے اور بوجہ عموم بلوی کے بہت لوگ اس کے خلاف پر اپنے اندر ہمت نہیں پاتے مگر ہے بڑی کمزوری کی بات۔ ہمت اور قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے بدون اس کے ان کا بند ہونا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ عادۃً محال ہے۔ امیر شاہ خان صاحب فرماتے تھے وہ بڑے بڑے ثقہ بزرگوں سے ملے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں جو ہندوستان میں بہت ہی بڑا علمی خاندان مشہور ہے بعض رسمیں تھیں۔ مثلاً بجائے السلام علیکم کے آداب بجالانے کی رسم تھی۔ یہ شاہ صاحب کو ناپسند تھا مگر غلبہ رسم سے

شاید قبول کرنے کی توقع کم ہوگی اس لئے تشدد کی نوبت نہیں آئی۔ جب حضرت سید صاحب آپ کی خدمت میں تشریف لائے ہیں انہوں نے آ کر فرمایا کہ السلام علیکم۔ پوچھا کون صاحب آئے جنہوں نے سنت کا احیاء کیا اس وقت السلام علیکم کا اہتمام کیا گیا مگر اکثر جگہ عورتوں میں اب بھی اسی قسم کا رواج ہے۔ بجائے سلام کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ادھر سے جواب ملا جیتی رہو بچے جیتے رہیں ٹھنڈی سہاگن رہو اور جو ذرا لکھی پڑھی ہوئیں تو صرف لفظ سلام کہہ دیا مگر چند روز سے یہاں بحمداللہ اس قصبہ میں عورتوں میں بھی آپس میں السلام علیکم کا رواج ہوگیا۔ سنت کے احیاء پر حدیث شریف میں سو شہیدوں کا ثواب ملنا وارد ہے۔

(۷۱) بہشتی زیور کا نفع عام

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بہشتی زیور سے رسم ورواج کی جس قدر اصلاح ہوئی ہے وہ قابل مسرت ہے۔ فرمایا اسی واسطے بہشتی زیور کو بعض مقامات پر جلایا گیا اور مجھ کو اطلاع دی گئی۔ میں نے کہا کہ میرا کیا نقصان ہوا بلکہ تاجروں کا بھی نقصان نہیں ہوا اس لئے کہ وہ بھی فروخت کر چکے تھے۔ اب تو نقصان ان کا ہوا جن کے وہ ملک میں تھے۔ نواب پالن پور سے بھی لوگوں نے ریاست میں بہشتی زیور کے داخلہ کی ممانعت کا حکم جاری کرایا تھا۔ جودھ پور میں مجھ سے ایک صاحب ملے جو ریاست پالن پور کے وکیل تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے نواب پالن پور سے خود پوچھا کہ یہ آپ نے بہشتی زیور کے متعلق ایسا کیوں کیا کہ حدود ریاست میں داخلہ بند کر دیا۔ نواب پالن پور نے جواب میں کہا کہ میں ان جاہلوں کا کیا علاج کروں۔ آخر ان کے فتنوں کو بھی کسی طرح فرو کرتا۔ یہ حقیقت تھی اس حکم کی مگر اس کے بعد پھر پہلے سے زیادہ لوگوں نے خریدا اور پڑھا۔ اس کی مقبولیت عامہ کے متعلق ایک واقعہ یاد آیا۔ بھائی اکبر علی مرحوم ایک دفعہ ریل کے سکنڈ کے درجہ میں سفر کر رہے تھے اتفاق سے ایک طوائف بھی اسی درجہ میں سفر کر رہی تھی جو اسی راجہ کے یہاں ایک تقریب میں رقص وسرور کے لئے جا رہی تھی اس نے ان سے ان کا نام ونشان پوچھا اسی کے جواب میں جب اس نے تھانہ بھون کا نام سنا اس نے میرا نام لے کر پوچھا کہ تم اشرف علی کو بھی جانتے ہو انہوں نے کہا کہ میں ان کا بھائی ہوں یہ سن کر تختے سے نیچے اتر کر بھائی مرحوم کے قدموں پر سر رکھ دیا اور یہ کہا

کہ مجھ کو ان کی زیارت کی بڑی تمنا ہے۔ ان کی بہشتی زیور کتاب میرے پاس ہے اس کو میں پڑھا کرتی ہوں۔ خیر ان کی زیارت نصیب نہ ہوئی تو ان کے بھائی کی زیارت خوش قسمتی سے ہوگئی۔ بھائی مرحوم نے کہا کہ جب تم کو ان سے اس قدر عقیدت ہے اور بہشتی زیور پڑھتی ہو تو پھر بھی اس رقص وسرود کے پیشے کو نہیں چھوڑتی ہو۔ کہنے لگی کہ مجھ کو اس سے سخت نفرت ہے اب عنقریب چھوڑنے والی ہوں۔ یہ کہہ کر بھائی مرحوم سے کہا کہ میرے پاس کچھ کھانا ہے اس میں سے اگر آپ ذرا سا کھالیں تو میرا دل خوش ہو جائے گا۔ بھائی مرحوم کہتے تھے جی تو گوارا نہ کرتا تھا مگر اس کی حالت اور خلوص کو دیکھ کر دو لقمے میں نے کھا ہی لئے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔ تو حضرت اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بہشتی زیور کا نفع اس قدر عام ہے بلکہ علاوہ دین کے اس کے نسخوں سے دنیوی فوائد لوگوں کو بہت ہوئے۔ ایک جنٹلمین بھاگل پور میں مجھ سے ملے بڑی محبت سے پیش آئے بڑا ادب کیا مجھ کو تعجب ہوا کہ یہ اس قدر گرویدہ کیوں ہیں کہنے لگے کہ میں آپ کا شاگرد ہوں میں نے کہا کہ میں نے آپ کو کب پڑھایا اور کہاں پڑھایا کہنے لگے کہ میں انگریزی پڑھ کر ریلوے میں ملازم ہوگیا لیکن مجھ کو انگریزی اور انگریزی ملازمت سے نفرت تھی مجھ کو تجارت کی لائن میں کام کرنے کا شوق پیدا ہوا اور تمبا کو کی تجارت کا خیال ہوا اس لئے خمیرہ تمباکو کے نسخہ کی تلاش ہوئی مگر نسخہ کوئی نہ بتلاتا تھا۔ میں نے اس کا نسخہ بہشتی زیور میں دیکھا اور تمباکو فروخت کرنا شروع کیا۔ بے حد نفع اٹھایا اس سلسلہ سے آپ کا شاگرد ہوں اسی طرح اس میں طبی نسخے حکیم محمد مصطفیٰ صاحب کے لکھے ہوئے ہیں مجھ کو اطباء سے معلوم ہوا کہ وہ خاص نسخے بیاضی نسخے ہیں اور یہ حکیم صاحب کی سخاوت ہے کہ جن چیزوں کو مخلوق چھپاتی پھرتی ہے انہوں نے مخلوق کے فائدے کے لئے عام کر دیا۔ اپنا اپنا مذاق ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے فائدہ کا ذکر کرتا ہوں جو بعضوں نے میری تالیفات سے حاصل کیا وہ یہ کہ جیسے ایک شخص کا قول سنا ہے کہتے تھے کہ صاحب اصلاح الرسوم سے ہم کو بڑا فائدہ ہوا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہا کہ بہت سی رسمیں ہم کو خود معلوم نہ تھیں وقت پر بڑوں سے پوچھنا پڑتا تھا اب جب ضرورت ہوتی ہے اصلاح الرسوم میں دیکھ کر پوری کر لیتے ہیں۔ اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے کہ کیا اصلاح الرسوم میں رسوم کا جمع کرنا اس لئے تھا کہ

کتاب میں دیکھ دیکھ کر ان کو کیا کرو گے مگر اس شخص نے اس سے یہ نتیجہ نکالا۔

(۷۲) قیل وقال سے گریز میں نفع عظیم

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معترض کا کبھی جواب نہیں دیتا کہہ دیتا ہوں کہ جو کام ہم سے ہو سکا ہم نے کر دیا اب جو تم سے ہو سکے تو کرو یہ کیا ضروری ہے کہ سارا کام ایک ہی کے ذمہ رکھا جائے بعض لوگ تصانیف کے متعلق مشورہ دیا کرتے ہیں کہ اس میں فلاں کمی رہ گئی میں کہہ دیتا ہوں کہ تم پورا کر دو اس سے زیادہ قیل وقال میں مثلاً یہ دعویٰ کروں کہ نہیں یہ کام پورا ہے اس میں کمی نہیں فضول وقت صرف ہوتا ہے اور آدمی ضروری کاموں سے رہ جاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کا یہی مسلک اور مشرب تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ کبھی قیل و قال میں نہ پڑنا اگر کوئی معترض ہو سب رطب ویابس اس کے حوالے کر کے الگ ہو جانا اور کسی ضروری کام میں لگ جانا۔ یہ طریق مجھ کو نہایت ہی پسند ہے اور اس سے بے حد نفع ہوا ورنہ بہت سے ضروری کام رہ جاتے۔ اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے ہمیشہ فضول اور عبث سے محفوظ رکھا۔

(۷۳) حالت فراغ میں بھی دعاء اور الحاح وزاری کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دعا اور التجاء اور توبہ تو بالکل ہی متروک ہو گئیں۔ دنیا دار تو کیا دینداروں میں یہ بھی چیزیں نہیں رہیں۔ کچھ لوگوں میں خشکی اور افسردگی سی آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت وحلاوت نہیں معلوم ہوتی ہر چیز میں روکھا پن سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دو چیزیں دعاء اور توبہ حقیقت میں مصائب وشرور کے مقابلہ میں ڈھال اور ہتھیار ہیں مگر ان ہی سے لوگوں کو غفلت ہے البتہ جب کوئی مصیبت سر ہی پر آ پڑتی ہے اس وقت ہوش آتا ہے پھر تو وہی حالت ہوتی ہے جیسے ایک شخص گھوڑا خریدنے بازار جا رہا تھا ایک ملنے والے راستہ میں مل گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو کہا کہ گھوڑا خریدنے جا رہا ہوں انہوں نے کہا کہ میاں ان شاء اللہ تعالیٰ تو کہہ لیا ہوتا کہنے لگے کہ اس میں اللہ کے چاہنے کی کون سی بات ہے روپیہ میرے پس موجود۔ گھوڑے بازار میں۔ میں جاؤں گا خرید لاؤں گا۔ یہ بے چارے خاموش ہو گئے۔ بازار پہنچے گھوڑا پسند کر کے سودا کیا طے ہو جانے

کے بعد روپیہ دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا وہاں پہلے ہی کسی گرہ کٹ نے جیب اڑالی تھی۔ خالی ہاتھ ہلاتے آرہے تھے وہی شخص پھر ملے پوچھا کہو۔ بھائی گھوڑا خرید لائے تو کہتے ہیں کیا بتلاؤں ان شاء اللہ میں بازار پہنچا ان شاء اللہ گھوڑا پسند کیا۔ ان شاء اللہ سودا طے ہوا۔ ان شاء اللہ روپیہ دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ان شاء اللہ کسی گرہ کٹ نے جیب کاٹ کر روپیہ اڑالیا۔ ان شاء اللہ گھوڑا نہ خرید سکا ان شاء اللہ۔

اب موقع بے موقع ان شاء اللہ ہورہا ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل پر ہوتا ہے ماضی پر تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر وہ ماضی پر بھی ان شاء اللہ بول رہے ہیں۔ بس اسی طرح جب مصیبت سر پر آپڑتی ہے اس وقت پھر توبہ بھی ہے دعاء بھی ہے الحاح اور زاری بھی ہے۔ اللہ اللہ بھی ہے مگر حالت فراغ اور حالت صحت میں ان چیزوں کی طرف مطلق التفات نہیں۔

(۷۴) طاعت بڑی چیز ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طاعت بڑی چیز ہے اس کے آثار چہرہ تک پر ظاہر ہونے لگتے ہیں اس سے ایک قسم کی ملاحت اور نور پیدا ہوجاتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　　نیک بین باشی اگر اہل ولی

خوب ترجمہ کیا ہے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور　　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ بخلاف نافرمانی کے کہ اس سے چہرہ پر ظلمت اور وحشت برسنے لگتی ہے ظاہری حسن اور جمال کو بھی خاک میں ملادیتی ہے اور باطن کو اس قدر خراب اور برباد کرتی ہے کہ قریب قریب باطن تو مردہ ہی ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کہ معصیت سے دل پر ایک سیاہ دھبہ پیدا ہوتا ہے اگر توبہ نہ کی تو وہ بڑھنا شروع ہوجاتا ہے حتیٰ کہ سارے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ہر گناہ زنگے است بر مراۃ دل　　　دل شود زین زنگ ہا خوار و خجل

چوں زیادت گشت دل را تیرگی　　　نفس دون رابیش گردد خیرگی

۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(۷۵) تادیب الطالب

ملقب بہ تادیب الطالب ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے سلام کیا حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں آپ اپنا ضروری تعارف کرا دیجئے کیا نام ہے کہاں سے آئے کیا کام کرتے ہیں۔ آنے کی غرض کیا ہے۔ عرض کیا کہ فلاں نام ہے فلاں مقام سے حاضر ہوا۔ زراعت کا کام کرتا ہوں۔ مرید ہونے کی غرض سے آیا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ قیام کتنا ہوگا۔ عرض کیا جب میرا کام ہو جائے گا واپس ہو جاؤں گا۔ فرمایا یہ تو میرے سوال کا جواب نہیں کام کی تو حد نہیں نہ معلوم سال میں ہو دس سال میں ہو اور تمام عمر بھی نہ ہو اس لئے کہ ہر کام کے کچھ شرائط ہوتے ہیں جن کے پورا ہونے کا کوئی انداز نہیں تو پھر آپ نے یہ حساب کیسے لگایا کہ جاؤں گا مرید ہو جاؤں گا۔ دوسرے اس جواب سے مجھ پر بوجھ رکھا گیا کہ بے چارے مجبور ہیں ان کو جلد فارغ کرو اور خود آزار ہے کہ بے فکر ہو گئے کہ دوسرا خود میری رخصت کی فکر کرے گا کیا یہی تہذیب ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا اس سے قبل آپ نے کوئی خط میرے پاس بھیجا ہے۔ عرض کیا کہ اس سلسلہ میں تو کوئی خط نہیں بھیجا۔ پوچھا اور کس سلسلہ میں بھیجا تھا اور کتنا عرصہ ہوا۔ عرض کیا کہ تین سال کا عرصہ ہوا ایک خط میں نے اپنے عقائد کے متعلق ارسال خدمت کیا تھا پوچھا وہ خط آپ کے پاس ہے۔ عرض کیا کہ مکان پر بھول آیا۔ پوچھا کہ میں نے جو اس کا جواب لکھا تھا کیا اس کا کچھ خلاصہ یاد ہے۔ عرض کیا کہ حضرت نے جواب میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ ایسے مضمون کے لئے کارڈ کافی نہیں۔ پوچھا پھر اس پر آپ نے بذریعہ لفافہ کچھ لکھا۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ تم کو چاہیے تھا کہ پہلے خط کے ذریعہ سے مشورہ کر لیتے پھر بعد اجازت آتے۔ نیز جس مقصد کے لئے آپ سفر کر کے آئے ہیں یہ کام تو خط و کتابت سے بھی ہو سکتا تھا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ خرچ آپ لوگوں کا ہوتا ہے اور اثر مجھ پر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس پیسہ ہے کہاں جو اس طرح سے بے سوچے خرچ کیا جائے اب بھی سہل اور اسلم صورت یہی ہے کہ آپ وطن پہنچ کر اس بارے میں خط و کتابت کریں میں ان شاء اللہ تعالیٰ جو مناسب ہوگا جواب دوں گا اس وقت وہ کام نہ ہوگا اب اس کو سن لینے کے بعد جو رائے قیام کے متعلق قائم ہوئی ہو اس

سے مجھے مطلع کر دیا جائے۔ عرض کیا کہ آج شب کو واپس ہو جاؤں گا۔ فرمایا کہ بہت اچھا' پھر دریافت فرمایا کہ یہ بات تو طے ہوگئی اس کے علاوہ تو کچھ اور کہنا نہیں۔ میں ڈاک کا کام شروع کرتا ہوں۔ عرض کیا کہ ایک تعویذ دے دیجئے۔ فرمایا کہ گھر سے تو دین کی نیت کر کے چلے یعنی بیعت ہونے اور اس میں دنیا کو ٹھونس دیا۔ عرض کیا کہ دین ہی کے لئے ضرورت ہے دریافت فرمایا کہ دین کا کونسا کام تعویذ پر موقوف ہے عرض کیا کہ ایسے تعویذ کی ضرورت ہے جس سے اعمال میں خلوص اور شوق پیدا ہو۔ فرمایا کہ اگر تعویذ ایسے کام دیا کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کو ایک تعویذ لکھ کر اور گھول کر پلا دیتے اور مسلمان ہو جاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل بے خبر ہیں آج تک آپ کو اہل اللہ کی صحبت ہی میسر نہیں آئی بالکل کورے ہو۔ عرض کیا کہ غلطی سے تعویذ کا نام زبان سے نکل گیا مقصود عمل پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ تو زبان سے نکل گیا اور یہ جو دل سے نکلا ہے یہ اس سے بھی برا نکلا اور یہ تاویل تو پورا جہل ہے کیونکہ عمل اور تعویذ دونوں ایک ہی چیز ہیں اس لئے یہ بات اس سے بڑھ کر واہیات کہی جس سے آپ نے اپنے جہل پر پورے طور پر مطلع کر دیا۔ کل کو طبیب سے کہے گا کہ حکیم جی نسخہ وغیرہ کو رہنے دیجئے کوئی عمل یا تعویز ایسا لکھ دیا جائے جس سے مادہ فاسد خارج ہو جائے۔ اور معدہ صاف ہو جائے جس سے میں تندرست ہو جاؤں۔ بلکہ وہاں ایسا کہنا زیادہ بعید نہیں اس لئے کہ نفس میں جو مادہ ہے وہ سخت در سخت ہے اور معدہ میں اس قدر سختی نہیں اس لئے معدہ کا تعویذ سے علاج کرانا نفس کے علاج کرانے سے زیادہ بعید نہیں مگر پھر بھی کیا ایسے کہنے کو کوئی عاقل یا وہ طبیب جس سے درخواست کی جائے معقول سمجھے گا سو یہاں تو زیادہ نامعقول ہے میاں تدابیر اور اصلاح سے کام چلتا ہے۔ کہیں تعویذ گنڈوں سے بھی دین درست ہوتا ہے تمہارے تو عقائد بھی درست نہیں ڈھل مل معلوم ہوتے ہو پھر ایسی حالت میں مرید ہونا چاہتے تھے۔ آپ تو بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں۔ کیا آپ نے میری کچھ کتابیں بھی دیکھی ہیں یا نہیں عرض کیا کہ دیکھی ہیں۔ دریافت فرمایا کون کون سی عرض کیا تعلیم الدین وغیرہ۔ فرمایا کہ وغیرہ کا کچھ نام نہیں۔ کیا میرے مواعظ بھی دیکھے ہیں عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ خیر جو کچھ بھی دیکھیں ان کے دیکھنے پر آپ کی معلومات کی یہ

کیفیت ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سمجھ کر ایک کتاب بھی نہیں پڑھی جس سے بے فکری کے مرض کا پتہ چلتا ہے اور اگر سمجھ کر پڑھی ہیں تو اس سے آپ کے فہم کا اندازہ ہوتا ہے کہ فہم سے بالکل کورے ہو۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرے سو وعظ دیکھیں اور دیکھ لینے کے بعد مجھ کو اطلاع دیں اس سے قبل کوئی خط آپ مجھ کو نہ لکھیں اور یہ بھی لکھیں کہ وعظوں کے دیکھنے سے مجھ کو یہ نفع ہوا یا نہیں ہوا اور جو وعظ دیکھے جائیں ان کے نام بھی لکھیں کہ کون کون سے دیکھے فرمائے اس سے پہلے تو آپ کوئی خط مجھ کو نہ لکھیں گے۔ عرض کیا کہ نہیں مگر وعظ میرے پاس نہیں فرمایا کہ خرید و یا کسی سے عاریت لو۔ عرض کیا کہ جی ایسا ہو سکتا ہے فرمایا کہ ایسا صرف ہو سکتا ہے مگر ارادہ نہیں۔ عرض کیا کہ ارادہ ہے فرمایا کہ پھر یہ انگریزی محاورات کیوں بولتے ہو۔ پھر دریافت فرمایا کہ آپ کچھ لکھے پڑھے ہیں۔ عرض کیا کہ انگریزی پڑھی ہے فرمایا کہ یہ ساری خرابی اس انگریزی ہی منحوس کی ہے اس سے فہم مسخ ہو جاتا ہے اور پھر اس پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب میں زیادہ فہیم اور عاقل ہیں ابھی تو آپ کو اپنے عقائد ہی درست کرنے کی ضرورت ہے جب اس جہل سے نجات ہو جائے۔ تب کہیں مرید ہونے کا نام لیجئے گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا بلا وضوء نماز ہو سکتی ہے عرض کیا نہیں فرمایا کہ یہ اس طریق کا وضوء اور غسل ہے کہ پہلے عقائد و اعمال ظاہری درست کیے جائیں اس لئے پہلے اس کے غسل کی فکر کیجئے اس سے فارغ ہو کر تب مرید ہونے کا نام لیجئے ایسا ہوتے ہوئے آپ نے کیسے حساب لگا لیا تھا کہ جاؤں گا مرید ہو جاؤں گا۔ اور میرے سو وعظ دیکھ کر یہ بھی لکھئے کہ عقائد کی کیا غلطیاں نکلیں اور اعمال کی کیا صورت اور حالت ہے اس سے قبل مجھ سے ہرگز خط و کتابت نہ کیجئے گا۔ فرمایا کہ یہ سب رسمیں جاہل دکاندار پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں جہاں کوئی آیا جھٹ مرید کر لیا کہ کہیں شکار ہاتھ سے نہ نکل جائے نہ آنے والے کے عقائد کی خبر نہ اعمال کی خبر نہ ایمان کی خبر ان پیروں کے یہاں خرابیاں بے حد و حساب خرابیاں ہو رہی ہیں ان کے یہاں بلا غسل اور وضوء کے نماز جائز بلا احرام کے حج جائز ان دکانداروں کی عجیب غریب باتیں ہوتی ہیں ایک طرف تو بیوی بچوں کے مسنون تعلق سے بھی تصوف ختم ہو جاتا ہے اور دوسری طرف بت پرستی بھی تصوف کی مانع نہیں (تمت تادیب الطالب)

(۷۶) انسان کو اپنی فکر ضروری ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں جماعت کے لوگ حضرات دیو بندیوں کو ایسا ایسا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ تو فرماتے ہوں گے یا نہ فرماتے ہوں گے اور نہ ان کے فرمانے کی خبر ہوئی لیکن اصل تکلیف کے سبب تو آپ ہیں کہ تم کو محبت کا تو دعوی اور پھر دوسروں کے اقوال بیان کر کر کے تکلیف پہنچاؤ۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک دشمن نے پشت کی طرف سے تیر مارا تھا اور وہ نہیں لگا زمین پر گر گیا۔ کسی دوست نے وہ تیر اٹھا کر اس کو چبھو کر کہا کہ دیکھو فلاں دشمن نے تمہارے یہ تیر مارا تھا تو دشمن تو سبب تکلیف کا نہ ہوا مگر دوست تکلیف کا سبب ہوا بالکل اس وقت آپ کی یہی مثال ہوئی۔ بھلا تم کو اس بے ہودہ اور فضول کلام کی ضرورت ہی کیا تھی کیا تم اخبار کے ایڈیٹر ہو یا دنیا کی خبریں آپ میں ٹائپ ہوتی ہیں اور آپ ان کو مشتہر کرتے پھرتے ہیں۔ مجھ کو آپ کے اس وقت کے بے ہودہ کلام گوئی سے سخت اذیت پہنچی یک نہ شد دو شد ایک بدفہم سے فراغت ہوئی بھی نہ تھی کہ آپ کو جوش اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اسی واسطے نئے آنے والوں کے لئے مکاتبت و مخاطبت کو پسند نہیں کرتا اور جب کسی کے ساتھ رعایت کا برتاؤ کرتا ہوں یہی نتیجہ نکلتا ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح ایک شخص نے کسی مخالف کا قول نقل کیا کہ حضرت فلاں شخص آپ کی نسبت یہ کہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ شخص بہت اچھا ہے اس نے اتنا تو لحاظ کیا کہ منہ پر نہیں کہا اور تو اس قدر بدلحاظ نکلا کہ منہ پر کہہ رہا ہے اس وقت وہ شخص مارے ندامت اور شرمندگی کے پانی پانی ہو گیا اور اس کو کبھی چغل خوری کی ہمت نہیں ہوئی حوصلہ پست ہو گیا یہ بھی ایک بڑا مرض ہے کہ دوسروں کے اقوال افعال قصے جھگڑے لئے پھرتے ہیں ارے اپنی خبر لو دوسروں کے تو صرف مکھیاں بھنک رہی ہیں اس پر اعتراض ہے اور اپنے کیڑے پڑ رہے ان کی بھی فکر نہیں انسان کو اپنی فکر ضروری ہے جب اس سے فارغ ہو جائے اس وقت دوسرے کی فکر میں لگے اور ایسا فراغ قبل از موت نصیب نہ ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کو اپنی فکر ہوگی وہ ساری عمر بھی دوسروں کی حکایت شکایت اور قصوں جھگڑوں میں نہ پڑے گا۔ کام کرنے والوں کا تو یہ مذہب اور مشرب ہوتا ہے۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

حضرات صحابہ کرام بھلا ان قصوں جھگڑوں میں تو کیا اپنا وقت خراب کرتے جن چیزوں کو آج کل کے خواص تک علوم مقصود سمجھتے ہیں مسئلہ تقدیر ہے یا ذات صفات پر بحث ہے ان چیزوں کے متعلق ان حضرات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ دریافت کرنا اس امر کو صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب باتیں بھی زائد از ضرورت ہیں۔ کام کرنے والے کے نزدیک ان میں پڑنا بھی اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ ضروری کاموں میں لگو کیوں اپنے وقت کی بے قدری کرتے ہو وہ وقت قریب ہے کہ اس پر پچھتاؤ گے اس لئے اس وقت کے آنے سے پہلے اپنے اعمال کا محاسبہ کرلو اور خدا کو راضی کرنے کی فکر کرو حق تعالیٰ سب کو فہم سلیم عطا فرمائیں۔

۶ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

(۷۷) حکایت حضرت حجۃ الاسلام و پنڈت دیانند سرستی

فرمایا کہ رنگون سے ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ دیوبند سے فلاں مولوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں جن سے لوگوں کو بے حد نفع ہوا اور نفع ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ انہوں نے کسی سے کچھ لیا نہیں۔ لوگ خلوص اور محبت سے خدمت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن قبول نہیں کیا اس سے لوگوں پر زیادہ اثر ہوا۔ ماشاء اللہ اگر سب علماء ایسے ہی ہو جائیں تو لوگوں کے قلوب میں دین اور اہل دین کی کس قدر عظمت اور محبت پیدا ہو جائے۔ معلوم ہوا جو شخص خدمت کرنا چاہتا صاف جواب دے دیتے کہ مجھ کو اللہ نے بقدر ضرورت دیا ہے اگر تم لوگوں کا جی چاہے تو مدرسہ دیوبند میں بھیج دو۔ لکھا ہے کہ قریب چھ ساڑھے چھ ہزار روپیہ مدرسہ کے لئے ہو گیا۔ فرمایا کہ اگر استغناء خلوص سے ہو اس کا قلوب پر ضرور اثر ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تمام اہل علم اسی شان کے ہوں۔ مگر یہ بات اس وقت اہل علم میں ہے نہیں۔ ہے افسوس کی بات روڑکی میں جس وقت دیانند سرستی نے اعلان کیا کہ میں تو مولوی کاسم (حضرت مولانا محمد قاسم صاحب) ہی سے مناظرہ کروں گا اور یہ اعلان اس کا اس خیال سے تھا کہ اس کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مولانا اس وقت ضیق النفس کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ جس سے بات کرنا مشکل ہے وہ تشریف نہیں لا سکتے۔ لوگوں نے حضرت مولانا کو اطلاع دی۔ حضرت اسی حالت میں چل کھڑے ہوئے خدام نے کہا بھی کہ حضرت کی طبیعت اچھی نہیں ایسی حالت میں سفر کرنا

مناسب نہیں فرمایا کہ میرا نام لے کر اعلان کرتا ہے بڑی غیرت کی بات ہے کہ میں نہ جاؤں ضرور جاؤں گا ایک مجمع ساتھ ہولیا۔ حضرت مولانا نے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو بھائی میں وہاں نہ خود کسی کے یہاں کھاؤں گا اور نہ کسی کو کھانے دوں گا اپنا اپنا کھانا ہوگا وہاں پر بازار موجود ہے۔ غرضیکہ حضرت روڑکی پہنچے پنڈت جی کو معلوم ہوا کہ مولانا تشریف لے آئے ہیں اس کے ہوش وحواس گم ہوگئے بڑی کوشش کی گئی مگر مقابلہ پر نہیں آیا اس زمانہ میں وہاں پر ایک انگریز جنٹ تھا اس کے ایک مسلمان پیش کار تھے۔ انہوں نے جنٹ سے ذکر کیا کہ مولانا تشریف لائے ہوئے ہیں اس نے کہا کہ ایسے ہی کھانے کمانے کو پھرتے ہوں گے انہوں نے کہا کہ وہ تو کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے کہنے لگا کہ اگر یہ بات ہے تو وہ عالم ہیں ہم ان کی زیارت کریں گے ہم کو ان سے ملاؤ۔ پیش کار نے مولانا سے عرض کیا کہ جنٹ ملاقات چاہتا ہے مولانا نے فرمایا کہ ہم خود چل کر ملیں گے حالانکہ وہ خود حاضر ہونا چاہتا تھا مگر مولانا کی کسر نفسی اور اخلاق مشہور ہیں دوسرے دین کی مصلحت تھی اس لئے وہ خود تشریف لے گئے جنٹ کو اطلاع ہوئی بہت ہی ادب سے پیش آیا اور بہت ہی احترام سے بٹھایا۔ فلسفہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ فلسفہ کے متعلق مولانا سے کچھ سوال کیا مولانا نے اس پر تقریر کی بے حد خوش ہوا۔ فرط مسرت سے کھڑا ہو جاتا تھا اور بار بار اپنی ران پر ہاتھ مارتا تھا جب تقریر ختم ہو چکی تو عرض کیا کہ حضور نے یہاں پر اس قصبہ میں آنے کی کیسے تکلیف گوارا فرمائی۔ فرمایا کہ دیانند سرستی نے مناظرہ کا اعلان کیا ہے اور میرا نام لے کر اعلان کیا ہے کہ اسی سے مناظرہ کروں گا۔ اب میں باوجود علیل ہونے کے آ گیا لیکن وہ مناظرہ کیلئے آمادہ نہیں ہوتا نہ مقابلہ پر آتا ہے جنٹ نے عرض کیا کہ میں بلاتا ہوں ایک حکم جنٹ نے پنڈت جی کے نام بھیج دیا پنڈت جی حاضر ہو گئے۔ جنٹ نے سوال کیا کہ جب تم مناظرہ کا اعلان کر چکا تم اب تو مناظرہ کیوں نہیں کرتا پنڈت جی نے کہا کہ اندیشہ فساد کا ہے۔ مولانا کے بھی معتقد ہیں میرے بھی معتقد ہیں۔ جنٹ نے کہا کہ تم اس کی فکر مت کرو اس کا ذمہ دار ہم ہے۔ ہم انتظام کرے گا تم مناظرہ کرو تم کو اس سے بحث نہیں۔ مولانا نے پنڈت جی سے فرمایا کہ اس موقع پر اور اس وقت پر تو کسی فساد اور بلوہ کا اندیشہ نہیں۔ یہیں پر اس وقت گفتگو سہی۔ پنڈت جی نے عرض کیا کہ اس وقت تو میں اس ارادہ سے نہیں آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ارادہ تو فعل اختیاری ہے اب ارادہ کر

لیجئے بس اس کی ترقی سب تمام ہوگئی۔ مولانا کے سامنے بولنا بڑا مشکل تھا کوئی نہیں بول سکتا تھا وہ بے چارہ کیا بولتا مگر اس نے کچھ تحریری سوالات بھیجے مولانا نے جواب بھیجے جن پر دیانند سرتی نے کہا کہ تھا کہ میں تو بانچتے بانچتے تھک جاتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ مولانا کا تو ہر سوال پر ایک مستقل رسالہ ہوجاتا تھا اور وہ محض جاہل تھا۔ معلوم نہیں ہنود اس کے اس قدر کیوں معتقد تھے غرضکہ کسی صورت سے بھی وہ تقریری مناظرہ کے لئے آمادہ نہیں ہوا۔ اور تحریر کی عوام کو کوئی اطلاع نہ ہوتی تھی اس لئے لوگوں نے مولانا سے عرض کیا کہ وہ کسی طرح بھی گفتگو کے لئے تیار نہیں ہوتا جس کا عوام پر اثر ہوتا تو حضرت ایک وعظ ہی فرمادیں۔ مولانا نے اس علالت ہی کی حالت میں قبول فرمالیا وعظ کا اعلان ہوگیا۔ اس زمانہ میں روڑکی کالج میں بڑے بڑے انگریز ریاضی اور سائنس کے ماہر تھے وہ بھی وعظ میں شریک ہوئے ہر قسم کے طبقے کے لوگوں کا مجمع تھا۔ مولانا نے نبوت کے اثبات پر بیان فرمایا اس بیان کا یہ اثر تھا کہ ان انگریز استادوں کے آنسو جاری تھے۔ ریاضی اقلیدس مساحت فلسفہ منطق کوئی فن نہیں چھوڑا ہر فن سے مولانا نے اپنے مدعا کو موید کیا اور عجیب بات ہے کہ سارے بیان میں مولانا کو ایک مرتبہ بھی کھانسی نہیں اٹھی۔ یہ بات اس پر چلی تھی کہ مال کا نہ لینا بڑا اثر رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ جنٹ مولانا کا صرف یہ معلوم کر کے اس لئے معتقد ہوا کہ وہ دعوت تک قبول نہیں کرتا اگر تمام علماء اسی شان کے ہوجائیں تو ایک دم کایا پلٹ جائے مگر علماء میں اس کی بڑی کمی ہے۔ خصوصاً اکثر اہل مدارس میں کہ وہ چندہ کے باب میں قطعاً احتیاط نہیں کرتے۔

(۷۸) عبور الراری فی سرور الزراری لکھنے کا سبب

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ الحمد للہ سال گزشتہ کے مقابلہ میں اس وقت طبیعت اچھی ہے۔ کچھ آثار کھانسی کے شروع ہوگئے تھے مگر اطباء کی رائے اور تدابیر شروع کرنے پر وہ حالت جاتی رہی اور بھی بعض شکایتیں ہوجاتی تھیں وہ بھی بحمد اللہ نہیں ہوئیں نیند بھی آج کل اچھی طرح پر آرہی ہے بعض طبیبوں کی رائے تھی کہ کثرت کام کی وجہ سے دماغ پر اثر ہے میں نے کام کم کرنے کا بھی انتظام شروع کردیا ہے۔ بہت تخفیف کردی ہے۔ تخفیف سے مراد یہ ہے کہ ابھی بالکلیہ تو کام نہیں چھوڑا مگر مقدمات تخفیف

کے تخفیف ہی کے حکم میں ہیں۔ اب میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ دماغ بڑے کاموں کا متحمل نہیں مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی کام اتفاقی طور پر ایسا نکل آتا ہے کہ اس کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ ابھی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مفتی صاحب کا ایک لکھا ہوا خواب آ گیا اور ایک مسئلہ شرعی سے متعلق تھا اس کے جواب میں پہلے تو ایک مختصر مضمون لکھا پھر بعض روایات کو دیکھا تو اس مسئلہ خاص پر ایک اچھا خاصہ رسالہ ہو گیا وہ خواب بھی عجیب وغریب ہے لکھا ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حالت بے خودی میں نصیب ہوئی اور آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے اس حقیر سے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں ذراری یعنی اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے میں شک ہے۔ ارشاد ایسے طریقے سے تھا کہ جس سے ان کا جہنمی ہونا معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایک مسئلہ شرعی ہے اس سے قبل میرا غلبہ ظن ان کے ناجی ہونے کا تھا اور ناجی ہونے کی روایت کو راجح سمجھتا تھا مگر اس ارشاد کے بعد سے اپنا خیال بھی برعکس ہو گیا ہے اور اس وقت اس مسئلہ کا بالکل وہم وگمان بھی نہ تھا اچانک بیٹھے بیٹھے بے خودی طاری ہو کر (یعنی بدون النوم الخالص) زیارت اور ارشاد کی برکات نصیب ہوئیں یہ خواب تھا (انتہی قول المفتی) یہ ایسا نازک مسئلہ کہ اگر عوام کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ یہ سمجھ کر کہ خدا کے یہاں کوئی معیار ہی نہیں کوئی کفر وغیرہ کرے تب اور نہ کرے تب اس کو دوزخ میں جھونک دیتے ہیں۔ اور اس شبہ کی وجہ سے ہزاروں مسلمان کافر ہو سکتے ہیں میں نے لکھا ہے کہ مسئلہ مستقل تحقیق کے قابل ہے کوئی حکم نہیں کیا جا سکتا جس سے کسی شبہ کی گنجائش ہو کیونکہ خواب یا بے خود حجت شرعیہ نہیں پس اس سے نہ راجح غیر راجح ہو سکتا ہے اور نہ غیر راجح راجح ہو سکتا ہے نہ ثابت غیر ثابت ہو سکتا ہے اور نہ غیر ثابت ثابت ہو سکتا ہے۔ سب احکام اپنی حالت پر رہیں گے ہاں اتنا اثر ہو سکتا ہے رائی پر کہ جانب احوط کو پہلے سے زیادہ لے لے مگر اس جواب علمی کے ساتھ ہی کیا اس کا کوئی ایسا جواب بھی ہے۔ جس سے عوام کو سکون ہو سو اس کی مفصل بحث میں نے ایک رسالہ کی صورت میں لکھ کر جس کا اوپر ذکر آیا ہے تربیت السالک میں نقل کرا دی ہے جو قابل دیکھنے کے ہے اور اس کا ایک نام بھی مستقل رکھ دیا ہے عبور الراری فی سرور الزراری (جو النور بابت شوال ۱۳۵۱ھ میں شائع بھی ہو گیا ہے) میں نے خواب کے حجت نہ ہونے کی تائید میں مفتی صاحب کو یہ بھی لکھا ہے کہ میں

آپ ہی سے استفسار کرتا ہوں کہ اگر کوئی آپ ہی جیسا دوسرا شخص ثقہ متقی عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ فرمائیں کہ کیا تمہیں ذراری مشرکین کے جنتی ہونے میں شک ہے تو آپ اس خواب کا کیا جواب دیں گے بجز اس کے کہ خواب حجت نہیں۔ اس قسم کے مسائل بہت ہی نازک ہیں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے مجھ کو تو الحمد للہ ایسے مسائل میں احتیاط کرنے کے متعلق شرح صدر ہو گیا اور قلب بالکل مطمئن اور ساکن ہو گیا۔ اسی طرح ایک صاحب نے استوی علی العرش کے مسئلہ پر اعتراض کیا تھا۔ میں نے تفسیر بیان القرآن میں اس مسئلہ میں اس طرح ترتیب رکھی تھی کہ متن میں تو متاخرین کے قول کو رکھا تھا اور حاشیہ میں متقدمین کے قول کو اور یہ ظاہر کر دیا تھا کہ راجح مسلک متقدمین ہی کا ہے مگر ان معترض صاحب نے متاخرین کے مسلک پر اس قدر گستاخی اور بے باکی سے قلم اٹھایا ہے کہ جس کا کوئی حد وحساب نہیں متاخرین کو گمراہ تک کہا مجھ کو ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی اس پر جو میں نے بطور جواب کے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے **تمهید العرش فی تحدید العرش** وہ بھی ایک عجیب چیز ہے لیکن مسئلہ کے نازک ہونے کے سبب اس کے لکھنے کے وقت جو کچھ مجھ پر صعوبت گزری ہے اور اس کو بھی میں نے رسالہ میں ظاہر کر دیا ہے میں ہی جانتا ہوں میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت یہ تمنا ہوتی تھی کہ کاش کہ میں جاہل محض ہوتا تو اچھا ہوتا کہ یہ چیزیں ذہن ہی میں نہ آتیں مگر اس وقت اللہ ہی نے دستگیری فرمائی اور ذہن نے پلٹا کھایا اور یہ سمجھ میں آیا کہ یہ تمنا بھی علم ہی کی بدولت ہے اس پر قلب کو سکون ہو گیا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ کبھی علوم کی کثرت سے بھی جہل بڑھتا ہے اور بعض علم جہل کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ جاہل محض کو ایسے شبہات کا کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا حالانکہ **استواء علی العرش** اور **یداللہ فوق ایدیھم** سب کچھ اس کے کانوں میں پڑتا ہے البتہ اس مقام پر کامل العلم سنبھل سکتا ہے۔ اب یہاں پر ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جس کو علم کامل حاصل ہے اس کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا اور عوام اور جاہلوں کو شبہ اور وسوسہ نہیں ہوتا پھر متاخرین نے جو تاویل سے کام لیا وہ کس کی رہبری کے لئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسوں کی رہبری کے لئے ایسا کیا گیا کہ جن کی یہ حالت ہے **لا الی ھولاء ولا الی ھولاء** جو نہ جاہل ہیں نہ عالم۔ متاخرین نے ان کی حفاظت کی

ضرورت سے ایسا کیا ایسے لوگوں نے فرق باطلہ سے مثلاً مجسمہ مشبہہ وغیرہم سے شبہات سنے یا انہوں نے قصداً ان کو بہکایا جیسا کہ اس زمانہ میں بھی ایسا ہو رہا ہے کہ دین کے ڈاکو اور راہزن ہزاروں اور لاکھوں موجود ہیں۔ جنہوں نے مخلوق کو گمراہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے ایسے اقوال وشبہات سن کر انہوں نے اپنے زمانہ کے علماء اہل حق اور محققین سے پوچھا اور انہوں نے دیکھا کہ یہ بے چارے حقیقت کے متحمل نہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں تاویلات مناسبہ اختیار کیں تا کہ یہ لوگ گمراہی سے بچیں تو حقیقت میں انہوں نے امت پر یہ بڑی رحمت کی ہے پھر اس پر ان کی تضلیل اور تفسیق کرے تو وہ خود گمراہ ہے اور عجیب بات ہے کہ معترض نے یہ نہ دیکھا کہ خود ان متاخرین نے بھی تو متقدمین ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور رائج فرمایا ہے اس سے خود ثابت ہوتا ہے کہ حضرات متاخرین بھی متقدمین ہی کے مسلک پر تھے۔ لیکن بضرورت لوگوں کے سکون اور تسلی اور ایمان بچانے کے لئے مسئلہ میں تاویل کر کے پیش کر دیا اور یہاں سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہدایت کے لئے نہ علم کافی نہ صحبت کافی کیونکہ ایسے لوگ بھی غلطی میں پڑے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ چیزیں دخیل یا معین بھی نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ کافی نہیں۔ کفایت کرنے والی چیز صرف محبت ہے اگر یہ نہ ہو تو محض معرفت بھی بدون محبت کے گمراہی کا پھاٹک ہے۔ البتہ حق تعالیٰ جس کو اپنی محبت عطا فرما دیں وہ بڑی دولت ہے نرے معارف سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ محبت نہ ہو اور حسرت یہ ہے کہ ہم لوگ اسی سے محروم ہیں ہم کو محبت کہاں ہے محض دعویٰ ہی دعوی ہے۔ محبت کا نماز ہی میں دیکھ لیجئے کیا ہوتا ہے بس یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد نماز سے فارغ ہو جائیں کیا اس کو محبت کہیں گے۔ ادنی درجہ کی محبت پر مثال عرض کرتا ہوں گو مثال فحش ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی رنڈی پر کوئی عاشق ہو جاوے اور وہ اپنے عاشق سے کہے کہ میں تو چلمن ڈال کر بیٹھتی ہوں اس طرح سے کہ اپنے کو نہ دکھلاؤں گی اور تم کو دیکھوں گی تم یہاں پر بیکار بیٹھے رہو یا فلاں مشقت کا کام کرتے رہو۔ اب فرمایئے کہ اگر وہ واقعی سچا عاشق ہے اور سچا محب ہے تو کیا وہاں بیٹھ کر اٹھ سکتا ہے یا اس کام میں کوتاہی کر سکتا ہے جبکہ اس کو یہ معلوم ہے کہ وہ مجھ کو دیکھ رہی ہے حضرت قیامت آ جائے جو اٹھنے کا نام بھی لے تو پھر کیا وجہ کہ ہمارا یہ اعتقاد بھی ہو کہ حق تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور پھر عمل میں کوتاہی کر رہے ہیں اس حالت میں کیا

کوئی محبت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ محض الفاظ ہی محبت کے یاد کر لئے ہیں اور اس مبحث میں مطالعہ کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے قریب الی الحقیقت صوفیہ ہیں گو کنہ تک کوئی بھی نہیں پہنچا لیکن اوروں کے مقابلہ میں صوفیہ پھر قریب ہیں اور افسوس کہ معترض صاحب سب سے زیادہ صوفیوں ہی کے دشمن ہیں۔ ان معترض صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ تم شر القرون کے صوفیوں کی حمایت کرتے ہو ذرا تہذیب تو ملاحظہ ہو میں نے باوجود معترض صاحب کی زیادتیوں کے تفسیر بیان القرآن میں ان کے مشورہ کے مطابق ترمیم بھی کر دی کیونکہ خدانخواستہ حق سے کوئی ضد تھوڑا ہی ہے جو بات اچھی ہے اس کے مان لینے میں کون مانع ہے میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ ایک شخص کی گنی کھوئی گئی بہت تلاش کی نہ ملی دوسرے نے پا کر پھینک کر اس کے ماتھے پر ماری جس سے چوٹ بھی آئی تو کیا اس چوٹ کی وجہ سے گنی کو نہ اٹھائے گا یا اس کو پھینک دے گا ہرگز نہیں بلکہ اس کو تو اٹھا کر جیب میں رکھ لے گا اور ماتھے کو تھوڑی دیر سیلا کر ٹھیک کر لے گا۔

(۷۹) حق تعالیٰ شانہ کی عطا پر نیاز کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی کو اپنی کسی چیز پر بھی ناز نہ کرنا چاہئے نہ علم وفضل پر نہ عقل و فہم پر نہ زہد وتقوے پر نہ عبادت اور اعمال پر نہ شجاعت اور قوت پر نہ حسن اور جمال پر یہ سب حق تعالیٰ کی عطاء ہیں۔ پھر ناز کس بات پر' ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں سب عطاء حق ہے تو پھر تو نیاز کی ضرورت ہے اگر بیجا ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں اس کو فرماتے ہیں۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد　　چون نداری گرد بدخوئی مگرد
عیب باشد چشم نابیناؤ باز　　زشت باشد روئی نازیباؤ ناز

(۸۰) حضرات انبیاء علیہم السلام کی قوت قلبی

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں جب کوئی حالت شاقہ اپنے پر گزرتی ہے تب حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اس وقت یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کیسا تحمل تھا کہ اعداء نے سب کچھ سنتے تھے اور سہتے تھے کیا ٹھکانا ہے اس قوت قلبی کا اور ایک ہم ہیں کہ ایسے موقع پر کم از کم کچھ کہہ سن کر دل تو ٹھنڈا کر لیتے ہیں اور اگر انبیاء میں یہ بات

نہ ہوتی تو آخر تبلیغ کیسے ہوتی اور وجہ اس تحمل کی یہ تھی کہ وہ مامور من اللہ تھے اس لئے بڑا عالی ظرف رکھتے تھے سبحان اللہ۔

(۸۱) سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب کی شان علم

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں بھی کیا شک ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہایت کامل العلوم ہیں اور جو نائب الرسول ہیں ان کو بھی حق تعالیٰ علوم انبیاء علیہم السلام کے مشابہ عطا فرماتے ہیں۔ امثلہ بھی عجیب غریب ان حضرات پر کھول دیئے جاتے ہیں کہ بڑے سے بڑے غامض مضامین کو امثلہ سے پانی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اصطلاحی علم نہ تھا مگر حضرت کی تحقیقات کو دیکھ لیجئے کہ بڑے بڑے متبحر علماء اور فضل وکمال رکھنے والے حضرات کی تحقیق کے وقت انگشت بدندان ہو جاتے تھے اور اس وقت حضرت کی یہ شان معلوم ہوتی تھی۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب بے معید و اوستا

اور علوم میں یہ برکت تقوی سے پیدا ہوتی ہے اور افسوس یہی چیز آج کل ہم میں مفقود ہے۔

۶ جب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(۸۲) بدانتظامی کی خرابیاں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اخبار مباہلہ قادیانیوں کے مقابلہ پر جاری ہے بہت کام کر رہا ہے۔ لیکن کوئی امداد یا نصرت کرنے والا نظر نہیں آتا اور مسلمانوں کا تمام توکل اور سارا بھروسہ خدا پر ایسے ہی موقعوں پر ظاہر ہوتا ہے کہتے ہیں کہ حق کی امداد اور نصرت خدا ہی کرتا ہے ہماری کیا حاجت یہ عقیدہ تو صحیح ہے مگر غرض اس کی فاسد ہے وہ غرض یہ ہے کہ ہم کوئی دین کی حمایت اور نصرت نہ کریں اور یہ سارا توکل اور بھروسہ دین ہی کے کاموں میں رہ گیا ہے دنیا کے کاموں میں اس عقیدہ کا ظہور کیوں نہیں ہوتا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔ اسی اخبار کے متعلق دیکھ لیجئے کہ کوئی خریدار نہیں پیدا ہوتا اب کس ہمت پر کوئی کام کرے اور یہ تمام تر خرابی بدانتظامی کی ہے کہ ہماری کوئی تنظیم نہیں ورنہ اگر ہم میں کوئی جماعت منظم ہوتی تو کچھ نتیجہ بھی نکلتا اور اس کام کو استقامت بھی ہوتی اب ہر شخص

اکیلا اکیلا کام کر رہا ہے وہ کام تھوڑے دنوں چلتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے اور اس تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے اور خرابیاں بھی پیش آ رہی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ جب کوئی تنظیم نہیں تو اصول بھی نہیں اور اصول نہ ہونے کی وجہ سے کام کرنے والا بھی کبھی حدود سے نکل جاتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت خرابیاں واقع ہوتی ہیں اور ان سب کا انسداد صرف صحیح تنظیم سے ممکن ہے۔

(۸۳) نری تمنا سے کیا ہوتا ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نری تمنا سے کیا ہوتا ہے کوئی تمنا کرے کہ میں کلکٹر ہو جاؤں اور تدابیر نہ کرے تو کیا نتیجہ یا تنخواہ کی تمنا کرے اور نوکری نہ کرے یا غلہ کی تمنا کرے اور کھیتی نہ کرے یا روپیہ کی تمنا کرے اور تجارت نہ کرے یا اولاد کی تمنا کرے اور نکاح نہ کرے یا دہلی پہنچنے کی تمنا کرے اور سفر نہ کرے جب یہ معلوم ہے کہ نری تمنا سے کام نہیں چلتا تو آخرت ہی میں اس قاعدہ کو کیوں بھول گئے نرے رونے پیٹنے سے اس میں بھی کام نہ چلے گا جب تک کہ اعمال مامور بہا کو اختیار نہ کرو گے اور معاصی سے نہ بچو گے دین کے لئے بھی تو اس کی تدابیر اختیار کرو عرفی نے خوب کہا ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال   صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

ہم جو کچھ کرتے ہیں سب حیلے حوالے ہیں کام تو کرنے سے ہوا کرتا ہے کام میں لگو کام کرو۔

کار کن کار بگزار از گفتار   اندریں راہ کار باید کار

(۸۴) شریعت میں ہر چیز کے حدود ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کہنے کو تو علم کی ترقی ہو رہی ہے مگر حقیقت میں جہل کا بازار گرم ہے۔ ہر شخص مجتہد اور محقق بنا ہوا ہے جس کو دیکھو مفسر مفتی محدث بن رہا ہے۔ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے اسی وجہ سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ جہاں کسی سے ذرا سی کوئی بات خلاف نفس ہوئی اور کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ کتنی سخت بات ہے' ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ میں نے کہا کہ جو شخص علم بلا واسطہ کا قائل ہے وہ تو کافر ہے اور جو علم بواسطہ کا قائل ہو یعنی خدا کی عطاء کے واسطہ کا وہ کافر نہیں اگرچہ وہ علم محیط ہی کا قائل ہو گو یہ اعتقاد کذب تو

ہے مگر ہر کذب تو کفر نہیں۔ ہاں البتہ عقیدہ کی معصیت فسق ضرور ہے اور میں تو کبھی ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہتا جو مجھے کافر کہے کیونکہ کسی مسلمان شخص کو کافر کہنا عقیدہ کی تو معصیت اور فسق ہے مگر کفر نہیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسے مشاغل خود دلیل اس کی ہے کہ یہ شخص ضروری فکر سے خالی ہے۔ میں تو اس موقع پر یہ پڑھا کرتا ہوں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو ۔۔۔ چو بگذشت برعارف جنگ جو

گرایں مدعی دوست بشناختے ۔۔۔ بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

دوسروں کی فکر میں کیوں پڑے اپنی فکر مقدم ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب تھے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسے امور اظہار حق کے لئے ہوں تو کیا اس کو بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ دوسروں کی فکر میں ہے فرمایا کہ یہ ذوق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا مدعا اظہار حق ہے یا دوسروں کے درپے ہونا ہے یہ تقریر سے تحریر سے معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ نصرت حق کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ نیز اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اظہار حق بقدر ضرورت ایک دو تین چار دفعہ کر دیا یہ کیا بات کہ ساری ساری عمریں اسی میں کھپا دیتے ہیں ایک دوسرے کا مقابل بنا ہوا ہے اظہار حق اس پر تو موقوف نہیں شریعت میں ہر چیز کے حدود ہیں۔ قرآن شریف سے بھی یہی طرز ثابت ہے کہ زیادہ تر حق کو ظاہر فرمایا گیا ہے مخالف پر زیادہ رد و قدح نہیں کیا گیا باقی آج کل تو لوگوں نے اکھاڑے جما رکھے ہیں ایک مولوی صاحب جمعہ فی القری کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ قریہ میں جمعہ جائز نہیں اس میں ان کو اسقدر شغف تھا کہ ایک بڑا وقت اس میں کھپا دیا۔ دیوبند سہارنپور، دہلی مراد آباد، کانپور لکھنؤ اور خدا معلوم کہاں کہاں کے مشاہیر علماء کے اس پر دستخط حاصل کئے یہاں پر بھی آئے اس وقت تعطیل رمضان میں بہت علماء جمع تھے ان سے دستخط کرانے کے اہتمام میں لگ گئے میں نے کہا کہ مولوی صاحب جس کو تم دین سمجھ رہے ہو یہ کھلی ہوئی دنیا ہے کہ یہ شغل تم کو دوسرے اس سے اہم مشاغل سے مانع ہو رہا ہے لاؤ وہ ذخیرہ کہاں ہے وہ تو اس کا مصداق ہے کہ

جملہ اوراق کتب درنار کن ۔۔۔ سینہ را از نور حق گلزار کن

اور اس کا مصداق ہے

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آن حرف وچہ ایمان
بہر چہ ایاز یار دورافتی چہ زشت آن نقش وچہ زیبا

اور میں نے اس ذخیرہ کو جلوا دیا اس کے بعد ان مولوی صاحب نے دوسروں سے کہا کہ مجھ کو اس سے اس قدر نفع ہوا کہ جیسے قلب سے پہاڑ ہٹ جاتا ہے ایک بڑی زبردست بلا سے نجات ہوگئی ورنہ قلب ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا تھا نہ نماز میں جی تھا نہ روزہ میں نہ قرآن میں۔ حضرت مرض کو طبیب ہی پہچانتا ہے دوسرے کو کیا خبر کہ یہ دین کی وجہ سے مشغول ہے یا دنیا اور نفس کی وجہ سے۔ اس قدر کاوش ہے یہ رنگ تو اظہار حق سے زائد ہی ہے اگر یہ مولوی صاحب اور کہیں جاتے تو اس کو حمایت دین سمجھ کر معلوم نہیں ان کی کس قدر مدح کی جاتی۔ یہاں یہ گت بنی۔ اپنے بزرگوں کا یہی رنگ دیکھا اور یہی پسند ہے یہ حضرات حکیم تھے ہر چیز ان کے یہاں حد پر رہتی تھی دوسروں میں یہ رنگ نہ دیکھا اور نہ ہے۔

(۸۵) حرص وطمع کا سبب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت اکثر علماء کا بے وقعت ہو جانا زیادہ تر ان کے حرص اور طمع کے سبب ہے یہ بلا کم بخت کسی طرح پوری نہیں ہوتی۔ اسی کو کہتے ہیں۔

کوزہ چشم حریصاں پر نشد　　　تا صدف قانع نشد پر درنشد

(۸۶) بدعت کی اصل

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس بدعت کی کوئی اصل نہ ہو اس سے اتنی مضرت کا اندیشہ نہیں جتنا اصل ہونے کی حالت میں اندیشہ ہے کیونکہ متبدع لوگوں کو اس میں ذرا سہارا مل جاتا ہے اس کو آگے بڑھا لیتے ہیں۔

(۸۷) جاہل پیروں کی من گھڑت ایجاد

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان دکاندار جاہل پیروں کی بدولت بڑی گمراہی پھیلی ...... ان جاہلوں کی ایک من گھڑت ایجاد یہ بھی ہے کہ تعلقات واجبہ کو بھی اس طریق میں مضر سمجھتے ہیں چنانچہ بہت سے لوگ آبادی چھوڑ کر جنگل کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیوی بچوں کو منہ نہیں

لگاتے قطع رحم کو دین سمجھتے ہیں مگر واقع میں ایسے تعلقات کا قطع کرنا ناپسندیدہ نہیں۔

(۸۸) اذیت سے بچنے کی تدابیر

ایک صاحب نے ایک خط ہاتھ میں لئے ہوئے اس کا خلاصہ حضرت والا سے زبانی عرض کیا کہ فلاں صاحب کا یہ خط آیا ہے۔ حضرت والا کی خیریت دریافت کی ہے اور دعاء کے لئے عرض کیا ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ براہ راست خط وکتابت کی اجازت فرمادی جاوے جس میں محض حضرت والا کی خیریت معلوم کرلیا کروں اور اپنے لئے دعاء کی درخواست کرلیا کروں۔ فرمایا کہ ان کا تو پہلے بھی غالباً اسی مضمون کا خط آیا تھا۔ عرض کیا کہ جی آیا تھا فرمایا مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے اس پر کیا جواب دیا تھا۔ عرض کیا کہ دو باتیں حضرت نے جواب میں لکھ دینے کو فرمایا تھا ایک تو یہ کہ اس کے قبل براہ راست مکاتبت کی اجازت نہ ہونے کی وجہ لکھیں کہ کیوں ممانعت کی گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ جو صورت اس وقت اختیار کررکھی ہے کہ بواسطہ معلوم کرلیتے ہیں اس سے بھی تو خیریت معلوم ہو ہی جاتی ہے۔ براہ راست میں اور کیا نئی بات ہوگی۔ میں نے یہ دونوں باتیں ان کو لکھ دیں تھیں۔ تو کیا ان باتوں کا جواب اس خط میں ہے۔ عرض کیا کہ ایک بات کا تو جواب ہے دوسری بات کا جواب نہیں۔ فرمایا کون سی بات کا جواب ہے۔ عرض کیا کہ یہ لکھا ہے کہ مجھ کو مکاتبت اور مخاطبت کی ممانعت کردی تھی مگر میں نے رخصت ہونے کی اجازت بذریعہ پرچہ چاہی جس میں صریح حضرت والا کے حکم کی مخالفت ہوئی اس لئے مکرر ممانعت کردی فرمایا یہ تو معلوم ہوگیا اب یہ دیکھا جاوے کہ دوسری بات کا بھی کچھ جواب دیا یا نہیں۔ عرض کیا کہ اس کا تو سارے خط میں بھی کوئی ذکر نہیں۔ فرمایا تو جواب ان کے ذمہ ہے۔ معقول وجہ لکھیں۔ میں ابھی اس کے متعلق کوئی جواب نہ دوں گا گو میرے یہاں اس کا بھی ایک معمول ہے وہ یہ کہ ایسے موقع پر میں یہ کرتا ہوں کہ ایک مسودہ لکھ کر مجھ سے منظور کرالو اور ہر خط میں اس کو رکھا کرو مگر خط میں اس سے زائد ایک لفظ بھی نہ ہو اور ہر خط کے ہمراہ اس کا آنا اس لئے ضروری ہے تاکہ مجھ کو یہ معلوم ہوسکے کہ اس سے زائد کوئی بات نہیں لکھی۔ لیکن یہ تدبیر ابھی ان کو نہ بتلاؤں گا جب تک ان کی طلب صادق نہ دیکھ لوں پھر وکیل خط کی طرف خطاب کرکے فرمایا

کہ اسی خط میں یہ تدبیر نہ لکھ دیجئے گا یہ سب تدابیر اذیت سے بچنے کے لئے کرتا ہوں اور میں ان تدابیر سے ان کے بے اصول خطاب سے بچتا ہوں جیسے وہ میرے خطاب باعتاب سے بچتے ہیں۔ مجھ کو بے تکی اور بے اصول باتوں سے تنگی ہوتی ہے۔

(۸۹) سالک کا اصل مقصود

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کام کرنے والوں کی تو حالت ہی اور ہوتی ہے وہ ثمرات متعارفہ کے طالب کہاں ہوتے ہیں اور نہ کام کرنے پر ان ثمرات کا مرتب ہونا ضروری ہے اصل تو کام ہی مقصود ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی شکایت کرتا کہ کچھ نفع نہیں ہوا فرماتے کہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم کو کام میں لگا لیا گیا اور عمل کی توفیق فرمادی اور اس موقع پر حضرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یابم اورا یانیا بم جستجوئے می کنم — حاصل ایدیا نیاید ارزوئے می کنم

(۹۰) حق تعالیٰ شانہ کا فضل وکرم

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تمہارے بزرگوں نے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا ہے جیسا تم دوسروں کے ساتھ کرتے ہو۔ میں نے کہا یہ بھی تو پوچھا ہوتا کہ میں نے بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے جیسا یہ لوگ میرے ساتھ کرتے ہیں بس ختم آگے کچھ نہیں بولے۔ ہر ضرورت کے جواب کو اللہ تعالیٰ دل میں پیدا فرمادیتے ہیں۔ یہ ان کا فضل اور احسان ہے کہیں گاڑی نہیں اٹکتی۔ وہی دستگیری فرماتے ہیں۔

(۹۱) کسی کے پاس جانے کے حقوق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا حالانکہ میرے نہ استاد تھے نہ پیر تھے اور پہلی ہی حاضری تھی اور پہنچتے ہی بے حد مجھ پر ڈانٹ پڑی چونکہ میں اعتقاد کے ساتھ گیا تھا بزرگ سمجھ کر گیا تھا اس ڈانٹ ڈپٹ کے وقت میں اپنے نفس کو ٹٹولتا تھا سو ذرہ برابر گرانی نہ پاتا تھا۔ میں اس نعمت پر اور بھی محظوظ اور مسرور تھا کہ نفس میں ناگواری نہیں ہوئی اور اس وقت چاہیے بھی یہی کہ جب

انسان کسی کے پاس جائے اس کے حقوق کے خیال رکھنے کی ضرورت ہے بالکل ایسا ہونا چاہیے جس کو عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یا مکن باپیلبا نان دوستی | یا بنا کن خانہ بر انداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی | یافرو شو جامہ تقوی بہ نیل

یہاں پر لوگ آتے ہیں میں ان کی بے اصولی اور بے تکی باتوں پر روک ٹوک کرتا ہوں اس کی برداشت نہیں کرتے۔ ان کی بالکل ایسی حالت ہے کہ ایک شخص اپنی کمر پر شیر کی تصویر بنوانے گیا تھا اور ہر کو چنے پر چیخ پکار کرنے لگا اس گودنے والے نے سوئی پھینک کر کہا تھا جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں۔

در بہر زخمے تو پر کینہ شوی | پس کجا بے صیقل آئینہ شوی
تو بیک زخمے گریزانی زعشق | تو بجز نامے چہ می دانی زعشق

کیا آنے سے پہلے ان کو یہ خبر نہ تھی۔

دررہ منزل لیلی کہ خطرہاست بجان | شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی

باہر جا کر شکایت کرتے ہیں اور اس شکایت کو ادھوری اور ناتمام واقعہ نقل کرتے ہیں جس میں تدین اور دیانت کا نام نہیں اپنے جرم کو گھٹاتے ہیں میرے مواخذہ کو بڑھاتے ہیں۔

(۹۲) حضرت حکیم الامت پر ایک زمانہ میں ایک شدید کیفیت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک زمانہ میں مجھ پر ایک شدید حالت طاری تھی اس حالت میں بہت لوگوں نے مجھ سے بیعت ہونے کو کہا میں نے انکار کر دیا کہ اس وقت خود مجھ پر ایک حالت ہے جو مانع ہے دوسرے کی طرف اصلاحی توجہ سے اس لئے تم لوگوں کو مجھ سے کوئی نفع نہ ہوگا مگر وہ لوگ نہیں مانے اور بیعت ہوئے مگر نتیجہ وہی ہوا جو میں نے کہا تھا کہ جس حالت پر وہ لوگ تھے اسی حالت پر رہے حتی کہ ان کے منکرات تک بھی نہ چھوٹے اور تو کیا ہوتا یہی ہوا عارف شیرازی کے اس شعر میں اسی قسم کی حالت کی طرف اشارہ ہے۔

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما | چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

(۹۳) شفقت اور تصدی میں فرق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شفقت اور چیز ہے تصدی اور چیز ہے حق تعالیٰ تصدی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ اما من استغنی فانت له تصدی اسی طرح بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی جامع مانع عنوان سے تعریف نہیں ہوسکتی کسی محقق کی صحبت میں رہ کر اپنے اوپر وارد ہونے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

(۹۴) نفع کا انحصار طلب پر ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جو آنے والوں کے ساتھ استغناء برتتا ہوں اس کی بھی ضرورت ہے بعض اوقات جلد توجہ کرنے سے غرض کا شبہ ہو جاتا ہے اور اس سے مجھ کو غیرت آتی ہے اس پر میں ایک مثال عرض کرتا ہوں رنڈی اور گھرستن کی کہ رنڈی کو دو چار روپیہ دے کر جب چاہو راضی کرلو اور گھرستن میں ایک قسم کا استغناء ہوتا ہے وہ ذرا مشکل سے رضامند ہوتی ہے۔ خدمت کرے گی مشقت اٹھائے گی لیکن جب اس پر زیادہ دباؤ دیا جائے گا تو صاف کہہ دے گی کہ میں کوئی زرخرید لونڈی تھوڑا ہی ہوں برادری کی برابر کی ہوں۔ یہی فرق بے غرض اور دکاندار میں ہے اور دوسروں کی کیا شکایت کی جاوے اپنی ہی جماعت میں اس طبیعت اور مذاق کے لوگ موجود ہیں کہ لوگوں کو ترغیب دے کر لاتے ہیں اور جب ان کے ساتھ ضابطہ کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور وہ متوحش ہو جاتے ہیں تو اس وقت یہ شکایت کرتے ہیں کہ میاں ہم تو بنا کر لاتے ہیں اور یہ اکھاڑ دیتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کیا واہیات ہے بڑے غیرت کی بات ہے۔ ایک مولوی صاحب نے اس پر عرض کیا کہ حضرت اگر ایک طالب شخص سے اپنے معتقد فیہ کی سب باتیں بیان کر دی جائیں اور پھر اس کو مشورہ دیا جائے کہ ان سے تعلق کرلے کیا اس میں بھی کوئی حرج ہے۔ فرمایا یہ بھی مناسب نہیں۔ ایک شخص حسین ہے ہم کو تو پسند ہے اور دوسرے شخص کو سمجھا دیا اور وہ متاثر بھی ہو گیا مگر اس کی نظر میں حسن کا دوسرا نقشہ ہے اس لئے وہ عارضی اثر چند روز میں زائل ہو جاوے گا۔ حسن صورت اور حسن سیرت ان دونوں کے احکام قریب قریب ہیں پس مناسبت فطری نہ ہونے کی صورت میں ترغیبی

عارضی پسند کو بقاء نہ ہوگا۔ نیز بعض مرتبہ اس ترغیب میں یہ مشترکہ خرابی ہوتی ہے کہ یہ طالب اپنے کو مطلوب سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ میں کوئی خوبی ہوگی جو مجھ کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے اور نفع کا انحصار ہے طلب پر اس لئے طالب بن کر تو نفع ہوسکتا ہے مطلوب بن کر نفع نہیں ہوسکتا اس لئے اس کو نفع نہ ہوگا اور بہت خرابیاں ہیں جن کو میں اکثر وقتاً فوقتاً بیان کرتا رہتا ہوں۔

(۹۵) اہل ظاہر اور اہل باطن کے مذاق میں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کی تحقیقات اور علوم و معارف کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بڑے درجہ کے لوگ تھے اپنے زمانہ کے رازی اور غزالی تھے خصوصاً حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو فن تصوف کے امام اور مجتہد تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اس زمانہ کے علماء میں رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے میں نے کہا ان سے بڑھ کر موجود ہو سکتے ہیں۔ سب بزرگوں کے ملفوظات اور تحقیقات کو دیکھ لیا جائے معلوم ہو جائے گا۔ پھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب تحقیق کو نقل فرمایا وہ یہ کہ بعض اہل ظاہر کثرت عبادت پر نکیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** کے خلاف ہے حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اہل باطن اور عشاق کہتے ہیں کہ قلت عبادت ہمارے لئے **القاء الی التھلکہ** ہے ہم کو اس سے تکلیف شدید ہوتی ہے ہم اس آیت سے اس کے خلاف پر استدلال کرتے ہیں یہ نمونہ ہے حضرت کے علوم اور معارف کا۔ سبحان اللہ۔

(۹۶) اصل مقصود کام کرنا ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے ایک دوست ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو رجحان اعتقادی تو حضرت والا کی طرف ہے مگر بعض وجوہ سے طبعی کشش نہیں اور ایک بزرگ کا نام لے کر کہتے ہیں کہ رجحان اعتقادی ان کی طرف نہیں مگر طبعی کشش ہے۔ ایسی حالت میں ان کو تعلق پیدا کرنے کے لئے کیا مشورہ دوں۔ فرمایا کہ اصل مقصود کام کرنا ہے اور کام کرنے کا طریق مفید اس صورت میں یہ ہے کہ دونوں جگہ میں سے ابھی کسی کو انتخاب نہ کریں بلکہ کام شروع کر دیں اور اس کی یہ صورت ہو کہ جو حالات پیش آئیں ان کو دونوں جگہ لکھیں اور دونوں جگہ سے جو جواب

آئیں ان میں جو دل کو لگے نیز عمل کرنے سے نفع معلوم ہو ان سے اپنی تعلیم و اصلاح کا تعلق رکھیں خواہ مرید ساری عمر بھی نہ ہوں۔ کوئی حرج نہیں ان کو یہ مشورہ دیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا۔

(۹۷) بے حیائی کے کرشمے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بے پردگی کی زہریلی ہوا چل رہی ہے بڑی ہی خطرناک حیز کی طرف مخلوق جا رہی ہے اس کے نتائج نہایت ہی خراب نکلیں گے۔ بے حیائی کا بازار تو پہلے ہی کھلا ہوا تھا اب بیبا کی بھی شروع ہوگئی اور غضب یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے اس پر استدلال کرتے ہیں جو سراسر دین کی تحریف ہے۔ یہ سب بے حیائی کے کرشمے ہیں۔ بڑے ہی فسق و فجور و الحاد کا زمانہ ہے۔ چہار طرف سے دین پر حملے ہو رہے ہیں ہر شخص الا ماشاء اللہ نفسانیت پر اترا ہوا ہے جانوروں کی طرح آزاد ہیں اگر حکومت اسلامی ہوتی اور بادشاہ عادل اور دیندار ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ ایسی باتیں کیسے کیا کرتے ہیں اب خود اہل حکومت ہی کا یہ مذاق ہے جس سے ہر قسم کی بے حیائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہے اگر حدود شرعیہ جاری ہوتیں تو ان جرائم کی کسی کو ہمت بھی نہ ہوتی۔ چوری پر قطع ید ہوتا۔ زنا پر رجم ہوتا پھر اس کی کیا ہمت ہو سکتی تھی اور اب کیا ہے بے مہار ہیں جو چاہے کریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں معائب محاسن ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا سے خیر و برکت رخصت ہوگئی آئے دن ارضی سماوی بلاؤں کا ظہور ہو رہا ہے۔ قحط سالی خشک سالی وباء ہیضہ طاعون غرقابی مسلط ہیں لیکن عبرت پھر بھی نہیں حق تعالیٰ سب کو ہدایت فرمائیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

(۹۸) عقل کی ایک حد

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو جس کو دیکھو عقل پرست ہے مادہ پرست اور خدا پرست تو بہت ہی کم نظر آتے ہیں حالانکہ عقل بے چاری خود ایک مخلوق ہے اس کے پہنچنے کی بھی ایک حد ہے یہ بے چاری خالق کے احکام کا کیا احاطہ کر سکتی ہے۔ ایسی ہی عقل کی نسبت جو محبوب کی راہ میں سد راہ ہو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آزمودم عقل دور اندیش را ۔۔۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اور جنہوں نے اس کو چھوڑ کر اس راہ میں قدم رکھا ایسے دیوانوں کے متعلق مولانا ہی فرماتے ہیں۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد — مرعسس رادید ودر خانہ نشد

اور فرماتے ہیں

باز دیوانہ شدم من اے طبیب — باز سودائی شدم من اے حبیب

اور اسی دیوانگی کو فرماتے ہیں

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم — مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

اور ایسی عقل کس کام کی جو محبوب کی طرف رہبری نہ کر سکے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ — جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

اور اس طرف سے فضل اسی خاکساری شکستگی دیوانگی ہی پر ہوتا ہے اسی کو فرماتے ہیں

ہر کجا پستی است آب آنجا رود — ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

ہر کجا دردے دوا آنجا رود — ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

پس اگر چاہتے ہو کہ کچھ کام بنے تو اپنے کو مٹاؤ پستی اختیار کرو۔ گریہ اور زاری دعاء التجاء الحاح و بکاء اپنا شغل بناؤ دیکھو پھر کیا ہوتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

کام تو موقوف زاری دلست — بے تضرع کامیابی مشکل است

تانہ گرید ابر کے خندد چمن — تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

تانہ گرید کودک حلوا فروش — بحر بخشایش نمی آید بجوش

(۹۹) نفع کا مدار یکسوئی پر ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مصلح کو طالب سے اگر کسی وجہ سے انقباض ہو جائے تو وہ مانع فیوض ہو جاتا ہے۔ دوسری بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ اس طریق میں مدار نفع کا یکسوئی ہے اور ایک وقت میں دو مصلح سے تعلق رکھنے میں یکسوئی میسر نہیں ہو سکتی جیسے ایک وقت میں دو طبیبوں سے رجوع کرنے میں پریشانی ہوتی ہے ایک کچھ تجویز کرتا ہے دوسرا کچھ تجویز کرتا

ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک عورت ایک وقت میں دو مردوں سے تعلق رکھنا چاہے اس وقت شرکاء تشاکسوں کا منظر سامنے ہوگا۔ مرد تو دو عورتوں سے ایک وقت میں تعلق رکھ سکتا ہے مگر عورت دو مردوں سے نہیں رکھ سکتی۔ ایک غیر مقلد مولوی صاحب لکھنو سے یہاں پر آئے تھے ان کا تعلق بیعت کا دوسری جگہ تھا مجھ سے بھی بیعت ہونا چاہتے تھے میں نے عذر کر دیا کہ جب دوسری جگہ تعلق ہے تو پھر یہاں تعلق کرنا مناسب نہیں۔ اس پر انہوں نے سوال کیا۔ کیا دوسری جگہ بیعت ہونا منع ہے یا معصیت ہے۔ میں نے کہا کہ حدیث سے ممانعت ثابت ہے اس پر بہت چونکے کہ حدیث سے اس کا کیا تعلق ہے۔ ان بے چاروں نے کبھی ایسی باتیں سنیں بھی نہ تھیں ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم ہی جاہل عامل بالحدیث ہیں میں نے کہا کہ حب فی اللہ مطلوب اور مامور بہ ہے تو اس کے خلاف منکر ہوگا۔ کہا بے شک میں نے کہا کہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو یہ سن کر کہ ہمارے تعلق والے نے دوسری جگہ خصوصیت کا تعلق کر لیا رنج ہوتا ہے اور وہ رنج سبب ہو جاتا ہے ایذاء اور حب فی اللہ کے ضعیف ہو جانے کا تو یہ حدیث کے خلاف ہوا یا نہیں مان گئے۔

(۱۰۰) ہر ترقی مطلوب نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل ہر شخص ترقی کا دلدادہ ہے جس کے نہ کچھ اصول ہیں نہ حدود اسی لئے میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ ترقی ترقی کے سبق گاتے پھرتے ہو مگر ہر ترقی تو مطلوب نہیں۔ میں نے اپنے ایک بیان میں جس میں بڑے بڑے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا طبقہ شریک تھا۔ بیرسٹر اور وکلاء بھی تھے کہا تھا کہ اگر ہر ترقی مطلوب ہے اور اس کے کچھ حدود اور اصول نہیں تو اگر کسی کے جسم پر ورم ہو جائے اسکے ازالہ کی تدبیر اطباء اور ڈاکٹروں سے کیوں کراتے ہو ترقی ہی تو ہوئی فربہی بڑھی اس مثال کا بہت زیادہ اثر ہوا اور میں اس پر ایک اور مثال عرض کرتا ہوں کہ آپ کا ایک باورچی ہے آپ اس کو دس روپیہ ماہوار اور کھانا دیتے ہیں اتفاق سے ایک صاحب آپ کے یہاں مہمان ہوئے ان کو اس باورچی کا پکایا ہوا کھانا پسند آیا آپ سے تو ظاہر نہیں کیا لیکن دل میں رکھا اور موقع پا کر اس باورچی سے پوچھا کہ تم کو کیا تنخواہ ملتی ہے اس نے کہا کہ دس روپیہ ماہوار اور

کھانا ملتا ہے ان مہمان صاحب نے فرمایا کہ ہم تم کو بیس روپے ماہوار اور دو کھانے ایک تمہارا اور ایک تمہاری بیوی کا دیں گے تم ہمارے ساتھ چلو۔ اب دو حالتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چلا جائے تو آپ کے اصول ترقی کے موافق اس کا یہ بالکل درست ہے مگر قلب کو ٹٹول لیجئے اس کا اسی ترقی پر چلا جانا آپ کو کہاں تک گوارا ہوگا یہی سمجھو گے کہ بے وفا تھا اور اگر وہ اس مہمان کو یہ جواب دیدے کہ میاں مجھے تو دس روپیہ اور ایک کھانا ہی کافی ہے میں ان کو نہیں چھوڑ سکتا اس وقت یہی سمجھو گے کہ بڑا وفادار ہے حالانکہ اس نے آپ کے اصول کے خلاف کیا کیونکہ آپ تو ترقی کے خواہ ہیں تو اگر کوئی شخص خدا کے تعلق کی بناء پر کسی خاص ترقی کو ترک کرے تو اس کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے کیا خدا کا بندہ پر اتنا بھی حق نہیں۔

(۱۰۱) ایک صاحب کو آداب مجلس کی تعلیم

ایک صاحب مجلس میں اس طرح پر بیٹھے تھے کہ تمام منہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ چوروں کی طرح یا جیسے کوئی سی آئی ڈی ہوتا ہے اس طرح کیوں بیٹھے ہو کیا مجلس میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے آخر یہ عورتوں کا سا گھونگٹ کیوں نکال رکھا ہے اگر کوئی خاص وجہ ہے تو اس کو بیان کرو تا کہ معلوم ہو۔ عرض کیا کہ کوئی خاص وجہ تو نہیں فرمایا پھر اس حرکت کا منشاء کیا ہے۔ اس کا جواب اس قدر آہستہ آواز میں دیا کہ کوئی بھی نہ سن سکا فرمایا کہ دیکھا گھونگٹ کا اثر آواز بھی عورتوں ہی جیسی ہوگئی کیا حلق بند ہوگیا کم از کم آدمی اس طرح تو بولے کہ دوسرا سن لے یہ دوسری حرکت تکلیف کی شروع کی عرض کیا کہ غلطی ہوئی فرمایا کہ غلطی کی یہ سزا ہے کہ اس وقت مجلس سے اٹھو تم کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے جس سے خواہ مخواہ مزاج میں تغیر ہوگا۔ اب یہ ہوگا کہ تمہاری حرکتوں کو تو کوئی نہیں دیکھتا اور نہ تم خود محسوس کرتے ہو اور میرے بولنے کو سب سنتے ہیں اور تم بھی جا کر بدنام کرو گے اچھا چلو چلتے بنو۔ عرض کیا کہ معاف فرما دیجئے فرمایا معاف ہے مگر یہاں سے چلو۔

(۱۰۲) ایک دیہاتی کی درخواست تعویذ اور بے فکری

ایک دیہاتی شخص نے آکر عرض کیا کہ حضرت جی ایک تعویذ دیدو۔ فرمایا کہ میں سمجھا نہیں۔ اس شخص نے بآواز بلند کہا کہ ایک تعویذ دیدو۔ فرمایا کہ بہرہ نہیں سن تو لیا مگر سمجھا نہیں۔

اس پر وہ شخص خاموش ہو گیا۔ فرمایا کہ اب گونگا ہو کر بیٹھ گیا ارے پوری بات کیوں نہیں کہتا۔ کیا گھر سے قسم کھا کر چلا تھا کہ جا کر دق کروں گا۔ عرض کیا اور کس طرح کہوں۔ فرمایا باہر جا اور کسی سے پوچھ کر کہ آ کہ میں نے اس طرح کہا تھا۔ آیا یہ ادھوری بات ہے یا پوری وہ پوچھ کر آیا اور عرض کیا کہ جی میری ادھوری بات تھی۔ اوپرے اثر کا تعویذ دیدو۔ فرمایا کہ یہ دیہاتی بازار میں جا کر سودا خریدنے کے وقت اور اسٹیشن پر جا کر ٹکٹ خریدنے کے وقت تو عالم بن جاتے ہیں اور یہاں آ کر جاہل۔ بازار میں جا کر کبھی یہ نہ کہا کہ سودا دیدو اور اس سودے کا نام نہ لیا ہو۔ یا اسٹیشن پر جا کر یہ کہا ہو کہ ٹکٹ دیدو اور اس جگہ کا نام نہ لیا ہو یہ سارا جہل یہاں ہی کے حصہ میں رہ گیا۔ جس کو اوپری اثر ہو رہا ہے ایک تعویذ تو اس کو لکھوں اور تیرا اوپری اثر مجھ پر ہو رہا ہے تو مجھ کو ستا رہا ہے ایک تعویذ اپنے واسطے کروں کیا پوری بات آ کر کہنا تم لوگوں کے لئے موت ہے عرض کیا اجی ہم گاؤں کے ہیں۔ ہماری سمجھ بوجھ ایسی ہی ہے۔ فرمایا کہ تم لوگ بڑے ہوشیار ہو اچھا تمہاری سمجھ بوجھ تو گاؤں کے رہنے کی وجہ سے ایسی ہے جو اس وقت ظاہر ہوئی اور ہم قصبہ کے رہنے والے ہیں ہماری سمجھ بوجھ ایسی ہے جواب ظاہر ہو رہی ہے کہ ایک گھنٹے کے بعد آ کر تعویذ لینا اور آ کر پوری بات کہہ دینا کبھی اس وقت کی بات کے بھروسہ رہے مجھے کچھ یاد نہ رہے گا وہ شخص چلا گیا ایک گھنٹے کے بعد آیا اور پوری بات کہہ کر تعویذ لے کر چلا گیا اس پر فرمایا کہ اب کبھی اس بات کو نہ بھولے گا پوری بات آ کر کہے گا اگر اور جگہ بھی جائے گا وہاں بھی پوری بات کرے گا اگر اس طرح نہ کرے تو جہل سے کیسے نجات ہو۔

(۱۰۳) حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی اپنے متعلقین پر شفقت

ایک صاحب نے ایک اور صاحب کے حالات بیان کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ قلت تنخواہ کے سبب اکثر پریشان رہتے ہیں۔ ہر چند یہاں کی حاضری کی کوشش کرتے ہیں مگر مجبور ہیں۔ فرمایا کہ مجھ کو تو ان کا حال معلوم نہیں ہوا میں نے تو اپنے دوستوں سے کہہ رکھا ہے کہ جب ایسا موقع ہوا کرے بے تکلف مجھ کو لکھ دیا کریں میں بھی بے تکلف اگر کچھ سامان ہوگا بھیج دوں گا اگر نہ ہوگا عذر کر دوں گا۔ پھر فرمایا کہ ایک روز اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی ایک

صاحب کہنے لگے کہ آپ سے لینا چاہئے یا آپ کو دینا چاہئے۔ لینا تو بڑے شرم کی بات ہے۔ میں نے کہا اچھا یہ بتلاؤ کہ دنیا زیادہ قیمتی ہے یا دین۔ کہا دین۔ میں نے کہا ایسی قیمتی چیز لیتے ہوئے تو شرم نہیں آئی اور اس سے گھٹیا چیز لینے سے بچتے ہو۔ چپ رہ گئے حالانکہ جواب اس کا بھی تھا کہ دین دیکر تو تمہارے پاس بھی رہتا ہے اور دنیا دے کر تمہارے پاس نہیں رہتی لیکن اگر وہ یہ جواب دیتے تو میں ان کو اس کا بھی جواب دیتا (مگر وہ جواب بیان نہیں فرمایا ۱۲ جامع)

(۱۰۴) طبیب کی تقلید تدابیر میں کی جاتی ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک غیر مقلد کا خط آیا تھا کہ مجھ کو بھی اللہ کا نام بتلا دو میں نے لکھا کہ مجھ کو عذر نہیں مگر اول یہ بتلا دو کہ تم میری تقلید بھی کرو گے یا نہیں بے چارا بہت گھبرایا کیونکہ اگر لکھتا ہے کہ تمہاری تقلید نہ کروں گا تو اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب میرا اتباع نہ کرو گے تو تعلیم سے کیا فائدہ اور اگر لکھتا ہے کہ کروں گا تو یہ سوال ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تو تقلید کرتے نہیں میری کیسے کرو گے اس لئے جواب سے عاجز ہو کر لکھا کہ اس سوال کو چھوڑ دو اللہ کا نام بتلا دو حالانکہ اس کا بہت سہل جواب تھا وہ یہ کہ تمہاری تقلید کروں گا اور اس پر جو سوال ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تمہاری تقلید احکام میں تھوڑا ہی ہوگی محض اعمال کی تدابیر میں ہوگی جیسے طبیب کی تقلید تدابیر میں کی جاتی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید احکام میں کرائی جاتی ہے مگر اس سے جواب نہ بن پڑا۔

(۱۰۵) معترضین نے کسی کو معاف نہیں کیا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بے چارا حسین بن منصور تو کس شمار میں ہے جو اعتراض سے بچتا وہ تو معترضین کا تختہ مشق ہے۔ معترضین نے تو انبیاء علیہم السلام تک کو ساحر اور کاذب کہا سو ابن منصور بے چارا تو کس شمار میں ہے وہ تو کوئی کاملین سے بھی نہیں گو معذور ہو اگر کسی معترض نے کچھ کہہ دیا تو کیا تعجب ہے۔

(۱۰۶) اعتقاد اور عدم اعتقاد کا مدار

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں ایک غیر مقلد عالم پنجاب سے آئے تھے بسبیل گفتگو

میں نے ان سے کہا کہ اصل مدار اعتقاد اور عدم اعتقاد کا حسن ظن اور سوظن ہے آپ ابن تیمیہ ابن القیم کے معتقد ہیں وہ اگر بے دلیل بھی کوئی بات کہیں آپ کو شبہ نہیں ہوتا حالانکہ میں ان کا ایک رسالہ دکھاؤں جس میں دھڑا دھڑ یجوز لا یجوز کہتے چلے جاتے ہیں اور دلیل ندارد مگر آپ کو ان پر اعتماد ہے کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں اس لئے بلا تردد اس کو قبول کرتے ہیں حالانکہ بہت سے دعوؤں کے ساتھ قرآن و حدیث کا کہیں پتہ بھی نہیں اور ہم کو اسی طرح کا اعتماد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہے کہ وہ جو کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں۔ ہماری تقلید اور آپ کی تقلید میں مابہ الفرق کچھ بھی نہیں۔ اس تقریر کا ان پر بے حد اثر ہوا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس میں کوئی بناوٹ نہیں کہ اطمینان و عدم اطمینان کا مدار صرف حسن ظن اور سوظن ہے جس پر حسن ظن ہوتا ہے اس پر اعتماد ہوتا ہے اس کی ہر بات مقبول ہوتی ہے اور جس پر سوظن ہوتا ہے اس کی ہر بات غیر مقبول ہوتی ہے۔

۷ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

(۱۰۷) تربیت اور اصلاح کا خاص اہتمام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دوسرے اداروں میں تو مالی ذخائر ہیں اور یہاں ان کی نسبت بے سروسامانی ہے مگر اللہ کا فضل ہے کہ جس قدر مفید کام یہاں ہو رہا ہے دوسری جگہ نہیں ہو رہا۔ یہاں پر درس و تدریس کا کام تو معمولی ہے لیکن تصنیف کا کام نیز تربیت و اصلاح کا کام خاص اہتمام سے ہو رہا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہ میں کوئی فخر کی راہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ ایک نعمت حق سمجھ کر تحدث بالنعمۃ کے طور پر عرض کر رہا ہوں اور اس میں فخر ہی کی کونسی بات ہے۔ سب اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت اور خداوند جل جلالہ کی رحمت ہے۔ تمام معاملہ محض توکل پر ہے اور یہاں تصانیف کی اشاعت کے لئے تو ذخیرہ کیا ہوتا اور چندہ وغیرہ کا کیا اہتمام کیا جاتا صرف ایک چھوٹا سا مدرسہ ہے اس کے لئے بھی چندہ وغیرہ کی تحریک نہیں کی جاتی مجھ کو ہمیشہ ان چیزوں کی احتیاط رہی ہے خصوصاً چندہ کے بارے میں مجھ کو زیادہ احتیاط اور ہمیشہ اہل مدارس سے شکایت بھی رہی کہ اس میں احتیاط سے کام نہیں

لیا جاتا اور یہ جو کچھ آج کل اکثر مدارس میں فتنہ فساد اور بے برکتی ہو رہی ہے میں اس کا سبب چندوں میں قلت احتیاط کو سمجھتا ہوں اس چندہ کے بارے میں آج کل ایسی گڑ بڑ ہو رہی ہے کہ جائز ناجائز کو بھی بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ بدون طیب خاطر کسی سے وصول کرنا بالکل ناجائز ہے اور اس سے احتیاط شاذ و نادر کی جاتی ہے۔

(۱۰۸) اہل کمال ظاہری ٹیپ ٹاپ کے محتاج نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کسی آدمی کے اندر حقیقی کمالات پیدا ہو جاتے ہیں وہ خود بخود فضولیات اور عبث سے بے گانہ ہو جاتا ہے اس کو رسمیات کے اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی اور میں تو جس کو بناؤ سنگار اور چٹک مٹک کرتا ہوا دیکھتا ہوں فوراً ذہن میں یہی آتا ہے کہ یہ شخص کمالات سے کورا ہے جب ہی تو عبث اور فضول کی طرف متوجہ ہے۔ چاہے یہ میرا خیال غلط ہی ہو مگر ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے اور اکثر تجربہ سے یہی ثابت بھی ہوتا ہے اہل کمال کو اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کی تو یہ حالت ہے۔

نباشد اہل باطن درپے آرائش ظاہر نبقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

اور اس کی یہ شان ہوتی ہے

دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ حسن خداداد آمد

اور اس کی یہ شان ہوتی ہے

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

(۱۰۹) دیندار ہونا مطلوب ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھائی اکبر علی مرحوم سمجھ دار آدمی تھے تجربہ کار تھے ان کی یہ رائے تھی کہ لڑکی دے تو دین دار مولوی کو دینا چاہیے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مولوی ہونا بھی مطلوب نہیں دین دار ہونا مطلوب ہے واقعی کام کی بات ہے اور انکی یہ رائے سب طبقات والوں کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ الحمد للہ یہاں پر جو آکر رہتے ہیں ان سب میں یہی شان دین کی پیدا ہو جاتی ہے۔ آج کل یہاں ایک مولوی صاحب ہیں جو

یہاں مدرس بھی ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ اگر کبھی ان کی بیوی بیمار ہو جاتی ہے تو گھر کا سب کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں حتیٰ کہ چکی تک پیس لیتے ہیں۔ مصالحہ پیس لیتے ہیں باوجود اس کے کہ ذی علم آدمی ہیں اور تھوڑی سی تنخواہ پر قناعت کئے ہوئے ہیں یہ سب دین کی برکت ہے۔ بازار سے سودا لانا پانی کے گھڑے بھر بھر کر کنوئیں سے خود لے جانا یہ سب کا اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ سب مسلمانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

(۱۱۰) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے والد کی فراست

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے جو دنیا دار کہلاتے تھے وہ آج کل کے دکاندار مشائخ سے لاکھ درجہ بہتر تھے۔ والد صاحب مرحوم دنیا دار تھے دنیا کی فکر بھی تھی اس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے اور حاصل بھی کی تھی روپیہ بھی تھا جائیداد بھی تھی لیکن اس قدر عاقل کہ مجھ کو عربی پڑھائی بعض خیر خواہوں نے سمجھایا بھی کہ انگریزی پڑھاؤ جیسی دوسرے بھائی کو پڑھائی۔ مگر صرف میرے متعلق یہ رائے تھی کہ عربی ہی پڑھاؤں گا۔ یہ فرمایا کرتے تھے کہ انگریزی پڑھنے والے اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے اور یہ منہ بھی نہ لگاوے گا۔ افسوس ہے کہ آج کل کے بڑے بڑے دیندار لکھے پڑھے حتی کہ مولوی تک اپنے بچوں کو انگریزی پڑھا رہے ہیں۔ اس سے دونوں کے قلوب میں دین کی عظمت اور احترام کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے اور دیندار مولویوں کا بچوں کو انگریزی تعلیم دلوانا تو بڑی ہی خطرناک بات ہے کتنے بڑے فتنہ کا زمانہ ہے چہار سو نیچریت کا غلبہ ہے کچھ پتہ نہیں چلتا سب گڈ مڈ معاملہ ہو رہا ہے اس وقت کی باتیں والد صاحب کی یاد آتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی شیخ اپنے مرید کی تربیت کرتا ہے۔ اس طرح ہم لوگوں کی تربیت فرماتے تھے اس کا یہ اثر ہے کہ گو ہمارے اندر تواضع پیدا نہیں ہوئی لیکن تواضع والے پسند آتے ہیں۔ ان معاملات میں بڑے ہی فہیم تھے اکثر نیک باتیں اسی وقت کی قلب میں جمی ہوئی ہیں جو اس وقت کام دے رہی ہیں۔

(۱۱۱) غیر تربیت یافتہ کی مثال

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر تربیت یافتہ ہمیشہ ڈھل مل ہی رہتا ہے

اس میں رسوخ تو ہوتا نہیں اس لئے وقت اور موقع پر قلب میں لغزش ہو جاتی ہے کوئی تھامنے والی چیز تو قلب میں ہوتی نہیں اس لئے سب زہد و تقوی ذکر و شغل علم و فضل دھرا رہ جاتا ہے بالکل وہ مثال ہو جاتی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ نے ایک بلی کو تعلیم دی تھی کہ اس کے سر پر شب کو چراغ رکھ دیتا وہ لئے کھڑی رہتی جب ہر طرح پر اپنی تعلیم پر اطمینان ہو گیا تو ایک روز وزیر سے اس کی تعریف کی کہ ہماری بلی بڑی تعلیم یافتہ ہے بڑی مہذب ہے وزیر نے کہا کہ حضور امتحان بھی کر لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ امتحان کیسا وزیر نے ایک چوہا پکڑوایا اور پوشیدہ کر لیا۔ بلی کے سر پر چراغ رکھا گیا اس وقت اس کے سامنے چوہا چھوڑ دیا۔ بلی کا چوہے کو دیکھنا تھا کہ ایک دم کے دم میں بلی کہیں چراغ کہیں چوہا کہیں سب گڑبڑ ہو گیا وہ سال دو سال کی تعلیم اور تہذیب آن واحد میں ختم ہو گئی۔ یہی حالت غیر تربیت یافتہ کی ہوتی اس کی کسی بات پر اعتماد و اعتبار نہیں ہوتا۔

(۱۱۴) بے فکری کے نتائج

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تم سے ایسا کون سا باریک سوال کیا تھا کہ جس کا تم جواب نہ دے سکے۔ یہی تو پوچھا تھا کہ تم نے جو مرید ہونے کی غرض سے سفر کیا اور تین دن ٹھہرنے کو بیان کیا۔ اگر میں نے مرید نہ کیا تو کیا پھر بھی تین دن قیام رہے گا یا کیا صورت ہوگی۔ جس پر تم پہلے تو خاموش رہے اب اگر پچتا کر بولے بھی تو اس طرح کہ کوئی سن نہ لے تم لوگ آ کر کیوں دق کرتے ہو ایسے ہی نواب ہو تو گھر پر رہے ہوتے آئے ہی کیوں تھے کیا کوئی بلانے گیا تھا کہاں تک کوئی تمہاری اصلاح کرے۔ اصلاح بھی اصلاح ہی کرنے کی باتوں کی کی جاتی ہے یہ تو موٹی موٹی باتیں اور فطری باتیں ہیں مگر عقل اور فہم کا اس قدر قحط ہو گیا ہے کہ جس کو دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے اور عقل اور فہم کا بھی زیادہ قصور نہیں زیادہ تر بے فکری کا مرض ہے۔ یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اکثر غلطیاں بد عقلی یا بد فہمی کی وجہ سے نہیں ہوتیں بلکہ زیادہ تر بے فکری سے ہوتی ہیں اس لئے میں فکر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس بے فکری کے سبب سیدھی سادھی بات کو ایچ پیچ میں ڈال دیتے ہیں خود پریشان ہوتے ہیں دوسروں کو پریشان کرتے ہیں۔ میرٹھ سے ایک صاحب

آئے تھے خود بخود تمام ضروری باتیں بیان کر دیں کہ یہ نام ہے۔ یہ کام کرتا ہوں۔ فلاں مقام سے آیا تین دن رہوں گا۔ ان سے میں نے کچھ بھی نہ کہا۔ رہے اور چلے گئے۔ زمانہ قیام میں بھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس میں سے کوئی کلفت ہوتی ہر مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ اس سے دوسرے کو اذیت نہ ہو تکلیف نہ پہنچے مگر اس کا آج کل کسی کو خیال ہی نہیں ۔اب زبان بند کئے بیٹھے ہیں۔ بتلایئے کہاں تک تغیر نہ ہو اور کہاں تک صبر کروں آخر کوئی حد بھی ہے عرض کیا کہ غلطی ہوئی معاف کر دیجئے۔ فرمایا معاف ہے لیکن میری بات کا جواب دیجئے۔ عرض کیا اگر حضرت نے مرید بھی نہ کیا تب بھی تین دن رہوں گا۔ فرمایا کہ اب میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ وطن واپس ہو جاؤ اور جا کر خط و کتابت سے معاملہ طے کرو مگر یہ مشورہ ہے حکم نہیں اگر اس کے بعد بھی قیام کرنے کو دل چاہے تو اجازت ہے لیکن زمانہ قیام میں خاموش مجلس میں بیٹھے رہنا ہوگا۔ مکاتبت مخاطبت کی اجازت نہ ہوگی اگر یہ منظور ہو تو مجھ کو ان دونوں میں سے جس کے متعلق رائے قائم کی ہو اطلاع کر دی جائے تاکہ مجھ کو یکسوئی ہو اور دوسرے کام میں لگوں۔ عرض کیا کہ قیام رکھوں گا اور مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کروں گا۔ فرمایا اگر پہلے ہی اس طرح بول پڑتے تو کون سا قاضی گلا کرتا۔ آخر اب بھی تو انسانوں کی طرح بول رہے ہو۔ اب فکر سے کام لیا خود بھی پریشانی سے بچے اور دوسرے کو بھی اذیت سے نجات ہوئی۔ بس یہ میری بداخلاقی ہے سخت گیری ہے جس پر بدنام کیا جاتا ہوں۔

(۱۱۳) حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے متعلق ایک امریکن پادری کی رائے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں معترضین حضرات تو کہتے تھے کہ انگریزوں سے مل گیا ہے اور دانش مند انگریز یہ سمجھتے تھے کہ عیسائیت کا دشمن ہے۔ اس زمانہ میں بھائی اکبر علی مرحوم پر فالج کا مرض پڑا۔ منصوری میں علاج کے لئے گئے تھے۔ بھائی مرحوم کے لڑکے میاں حامد علی تیماردار تھے اس زمانہ میں ایک امریکن پادری مع اپنی جماعت کے منصوری آیا ہوا تھا اتفاق سے اس پادری سے حامد علی کی کچھ رسم ہوگئی اور کسی

سلسلہ سے میرا بھی ذکر آ گیا اس نے ان تحریکات کے متعلق میرے خیالات معلوم کئے اور معلوم کر کے یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیسائیت کا سخت دشمن ہے۔ حامد علی نے کہا کہ لوگ تو اس تحریک میں شریک نہ ہونے سے عیسائیوں کے ساتھ موافق سمجھتے ہیں۔ کہنے لگا کہ لوگوں کو کیا خبر وہ سوراج کا مخالف ہے وہ اس کی حقیقت کو سمجھ گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں دو مذہب آباد ہیں ہندو اور مسلمان اور اپنے اپنے مذہب کی وجہ سے ایک دوسرے سے تصادم رکھتے ہیں۔ اس کشمکش کی وجہ سے ہر مذہب کا شخص اپنے مذہب پر سختی سے قائم ہے ان میں کسی تیسرے مذہب کو قبول کی گنجائش نہیں۔ عیسائی مشن پر لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف ہو رہا ہے لیکن آج تک ہندوستان میں پوری کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور سوراج کی کوشش میں ملک کے معاملات میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کی مراعات کرے گا تو ہر ایک میں ڈھیلا پن پیدا ہو جاوے گا اور تیسرے مذہب کی قبول کی گنجائش نکل آئے گی اس لئے وہ شخص سوراج کی مخالفت میں عیسائیت کا سخت دشمن ہے دیکھئے اس امریکن کی تقریر۔ وہاں یہ خیال اور یہاں یہ خیال اور اپنے اپنے خیال سے دونوں دشمن۔ خیر ہوں دشمن اللہ راضی چاہئے' کسی کی دشمنی سے کیا ضرر اور کیا کوئی بگاڑ سکتا ہے یہاں تو بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے یہ مشرب اور مذہب ہے۔

ماہیچ ندا ریم غم ہیچ ندا ریم دستار ندا ریم غم پیچ ندا ریم

اس ہی امریکن شخص نے حامد علی سے ایک اور بات بھی کہی کہ انگریزوں میں زیادہ تہذیب نہیں ہمارے یہاں اعلیٰ درجہ کی تہذیب ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ ان میں اپنا ہر کام نوکروں سے لیتے ہیں اور ہمارے یہاں زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ یہ دو بات کہی جو اسلام میں سب سے پہلی تعلیم ہے چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دولت خانہ میں تشریف رکھتے وقت اکثر کاموں کا خود اہتمام فرمانا اور احادیث میں منصوص ہے۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی رعایا تک کی خدمت خود کرتے تھے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شب کو اپنے زمانہ خلافت میں رعایا کی خبر گیری کی غرض سے گشت فرما رہے تھے۔ دیکھا کہ مدینہ شریف کے جنگل میں ایک خیمہ میں کوئی مسافر ٹھہرا ہوا

ہے اور اس کی بیوی کے درد زہ ہو رہا ہے اور وہ کسی دائی کے نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہے تمام لوگ مدینہ شہر کے پڑے ہوئے سو رہے تھے اس خیال سے کہ کسی کی نیند نہ خراب ہو کسی کو جگانا پسند نہ فرمایا اپنی بیوی سے جا کر کہا کہ یہ قصہ ہے تم جا کر بچہ جنوا دو اور یہ مت ظاہر کرنا کہ میں امیر المومنین کی بیوی ہوں۔ غرض حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ہمراہ لے جا کر دائی کا کام کرایا یہ امریکن تو اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب بتلاتا تھا۔ یہاں دوسروں کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے ایک مرتبہ ہرقل کا ایک قاصد مدینہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچ کر لوگوں سے پوچھتا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں۔

گفت کو قصر خلیفہ اے چشم   تا من اسپ درخت را آنجا کشم

قوم گفتندش کہ او را قصر نیست   مر عمر را قصر جانے روشنے است

دریافت کرتا ہے کہ اس وقت وہ ہیں کہاں۔ لوگوں نے کہا کہ ابھی یہاں پر تھے اس طرف کو تشریف لے گئے ہیں اس طرف کو چلا معلوم ہوا کہ اموال مسلمین کی نگرانی کے لئے جنگل کی طرف تنہا تشریف لے گئے ہیں اس کے تعجب اور حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ عجیب معاملہ ہے کہ اس کے پاس نہ کوئی قلعہ ہے نہ فوج نہ پلٹن نہ پہرہ نہ چوکی نہ کواڑ نہ قفل نہ توپ نہ مشین گن نہ بندوق نہ تلوار اور پھر وہ کیا چیز ہے اس شخص کے اندر کہ جس سے وہ تمام مخلوق پر حکومت کر رہا ہے اور بڑے بڑے قیصر اور کسریٰ جن کے پاس اس قدر ساز و سامان کہ لاکھوں جرار کرار فوجیں وہ اس سے ترساں اور لرزاں ہیں یہ سوچتا ہوا جنگل کی طرف چل دیا جا کر دور سے دیکھا کہ تنہا دھوپ میں پڑے سو رہے ہیں۔ اب جس قدر آگے بڑھتا ہے دیکھتا ہے کہ دل پر ایک ہیبت اور خوف طاری ہوتا جاتا ہے جسم میں رعشہ کی سی کیفیت پیدا ہو چلی بہت اپنے کو سنبھالا مگر نہ برداشت کر سکا یہ وہ شخص تھا کہ جو ہمیشہ شاہی دربار میں رہتا اور بڑے بڑے بہادر اور جرنل اور کرنل اس کے ہمرکاب رہتے اس حالت سے اس کو سخت تعجب ہوا اور سمجھا کہ

ہیبت حق ست ایں از خلق نیست   ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

اس واقعہ کے بیان کرنے سے غرض اس وقت یہ تھی کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے جس کو آج اعلیٰ درجہ کی تہذیب بتلایا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے ساتھ ایک شخص سفر میں

چلے ان بزرگ نے فرمایا کہ سفر کا معاملہ ہے ایک کو امیر بنانا ضروری ہے چاہے تم خود بن جاؤ یا مجھ کو بنالو وہ بے چارا سمجھا کہ یہ بزرگ ہیں بڑے ہیں انہیں کو امیر بنانا چاہیے۔ عرض کیا کہ حضرت ہی امیر رہے۔ فرمایا بہت اچھا۔ سفر شروع ہو گیا ایک مقام پر پہنچ کر اس شخص نے خیمہ لگانا چاہا ان بزرگ نے اس کو منع کیا اور خود اپنے ہاتھ سے لگانے لگے۔ یہ بولے کہ حضرت میں لگاؤں گا۔ فرمایا کہ میں امیر ہوں میری مخالفت کرنے کا کوئی تم کو حق نہیں جو میں کہوں تم اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ سارے سفر میں تمام کام اپنے ہی ہاتھ سے کیے اس کو کچھ بھی نہیں کرنے دیا وہ بے چارا بہت پچھتایا کہ واہ اچھا امیر بنایا اس سے تو میں ہی امیر بن جاتا تو اچھا ہوتا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر کیاریوں میں سبزی لگانے کا شوق تھا کسی میں پودینہ کسی میں دھنیہ کسی میں کچھ کسی میں کچھ پودینہ میں بکری کی مینگنیں سنا ہے کہ زیادہ مفید ہوتی ہیں تو حضرت کو پودینہ کی کیاری کے لئے مینگنیوں کی ضرورت تھی۔ کیاری درست کر رہے تھے کہ ایک زمیندار سامنے سے آ گئے ان سے فرمائش کردی انہوں نے رعیت کے گڈریوں سے منگوا دیا۔ مولانا خود اپنے ہاتھ سے توڑ توڑ کر مینگنیوں کو کیاری میں ڈال رہے تھے اتنے میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے دریافت کیا کہ مولانا کیا کر رہے ہو اور یہ مینگنیاں کہاں سے آئیں۔ فرمایا کہ فلاں شخص نے بھجوا دیں فرمایا کہ تم نے ظلم کی اعانت کی وہ شخص ظالم ہے زبردستی لوگوں سے کام لیتا ہے ان کو ابھی واپس کرو خود مولانا نے ٹوکری میں سب جمع کر کے اسی وقت واپس کیں۔ عمل کرنا نہ کرنا دوسری چیز ہے مگر اسلام کی تو تعلیم یہی ہے کہ ہر شخص حتی الامکان اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرے۔ الحمد للہ بزرگوں کی برکت سے میری بھی خود یہی عادت ہے کہ قریب قریب سب کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں کبھی کسی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے تو کتب خانہ سے خود جا کر لاتا ہوں اور خود رکھ کر آتا ہوں بعض مرتبہ مولوی شبیر علی کے مطبع سے کتاب لینے کی ضرورت ہوتی ہے تو خود جا کر لاتا ہوں اگر کوئی بہت ہی بے تکلف شخص پاس بیٹھا ہو تو کوئی کام کہہ دیتا ہوں ورنہ زیادہ اپنے ہی ہاتھ سے کرتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ حضرات عجیب شان کے تھے ایک مرتبہ اس مذکور واقعہ کا عکس ہوا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مخدوم قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خفا

ہوئے اور انہوں نے تحمل کیا وہ واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بچہ کے ساتھ مزاح فرمار ہے تھے۔ مزاح میں اس کی ٹوپی اتار کر اپنے سر پر رکھ لی۔ کچھ گوٹہ کا کام تھا' مولانا محمد یعقوب صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا مخول ہے یہ ٹوپی کیوں اوڑھی فرمایا کہ اتنی تو جائز ہے کیونکہ چار انگل سے بہت کم تھی کہا کہ تو پھر عوام کے لئے حریر اور دیبا بھی سب جائز ہو جاوے گا اور ان پر لٹھ لے کر دوڑے مولانا نے حجرہ میں جا کر پناہ لی۔ مولانا نے معافی مانگی بات ختم ہوئی ایک اور واقعہ ایسی ہی خفگی کا یاد آیا۔ مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ حج کو تشریف لے گئے اور حاجی محمد عابد صاحب کو اہتمام سپرد کر گئے تھے ایک روز مولانا محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں ذرا دیر سے تشریف لائے تھے وجہ یہ تھی کہ مولانا مرجع الخلائق تھے بہت سے کام مخلوق کے نکالتے تھے مدرسہ میں دیر سے آنے کی وجہ یہی تھی اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ جب عقد اجارہ ٹھیرا تو اتنے وقت کی تنخواہ کٹے گی۔ معاملہ سے تو برا نہیں مانا مگر طرز اور تعلقات خصوصیت کے خلاف تھا اس لئے ناگوار ہوا اور فرمایا کہ سب ہی کاٹ لو اب ہم مدرسہ میں کام ہی نہ کریں گے دونوں طرف سے گفتگو بڑھ گئی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے مولانا سے درگزر کرنے کو فرمایا ان سے بھی ناراض ہو گئے کہ ہمارے مخالف کی طرف داری کی اور ناراض ہو کر معین الدین مرحوم مولانا کے بڑے بیٹے تھے ان سے کہا کہ سواری لے آؤ ہم دیو بند نہ رہیں گے۔ مولوی ظفر احمد کے دادا شیخ نہال احمد صاحب اثر تھے انہوں نے سب سواری والوں کو منع کر دیا۔ فرمایا کہ مجھ کو سب معلوم ہے جو سازش ہوئی ہے اتفاقاً نانوتہ سے کچھ دھوبی گدھے لے کر سودا لینے آئے تھے ان کو بلا کر اور گدھے منگا کر ان پر کتابیں لا دیں اور ایک پر خود سوار ہو لئے اور بیٹے کو سوار کیا اور نانوتہ چل دیئے وہاں گھوڑے گدھے نظر میں سب برابر تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے نانوتہ جا کر معافی چاہی مگر اس وقت غصہ تھا۔ فرمایا دو چار لفظ یاد کر لئے ہیں اس سے کیا ہوتا ہے۔ مولانا نے ٹوپی سر سے اتار کر پاؤں پر ڈال دی مگر ناز کے غلبہ سے وہ بھی کافی نہ ہوئی اس پر مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب ان کی خدمت میں خود پہنچے اور ان کے پیروں پر گر گئے اور بالکل صفائی ہو گئی سب ایک کے ایک ہو گئے۔

(۱۱۴) خلوص نیت کے ثمرات

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے ان حضرات اور دوسرے بزرگوں کے حالات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جماعت صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ ان میں پہلی جماعت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ والی تھی اس کے بعد حضرت مولانا گنگوہی و مولانا نانوتوی کا طبقہ ہوا۔ ان حضرات کے واقعات‘ معاملات‘ تحقیقات‘ علوم‘ اعمال‘ تدین‘ تقوی‘ بے نفسی سے پتہ چلتا ہے کہ نہایت جامع مانع شان رکھتے تھے۔ جو کام ان حضرات کا ہوتا تھا محض خلوص پر مبنی ہوتا تھا اور حق کے لئے ہوتا تھا اور یہ ان حضرات کے خلوص نیت ہی کے ثمرات ہیں کہ لاکھوں کروڑوں مخلوق گمراہی اور ضلالت سے محفوظ رہی ورنہ یہ زمانہ سخت پر آشوب زمانہ ہے چہار طرف سے فتن اور ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ ایک خاص بات ان بزرگوں کی یہ ہے کہ ان کے ذکر میں ایک خاص برکت معلوم ہوتی ہے اور قلب میں کشش ہوتی ہے ان کا جب کبھی ذکر شروع کر دیتا ہوں قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

(۱۱۵) قبول حق سے استنکاف بڑی مہلک چیز ہے

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ کم از کم اپنی کوتاہی کا اعتراف تو ہونا ضروری ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا کفارہ ہے باقی خودداری اور قبول حق سے استنکاف یہ تو بڑی ہی مہلک چیز ہے۔ تو نور باطن و نور قلب کو بالکل فنا ہی کر دیتی ہے۔ باطن اس سے بالکل برباد ہو جاتا ہے۔ معلوم بھی ہے کہ یہ خودداری کبر سے ناشی ہے۔ آج کل کبر کا نام خودداری رکھا ہے۔ شیطان نے بھی تو یہی خودداری کی تھی پھر اس کا جو انجام ہوا ظاہر ہے۔

(۱۱۶) شیخ کی خدمت میں کثرت سے حاضری کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کی خدمت میں بکثرت حاضر ہونے سے جو بات میسر ہوتی ہے وہ بات کتابیں دیکھنے سے نصیب نہیں ہو سکتیں۔ کتاب دیکھنے کے منافع اور ہیں۔ صحبت کے منافع اور ہیں۔ آج کل لوگ ان فرقوں کو سمجھتے نہیں اس لئے بجائے اتباع کے ہر جگہ اپنی راؤں کو دخل دیتے ہیں جو خود ایک مستقل مرض ہے جس کا

تعلق اسی خودداری سے ہے۔ یہ بھی شیخ ہی کو اطلاع کرنے سے اور اس کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے جا سکتا ہے اس ہی لئے اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ کسی کامل کی تلاش کرے اور اس کا کامل اتباع کرے بدون اس کے اس راہ میں ہرگز قدم نہ رکھے ورنہ سخت خطرہ ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرد   بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

(۱۱۷) شرف نسب کے خواص و آثار کلی ہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں آج کل یہ ایک نیا فتنہ شروع ہوا ہے کہ شرف نسب ہی کی نفی کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں لیکن اگر اس کے خواص اور آثار اکثر کلی نہیں تو اکثری تو ضرور ہیں اور یہ مشاہد ہے اور ایک بات عجیب ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ حسب نسب کوئی چیز نہیں دوسری طرف اپنے لئے اس کی کوشش ہے اگر یہ کوئی چیز نہیں تو تم جو ہو وہی رہو۔ دوسری طرف کیوں لپکتے اور دوڑتے ہو ورنہ جو اعتراض تم اوپر کرتے ہو وہی تم پر ہوگا۔ کیونکہ ان میں بھی کوئی اپنے کو صدیقی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کوئی انصاری کوئی قریشی کوئی فاروقی کوئی زبیری کوئی علوی پھر اپنے اعتراض کا جو جواب تم تجویز کرو گے وہی دوسری طرف سے سمجھ لیا جائے۔ ایک مولوی صاحب نے حسب نسب کی تحقیق میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جو عنقریب چھپ کر تیار ہو جائے گا اس کے متعلق فرمایا کہ رسالہ تو لکھا گیا میں نے دیکھا بھی ہے مصنفین میں ایک فرق تو ہوتا ہے علم کی کمی بیشی کا اور ایک ہوتا ہے جوان بوڑھے ہونے کا تو ان کا علم تازہ ہے استحضار بھی کافی ہے اچھی لکھ لیں گے مگر بوڑھے جوان کا جو فرق ہے وہ باقی رہے گا یعنی عنوان ذرا تیز ہے۔

(۱۱۸) تبحر کی دو قسمیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علوم کی بھی قسمیں ہیں بعض کا علم تو طولی عرضی ہوتا ہے اور بعض کا عمقی جس میں تقوی کو خاص دخل ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے علم کی شان خاص کے بہت

اسباب ہیں جن میں اعظم سبب تقوی ہے ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے استاد سے نقل کیا کہ تبحر کی دو قسمیں ہیں ایک تبحر کدو اور ایک تبحر مچھلی۔ کدو تو تمام سمندر پر اوپر اوپر پھر جاتا ہے مگر اس کو اندر کی کچھ خبر نہیں اور مچھلی عمق تک پہنچتی ہے تو آج کل کے اکثر تبحر کدو تبحر ہیں۔ جن کی نظر محض سطحی ہے۔

(۱۱۹) تدوین علوم کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تدوین علوم کی ضرورت بعد کے زمانہ میں ہوئی ورنہ اگر حافظہ اور تدین ہو تو تدوین کی کچھ بھی ضرورت نہ ہوتی۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ ایک تو تدین پر اعتماد نہیں اور اگر تدین پر اعتماد بھی ہو تو حافظہ کی کمی سے اندیشہ ذہول کا ہو جاتا ہے اس لئے تدوین کی ضرورت ہوئی اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ تدوین میں بھی کتر بونت اور تحریف کی جانے لگی سو اس وقت تو تدوین کا درجہ وجوب سے بھی زائد ہو گیا۔

(۱۲۰) تھانہ بھون میں بعض روساء پر دین کا رنگ غالب ہونا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ماشاء اللہ اس طرف کے رئیسوں پر بھی دین ہی کا رنگ غالب ہے اور یہ اثر ہے ہمارے حضرات کا بخلاف پورب اور اودھ و پنجاب کے کہ وہاں یہ رنگ نہیں۔ ہاں بعض جگہ ظاہری تہذیب بہت بڑھی ہوئی ہے جو درجہ تعذیب تک پہنچی ہوئی ہے لیکن دین کا رنگ نہیں۔

(۱۲۱) مادیات میں ترقی کا ایک نفع

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس قدر مادیات میں ترقی ہو رہی ہے ہم کو دین کی تحقیق میں بہت سہولت ہو رہی ہے مثلاً گراموفون ہے جو محض جماد ہے مگر اس میں بامعنے آواز پیدا ہوتی ہے تو نامہ اعمال کی پیشی کے وقت ہاتھوں پیروں کا بولنا اس کے بہت قریب نظیر ہے اس سے اس دعوے کے سمجھانے میں ہم کو بڑی سہولت ہو گئی۔ منکرین کا ایسی ایجادیں کرنا ہمارے لئے محبت نامہ ہو گئی خدا نے ان ہی سے وہ کام لیا جس سے خود لاجواب ہو گئے مگر باوجود اس کے اس کی قدرتوں کا انکار کرتے ہیں۔ جو اپنے تجربہ میں آ جائے اس کے تو قائل

اور جو اسلام کہے گو وہ اسی کی نظیر ہو اس سے انکار۔

(۱۲۲) جہنم میں بھیجنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مناظرہ میں مسئلہ کی تحقیق زیادہ موثر ہوتی ہے سب و شتم سے کچھ نفع نہیں ہوتا فلاں خان صاحب نے اپنی ساری عمر اسی سب و شتم میں ختم کر دی ہر وقت لوگوں کو کافر بنانے کا شغل تھا اور مجھ پر تو خاص عنایت تھی۔ مگر بحمد اللہ میں نے کبھی انتقام بالمثل نہیں لیا البتہ ان کا غلط کار اور بے راہ ہونا نرم الفاظ میں ظاہر کرتا تھا۔ یہی نمونہ ایک بی بی کو خواب میں نظر آیا وہ بی بی مجھ سے مرید ہیں۔ انہوں نے مجھ کو لکھا کہ میں نے ان خان صاحب کو خواب میں دیکھا مجھ سے پوچھا آپ کا (یعنی میرا) نام لے کر کہ کبھی وہاں (یعنی میرے یہاں) میرا ذکر بھی آیا ہے۔ میں نے کہا کہ میرے سامنے تو کبھی نہیں آیا کہا کہ ذرا پوچھنا میرے متعلق کیا کہتے ہیں اور پھر خود ہی کہا کہ میں بتلاؤں کیا کہیں گے یوں کہیں گے کہ بڑا الجیا تھا۔ فرمایا کہ خواب گو حجت نہیں لیکن ایک لطیفہ ضرور ہے۔ بے چارے نے سچی بات کہی کیونکہ اس لفظ کا استعمال عرفاً اکثر بچوں کے لئے ایسے موقع پر کیا جاتا ہے جہاں ان کی غلطی کا تو اظہار مقصود ہو مگر زیادہ غیظ نہ ہو سو تعبیر میں خاص یہی لفظ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نرم الفاظ میں غلطی کا اظہار کیا گیا ہے جیسے گمراہ اور گمراہ کن اور اس میں بھی اکثر اس احتمال کو ظاہر کرتا رہتا ہوں کہ شاید نیت اچھی ہو۔ اور یہ واقعہ ہے راہ تو گم کر ہی چکے تھے اسی سے کفر کے فتوے دینے میں کمال جرات تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اس وقت تک کے علماء اور اولیاء اللہ پر کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک رجسٹر بنا رکھا تھا جس میں ان سب حضرات کے نام تھے اور تماشا یہ کہ ان فتوؤں پر ناز تھا چنانچہ ایک خواب اپنا خود بیان کیا کہ میرے ہاتھ میں دوزخ کی کنجیاں دیدی گئی ہیں اس کا مطلب عقلمند یہ سمجھے کہ جس کو ہم چاہیں گے کفر کا فتویٰ لگا کر جہنم میں بھیج دیں مگر ظاہر ہے کہ جہنم میں بھیجنا کسی کے اختیار میں تو ہے نہیں سوائے خدا تعالیٰ کے تو یقینی بات ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ معنے یہ ہیں کہ تم لوگوں کو گمراہ بنا بنا کر جہنم میں بھیج رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ ان حرکتوں پر سزا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس کو تو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ لیکن

اپنے مسلک کی حقیقت تو میاں کو معلوم ہوگئی ہوگی جس کو خواب میں اس بی بی نے خود صاحب واقعہ سے سنا تعجب ہے کہ اس شخص میں دین کا تو کیا تہذیب کا بھی نام ونشان نہ تھا۔ آدمی اگر کسی کو کافر سمجھے تب بھی اس کی عمر کا فضل کا کمال کا کسی کا کچھ تو خیال رکھے اور حدود سے نہ گزرے مگر اس شخص میں اس بات کا پتہ بھی نہ تھا بہت ہی مغلوب الغضب شخص تھا۔

(۱۲۳) کفر کا ہائی کورٹ

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے عجیب بات کہی تھی بعض لوگوں نے ان کے رسالہ امہات المومنین کے متعلق ان سے کہا کہ تم پر علماء کا فتویٰ کفر کا ہوگیا ہے انہوں نے کہا کہ مجھ کو فکر نہیں کیونکہ ابھی کفر کے ہائی کورٹ سے تو تکفیر کا فتوی نہیں ہوا۔ مراد ان ہی اوپر کے ملفوظ والے خان صاحب ہیں ان کے وطن کو کفر کا ہائی کورٹ کہا واقعی ٹھیک کہا۔

(۱۲۴) اکابر دیوبند کا مسلک

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب آدمی جدا جماعت بناتا ہے تو اس کو اس قسم کا اہتمام کرنا پڑتا ہے کہ کوئی ٹوٹ نہ جائے کوئی غیر معتقد نہ ہو جائے ہمارے بزرگوں نے الحمد للہ کبھی اس کا اہتمام نہیں کیا ہمیشہ حق کا اظہار کیا اس پر چاہے کوئی ٹوٹ جائے یا غیر معتقد ہو جائے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔

(۱۲۵) قلب مسافر خانہ نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ بلاضرورت قلب کے مشغول رہنے سے گھبراتا ہوں اس کا تحمل نہیں باقی کام کی مشغولی سے نہیں گھبراتا چاہے شب و روز مجھ سے خدمت لئے جایئے عذر نہیں البتہ جس بات سے قلب کو مشغولی ہو ایک لمحہ اور ایک سکنڈ کے لئے اس کی برداشت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنے والوں سے میری کم بنتی ہے وہ بات صاف نہیں کرتے میرے قلب کو بلاوجہ مشغول رکھنا چاہتے ہیں مجھ سے اس کا تحمل نہیں اس لئے لڑائی ہو جاتی ہے۔ قلب تو ایک ہی ذات کے لئے وہ کوئی سرائے یا مسافر خانہ تھوڑا ہی ہے کہ سب کی اس میں کھپت ہو سکے اور باوجود برداشت نہ ہونے کے میں جس قدر ضبط کرتا

ہوں یہ کہنے اور بیان کرنے سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں خود برداشت کر کے دیکھنے کی چیز ہے اس وقت معلوم ہوگا کہ واقعی میں کس قدر برداشت کرتا ہوں۔

(۱۲۶) امر فطری

ایک نو وارد صاحب نے حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا اس کے بعد کچھ پھل اور کچھ نقد بطور ہدیہ پیش کیا فرمایا کہ تعارف سے اتنا تو یاد آ گیا کہ آپ سے کچھ تعلق ہے مگر بے تکلفی تو نہیں اس لئے ہدیہ لینے سے معذور ہوں میرا معمول ہے کہ بدون بے تکلفی اور خاص جان پہچان کے میں ہدیہ نہیں لیتا شرم آتی ہے کیونکہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ نیت کیا ہے اور خلوص بھی ہے یا نہیں اس پر لوگ برا مانتے ہیں مگر میرا یہ امر فطری ہے میں کیا کروں مجبور ہوں فطرت کو کیسے بدل دوں۔

(۱۲۷) احتیاط کا نام وہم رکھنا غلط ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو وہ زمانہ ہے کہ احتیاط کا نام وہم رکھا گیا اور محبت کا نام دیوانگی حتیٰ کہ اپنی جماعت کے ایک عالم صاحب نے ایک شخص کو کسی احتیاط پر یہ کہا کہ میاں تم میں تو اشرف علی کا سا وہم ہے گویا میرا وہم ضرب المثل ہو گیا میں نے سن کر کہا کہ اگر اس کا نام وہم ہے تو ہم یہ کہیں کے

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

۷ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(۱۲۸) اہل باطل کی دلیری کی عجیب مثال

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اہل باطل اپنے مذہب کی بڑی ہی دلیری اور کوشش سے اشاعت کرتے ہیں ذرا نہیں شرماتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمارا یہ عمل صحیح بھی ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ اگر ایسا نہ کریں تو اس میں آگے حق کا پہلو رکھا ہی کیا ہے جس سے وہ تائید حق سے چلے اور ان کی یہ دلیری بے حسی سے ہے یا بعض دفعہ ترکیب سے جیسی ایک خرگوش کی دلیری تھی جس کی ایک طویل حکایت مولانا نے مثنوی میں بیان فرمائی ہے کہ ایک تجربہ کار خرگوش ذہن میں ایک تدبیر تراش کر چلا۔ شیر غصہ میں بھرا بیٹھا تھا کہ میرا شکار ابھی تک کیوں

نہیں آیا خرگوش نے پہنچ کر بڑی بیباکی اور دلیری سے دوبدو شیر سے گفتگو کی تاکہ اس دلیری کے سبب شیر کو شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی بناوٹ اور سازش ہے اس موقع پر مولانا فرماتے ہیں۔

کز شکستہ آمدن تہمت بود وز دلیری دفع ہر ریبت بود

بعض دفعہ اہل باطل اس لئے دلیری سے کام لیتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ باطل میں قوت تو ہے نہیں اگر دلیری سے بھی کام نہ لیا تو پھر کچھ بھی نہ رہے گا۔ ایک مرتبہ میں شاہ جہاں پور اسٹیشن پر اترا ہنگامہ زیادہ تھا باہر سے آنے والوں کو روکا جاتا تھا اور پلیٹ فارم سے باہر جانے والوں کو نہ روکا جاتا تھا ٹکٹ دو اور چلے جاؤ۔ میں نے جب اسباب یکہ میں رکھ لیا اس وقت شبہ ہوا کہ ایک چھوٹا بیگ ریل میں رہ گیا اس میں یاد نہیں کچھ زیادہ گنیاں تھیں اتنی بڑی رقم چھوڑنے کو جی نہ چاہا۔ میں بدون کسی خاص ذریعہ کے پھاٹک پر پہنچا۔ گمان تھا کہ جانے نہ دیں گے مگر میں نے کچھ نہیں دیکھا ایک دم جھپٹ کر دلیری سے اندر چلا گیا کسی نے بھی نہیں روکا اپنے ڈبہ میں جا کر دیکھا تلاش کیا نہیں ملا میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر چلا آیا پھر یکہ میں جو دوبارہ اسباب کو دیکھا تو اسباب کے نیچے بیگ رکھا تھا شب کا وقت تھا اس لئے نظر نہ آیا۔ ایسی ہی دلیری و بیباکی سے بعض دفعہ اہل باطل کام لیتے ہیں۔

(۱۲۹) شیخ کا ہر فن ہونا ضروری ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تربیت و اصلاح کا کام بڑا ہی نازک ہے اس میں بڑے ماہر فن کی ضرورت ہے اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ کا ولی ہونا بزرگ ہونا قطب ہونا غوث ہونا ضروری نہیں ماہر فن ہونا ضروری ہے بدون اس کے اصلاح اور تربیت نہیں کر سکتا پھر ایک سوال پر فرمایا کہ شیخ کا متقی پرہیزگار زاہد عابد ہونا بھی ضروری نہیں جیسے طبیب جسمانی کہ وہ خود کیسا ہی بدپرہیز ہو لیکن ماہر فن ہو اگر فن دان ہے اور حاذق ہے تو علاج کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اس مہارت فن کے ساتھ شیخ میں یہ چیزیں بھی ہوں تو اس کی تعلیم میں برکت ضرور ہوگی ورنہ فی نفسہٖ تربیت کے لئے ضروری نہیں آج کل جو آثار کا علاج ہوتا ہے مشائخ کے یہاں بھی اور طبیبوں کے یہاں بھی اسباب کا علاج نہیں ہوتا یہ بھی عدم مہارت ہی کی دلیل ہے۔ بہت سی باتیں اکمیں ہیں یہی وجہ ہے کہ طالب کے اندر آدمیت

اور انسانیت نہیں پیدا ہوتی چاہے اور سب کچھ ہو جائے۔ مولوی ظفر احمد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں ایک مرتبہ انہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا حضرت سے عرض کیا کہ حضرت دعاء فرماویں کہ میں صاحب نسبت ہو جاؤں۔ فرمایا کہ تم صاحب نسبت تو ہو مگر اصلاح کی ضرورت ہے اور وہ اپنے ماموں سے کراؤ۔ یہ میری طرف اشارہ تھا تب مولوی ظفر احمد نے مجھ سے رجوع کیا۔ تو صاحب نسبت ہو جانا جدا چیز ہے اصلاح جدا چیز ہے یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں جن میں آج کل خلط کر رکھا ہے یہ سب طریق سے بے خبری کی باتیں ہیں اللہ کا شکر ہے مدتوں کے بعد فن کی تجدید ہوئی۔ اور طریق روز روشن کی طرح صاف اور بے غبار ہو گیا ہر چیز اپنے درجہ پر نظر آنے لگی۔ بڑی ہی گڑ بڑ مچا رکھی تھی حقیقت طریق کی مستور ہو چکی تھی اسی مستور ہونے کی وجہ سے بعض کو درجہ غلو کا ہو گیا تھا اور بعض کو نفرت کا اور یہ افراط تفریط محض دو کاندار جاہل صوفیوں اور پیروں کی بدولت ہوا تھا جو بفضلہ تعالیٰ اب اعتدال و تحقیق سے مبدل ہو گیا۔ اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات ہیں۔ ان کی ہی دعاؤں کی برکت ہے ورنہ میں کیا اور میری ہستی ہی کیا اپنے پاس نہ علم و عمل ہے نہ زہد اور عبادت۔ اگر اپنے پاس کچھ ہے محض اپنے بزرگوں کی دعائیں اور حق تعالیٰ کا فضل ہے ان ہی دو چیزوں پر تکیہ ہے۔ یہاں پر بھی اور آگے آخرت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۳۰) حضرت حاجی صاحب اور حضرت حافظ ضامن صاحب کی شان

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مرید کرنے کے متعلق اتنی کاوش نہ تھی جتنی حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری عمر میں حافظ صاحب کے آٹھ یا سات مرید ہوئے یہ بات نہ تھی کہ لوگ مرید ہونا نہ چاہتے تھے بہت لوگ آتے تھے لیکن حافظ صاحب مرید نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل اور مناقب

بیان کررہے تھے اور ان کی عجیب عجیب باتیں بیان فرمارہے تھے اور بیان کے وقت ایک جوش تھا جب سب کچھ بیان فرما چکے تو آخر میں فرمایا کہ یہ سب کچھ تھا مگر جو بات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تھی وہ کسی میں بھی نہ تھی۔ واقعی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مقدس ایک تو متفق علیہ تھی مخالف اور موافق سب کے نزدیک مسلم تھی دوسرے حضرت میں ایک خاص جامعیت تھی عجیب بات یہ ہے کہ حضرت بظاہر اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حضرت کی طرف زیادہ تر اہل علم ہی گرویدہ تھے۔ پھر ان میں بھی ایسی ایسی ہستیاں جیسے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ آخر کوئی چیز تو حضرت میں ایسی تھی جس کو یہ حضرات ان سے لینا چاہتے تھے اور وہ بات وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ حضرت فن تصوف کے مجتہد تھے امام تھے مدتوں سے طریق مردہ پڑا تھا حضرت کی برکت سے اس کی تجدید ہوئی۔

(۱۳۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ امیر شاہ خان صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے قلب میں جتنی عظمت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دیکھی اتنی حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کی نہیں دیکھی۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگوں کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت یہ خیال ہے کہ حضرت شاہ صاحب میں قدرے مداہنت تھی حالانکہ یہ خیال محض غلط ہے۔ حضرت شاہ صاحب حکیم زیادہ تھے حکمت سے جواب دیتے تھے ناواقف کو رعایت کا شبہ ہوجاتا تھا چنانچہ ایک شخص تعزیہ بناتا تھا اس کی عمر کا ایک حصہ تعزیہ کے ادب واحترام میں گذر چکا تھا وہ تائب ہوا مگر اس کے یہاں ایک بنا ہوا تعزیہ تھا اس کو معدوم کرنا چاہتا تھا مگر اس کی صورت سمجھ میں نہ آتی تھی۔ مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت میرے یہاں تعزیہ ہے میں کیا کروں اور اپنی حالت بیان کی فرمایا مٹادے توڑ دے جلادے پھونک دے مگر اس ظاہری بے ادبی کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور وہی عرض کیا جو وہاں عرض کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ کرو کہ اس کے بند

کھول دو یا چاقو سے کاٹ ڈالو اس شخص نے جا کر چاقو سے بند کاٹ ڈالے جس سے بانس کی کھپچیاں الگ الگ ہوگئیں اس کو ایک لطیف صورت سے ختم کرا دیا یہ حکیمانہ طرز تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ ایک مدت تک اس کے قلب میں تعزیہ کی عظمت اور ادب رہ چکا ہے اہانت کی صورت پر دفعۃً قادر نہ ہوگا اس لئے ایک لطیف عنوان سے اس کو فنا کرا دیا یہ تدریج اس ناگوار صورت کو بھی گوارا کر لے گا اور وہی بات حاصل ہو جاوے گی جو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی لیکن عنوان اور تدریج کا فرق تھا ایک شخص کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد ایک کاغذی تصویر تھی جس کو رکھنا جائز نہ سمجھتا تھا وہ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور کی نامزد میرے پاس ایک تصویر ہے اس کو میں کیا کروں۔ شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کرتا کیا توڑ پھوڑ دے تصویر کی کوئی حرمت نہیں اس کی ہمت نہ ہوئی وہاں سے یہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور وہی عرض کیا جو وہاں کیا تھا حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہ جاندار ہے یا بے جان۔ عرض کیا بے جان۔ فرمایا کہ جب صاحب تصویر بے جان ہو گئے تھے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا تھا۔ عرض کیا کہ غسل و کفن دے کر دفن کر دیا گیا تھا۔ فرمایا تم بھی ایسا ہی کرو اس تصویر کو خوب گلاب اور مشک و عنبر سے مل مل کر غسل دو اور ایک قیمتی کپڑے میں لپیٹ کر ایسی جگہ دفن کر دو جہاں کسی کا پیر نہ پڑے۔ بات ایک ہی تھی صرف عنوان کا فرق ہے۔ شاہ صاحب حکیم تھے۔ کیا اس کو مداہنت کہتے ہیں اور حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ برہنہ شمشیر تھے۔ آخر دین میں جرنیلوں اور کرنیلوں کی بھی تو ضرورت ہے۔ تھی ہر ایک کی جدا شان سبحان اللہ سب حضرات سے دین کی خوب اشاعت ہوئی۔

۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

(۱۳۲) تعلیم یافتہ حضرت کا فساد عقیدہ

ایک نوعمر نو وارد نے حاضر ہو کر حضرت والا سے مصافحہ کیا بعد مصافحہ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آنا ہوا اور کس غرض سے۔ عرض کیا کہ بنگال میں فلاں مقام ہے وہاں سے حاضر ہوا اور آنے کی غرض تحصیل علم ہے دریافت فرمایا کہ وطن ہی میں رہ کر کیوں نہیں پڑھا۔ عرض

کیا کہ دو سال سے مسلسل بیمار ہوں آپ سے ایک تعویذ بھی منگایا تھا اس سے بھی کوئی نفع نہ ہوا۔ فرمایا کہ ایسی بیماری کی حالت میں سفر کرنا اور پردیس میں رہنا بالکل مصلحت کے خلاف ہے اور جو سبب عدم تعلیم کا وطن کے متعلق بیان کر رہے ہو وہ تو یہاں پر بھی ہے یعنی بیماری تو یہاں ہی کس طرح پڑھ سکتے ہو۔ عرض کیا مجھ پر جن کا اثر ہے۔ فرمایا کہ یہ میں نہیں پوچھتا کہ جن کا اثر ہے یا انسان کا میں نے جو سوال کیا ہے کیا اس کو تم نے سنا نہیں۔ عرض کیا کہ سن لیا۔ دریافت فرمایا تو کیا یہ میری بات کا جواب ہوا۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ جب تم کو بیماری ہے جس کی وجہ سے وطن میں نہیں پڑھ سکے تو یہاں پر کیسے پڑھ سکتے ہو۔ ارے بھائی یہ تو موٹی بات ہے کہ جو چیز وطن میں رہ کر تعلیم کو مانع رہی وہ یہاں پر بھی موجود ہے پھر یہاں پر کس طرح پڑھو گے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ یہاں پر رہ کر پڑھ لوں گا۔ فرمایا کہ اسی کو تو پوچھ رہا ہوں کہ جب وطن میں بیماری تعلیم کی مانع رہی یہاں کیوں مانع نہ ہوگی کیا یہ بیماری تعلیم یافتہ ہے کیا میری بات کو سمجھتے نہیں۔ عرض کیا سمجھتا ہوں۔ فرمایا سمجھتے ہو تو جواب دو۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ فرمایا کہ بھائی اتنی دور سے علالت کی حالت میں سفر کیا۔ سفر کی کلفتیں برداشت کیں۔ روپیہ خرچ کیا۔ گھر چھوڑا عزیز و اقارب سے مفارقت ہوئی جو مقدمات تھے اور بات کا جواب بھی ندارد جو مقصود ہے اس طرح کیسے کام چلے گا۔ دیکھو سرائے میں لوگ جا کر ٹھہرتے ہیں بھٹیارہ اپنی تسلی کر لیتا ہے جب ٹھہراتا ہے کیا ہمیں اتنا بھی حق نہیں کہ نو وارد کو ٹھہرائیں تو پہلے اپنا اطمینان تو کر لیں مگر بجائے اطمینان دلانے کے پریشان کر رہے ہو۔ کوئی یہاں آ کر اور رہ کر رنگ دیکھے کہ آنے والے کیا کرتے ہیں۔ اپنا کام چھوڑ کر پوچھتا ہوں جواب نہیں ملتا میں بت تو ہوں نہیں جس کو حس ہی نہیں ہوتا آخر انسان ہوں قلب پر اثر ہوتا ہی ہے کہ میں ان کے مصالح کی اس قدر رعایت کروں اور یہ میرے سوال کو بھی لغو سمجھیں جواب ہی ندارد صاحب یہ میری بد اخلاقی ہے اگر ان کا غلام بن جاؤں تب خوش اخلاق بنوں۔ ارے بھائی کچھ میرے سوال کا جواب دیتے ہو یا نہیں یہی جواب دیدو کہ میں کوئی جواب دینا نہیں چاہتا یہ بھی ایک جواب ہے تا کہ میں یکسو ہو کر اپنے کام میں مشغول ہوں۔ اب کہاں تک تمہارے ساتھ بیٹھا

ہوا ایک ہی بات کو کھر ل کیئے جاؤں تمہیں تو صرف یہی کام ہے اور مجھ کو اور بھی کام ہیں۔
عرض کیا کہ یہاں کے رہنے کی برکت سے میری بیماری جاتی رہے گی۔ فرمایا جاؤ اٹھو یہاں
سے تم میں عقل اور فہم کا نام تک نہیں باہر جا کر بیٹھو پڑھنے کیا آئے تھے ستانے آئے تھے جو
کتابیں پڑھ چکے ہو ان میں بھی یہی نور بر سا رکھا ہوگا۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ کس قدر
غلط عقیدہ ہے کہ یہاں پر رہنے کی برکت سے بیمار نہ رہوں گا۔ اب اگر اس پر خاموش رہتا
ہوں تو گویا ایک قسم کا وعدہ ہے کہ ہاں تم رہو بیماری جاتی رہے گی۔ کل کو خدانخواستہ بیماری نہ
گئی یا اور بڑھ گئی تو یہ کہنے کو ہو جاوے گا کہ صاحب میں نے تو اپنا خیال اسی وقت ظاہر کر دیا
تھا آپ نے اس پر کچھ بھی نہ فرمایا تھا۔ بس یہ تو آزاد رہے اور ہم مجرم۔ کیا برکت کا یہ
مطلب ہے کہ کوئی بیمار ی نہ ہوا کرے یا ہوا کرے تو اچھا ہو جایا کرے اگر ایسی ہی برکت
ہے تو میں خود کیوں بیمار ہو جاتا ہوں۔ یا یہ اور لوگ جو میرے پاس خانقاہ میں رہتے ہیں یہ
کیوں بیمار ہوتے ہیں اور اگر ہوتے ہیں تو یہاں کی برکت سے اچھے کیوں نہیں ہو جاتے یہ
برکت دوسروں ہی کو چمٹتی پھرتی ہے اپنی برکت خود اپنے کام نہیں آتی کیا برا عقیدہ ہے جو
مفاسد سے پر ہے۔ لوگوں کے عقائد تک درست نہیں رہے۔ توحید کا صرف نام ہی رہ گیا
لیکن اس کا نور لوگوں کے قلوب سے مٹا جاتا ہے۔ لکھے پڑھے لوگ ایسی لغویات اور خرافات
میں مبتلا ہیں۔ اگر دوسری جگہ یہی بات کہی جاتی تو بڑے خوش ہوتے کہ بڑا ہی کوئی پختہ عقیدہ
لے کر آیا ہے۔ مدح کی جاتی صد آفرین اور مرحبا کے نعرے بلند ہو جاتے ہیں یہاں پر یہ
گت بنی۔ الحمدللہ یہاں پر ہر چیز اپنی حد پر ہے۔ غلو کے پر یہاں قینچ کر دیے جاتے ہیں
برکت کی کیا قدر کی ہے کہ بیمار نہ ہوا کریں یا بیمار ہوں تو اچھے ہو جایا کریں برکت کا مطلب تو
یہ ہے کہ اللہ کا نام پوچھو میں بتلا دوں تم اس کا نام لو یہ ہے برکت کی چیز۔ بیماری سے اچھا ہو
جانا یا بیمار نہ ہونا برکت کی تعریف آج ہی سنی یہ طالب علم ہیں کتابیں پڑھتے ہیں اور ابھی تک
عقائد درست نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام بیمار ہوئے ان کے اصحاب بیمار ہوئے اب
ایسا کون برکت والا ہے کہ جس کی برکت سے کوئی بیمار نہ ہو۔ فساد اعتقاد کا نام خوش اعتقادی
رکھا ہے۔ جہالت کی بھی کوئی حد ہے میں تو ضروری سوالات پر مجبور ہوں اس لئے کہ یہ طبعی

بات ہے کہ نئے آنے والے سے جی چاہتا ہے کہ معلوم ہو کہ کون ہیں کہاں سے آئے کس غرض سے آئے دوسرے عقلاً اس لئے بھی کہ اگر کوئی کام میرے قابل ہے تو اس کو بجالاؤں مگر بعضے بزرگ اول تو جواب ہی نہیں دیتے بت سمجھتے ہیں۔ اگر جواب دیتے بھی ہیں تو یہ خرافات ہانکتے ہیں جس سے خواہ مخواہ تغیر ہوتا ہے صبر بھی کرتا ہوں مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔

(۱۳۳) بیعت میں عجلت مناسب نہیں

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ کو عرصہ سے حضرت والا سے بیعت کا اشتیاق تھا مگر اتفاق سے فلاں مولانا شاہ صاحب سے ملاقات ہوگئی ان سے بیعت ہو گیا۔ مگر اب بھی رجحان آپ ہی کی طرف ہے۔ اس پر فرمایا کہ یہ نتیجہ ہے جلدی بیعت ہونے کا۔ اگر ان شاہ صاحب کو اس کی خبر ہو کہ میرے مرید کا دوسری طرف خیال ہے تو ان کو کس قدر رنج ہو۔ اس طرح بیعت کرنے میں یہ خرابیاں ہیں۔ اب وہ حضرات جو مجھ کو مشورہ دیتے ہیں کہ اس قدر کاوش کی کونسی ضرورت ہے اور میرے کھود کرنے کو وہم سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت پر لانے کو بداخلاقی اور سخت گیری سمجھتے ہیں اس کا فیصلہ کریں۔ بھلا میں ان تجربات کو دوسروں کے کہنے سے کس طرح مٹادوں۔ دیکھ لیجئے یہ آج کل کے طالب ہیں۔ بھلا کوئی اس شخص سے پوچھے کہ کیا شاہ صاحب نے کہا تھا کہ تو مرید ہو جا اپنی خوشی سے تو مرید ہوا اور پھر یہ حرکت میں ان بے ہودوں کی نبضیں پہچانتا ہوں۔ یہاں پر یہ باتیں بحمداللہ نہیں چلتیں اور یوں بشر ہوں غلطی کا ہونا مجھ سے بھی ممکن ہے مگر کم۔ میں اول پرکھتا ہوں جس سے اکثر پرکھے ہوئے کھوٹے ہی نکلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں کہ جس کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ کیا جاتا ہے اکثر تجربہ سے بعد میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا اہل ہوتا ہے۔ اس لئے میرا معمول ہے کہ جب تک کسی کے طلب صادق اور خلوص کامل پر اعتماد نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو بیعت نہیں کرتا باقی اجتہادی غلطی کا ہو جانا ہر وقت ممکن ہے۔

(۱۳۴) بیعت کی تاخیر میں جملہ مصالح کی رعایت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی پر اعتراض کر دینا تو آسان ہے مگر

میرے یہاں بارہا کے تجربوں کے بعد قواعد مرتب ہوئے ہیں اس لئے ان پر واقعی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں لیکن آنے والے ان کی پابندی سے گھبراتے ہیں۔ گڑبڑ کرنا چاہتے ہیں۔ میں چلنے نہیں دیتا اس پر خفا ہو کر چلے جاتے ہیں اور باہر جا کر بدنام کرتے ہیں ان سے ناتمام روایت سن کر سننے والے اعتراض کرتے ہیں۔ اب یہ بیعت ہی کا معاملہ ہے اس میں میرے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ میں تعجیل سے کام نہیں لیتا اس کو سختی پر محمول کرتے ہیں کہ یہ سختی ہے کہ فوراً بیعت نہ کیا جائے جس میں تمام مصالح کی رعایت ہے یا یہ سختی ہے کہ فوراً بیعت کر لیا جائے اور کسی مصلحت کی رعایت نہ کی جاوے۔ حضرت یہ اصلاح اور تربیت کا کام ہے۔ کام کرنے والے ہی پر گذرتی ہے جو گذرتی ہے دوسروں کو کیا خبر کہ اس کو کیا کیا زحمتیں اور اذیتیں سہنی پڑتی ہیں جن حضرات کو میرے طرز پر اعتراض ہے وہ یہاں پر رہ کر دیکھیں اور فیصلہ کریں ایک طرف سنے سنائے بیان پر فیصلہ کر دینا کونسا انصاف ہے میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل ظالم کی سب اعانت کرتے ہیں مظلوم کی کسی کو پروا نہیں ہوتی کہ اس پر کیا ظلم کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ذرا سی بات پر اس قدر چیخ پکار اور اس قدر شوروغل کیا جاتا ہے۔ مگر دیکھ لیجئے کہ اگر کسی کے سوئی چبھو دی جائے تو ذرا ہی سی تو ہوتی ہے پھر کیوں چیخ پکار ہوتی ہے۔

(۱۳۵) فضول اور عبث امور سے ہمیشہ اجتناب کی ضرورت

ایک صاحب کی غلطی پر جو مقیم خانقاہ تھے قبل نماز عصر مواخذہ فرمایا اور تنبیہ فرماتے ہوئے اس کے تدارک کی تدبیر بتلائی۔ پھر بعد نماز عصر دعاء سے فراغ کے بعد مصلی ہی پر تشریف رکھتے ہوئے تمام مقیمین خانقاہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور سب کو مخاطب فرما کر فرمایا کہ جتنے لوگ میرے تعلق کی وجہ سے خانقاہ میں رہنے والے ہیں وہ غور سے سن لیں کہ میرے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اس میں غریب امیر رئیس نواب سب ہی طرح کے ہوتے ہیں تم کو اجازت نہیں کہ تم کسی سے بھی تعلق پیدا کرو یا بات چیت کرو۔ تمہارے ایسا کرنے سے غرض کا شبہ ہوتا ہے۔ میرے اصول اور قواعد و مصلحت سب برباد ہوتے ہیں۔ شرم اور غیرت نہیں آتی کہ میں تو آنے والوں کو منہ بھی نہ لگاؤں اور تم ان کی چاپلوسیاں کرو۔ حیا جاتی رہی۔ اس طرز

سے تو ناواقف کو شبہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کی ملی بھگت ہے کہ شیخ تو کھرا بن برتتے تاکہ استغناء ظاہر ہو اور مریدین الجھانے کی کوشش اور سعی کریں تاکہ شکار بھی نہ نکلے کس قدر غیرت کی بات ہے تمہاری تو یہ شان ہونا چاہئے کہ اگر کوئی نواب یا بادشاہ بھی آئے تو اس کو منہ نہ لگاؤ نہ اس سے کوئی نفع حاصل کرو تم دیکھتے نہیں ہو میں خود آنے والوں سے اپنی ظاہری تعظیم و تکریم تک نہیں چاہتا چہ جائے دوسرے منافع نہ کہ آنے والے تمہاری اغراض پوری کریں تمہاری پرستش کریں۔ یہ تو دکاندار پیروں کے یہاں کے معاملات ہیں کہ پیر کا دربار الگ خلفاء کا دربار الگ مصاحبین کا دربار الگ خدام کا دربار الگ۔ ایک ایک جگہ میں چار چار دربار۔ الحمدللہ مجھ کو ان باتوں سے طبعی نفرت ہے تم کو تو یہ چاہیے کہ اگر تم سے خود بھی کوئی بات کرنا چاہے صاف کہہ دو کہ ہم کو کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر بات کرنا ہی ہے تو پہلے وہاں سے اجازت حاصل کر لیجئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پر آنے والوں سے کسی قسم کا تعلق پیدا کرنا یا معاملہ کرنا وہ چاہے دوستی اور محبت کا ہو یا لین دین کا ہو بدون میری اجازت کے حاصل کئے کوئی صاحب نہ کریں اگر کسی نے اس کے خلاف کیا خانقاہ سے علیحدہ کر دوں گا۔ ہاں جن لوگوں کے تعلق کی بناء پر میرا تعلق نہ ہو یا خانقاہ میں آنے سے قبل کے تعلقات ہوں وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ میں ظلم نہیں کرتا۔ الحمدللہ عدل سے کام لیتا ہوں۔ افسوس مجھ کو ذریعہ بناتے ہو اغراض کا تمہاری غیرت جاتی رہی یہ تو کھلا شرک ہے کہ آئے تو دین کے واسطے اور دین کے طالب ہو کر پھر اس میں دنیا کو ٹھونستے ہو۔ اللہ اکبر باوجود ان سخت اصول اور قواعد کے یہ حالت ہے۔ اگر یہ قواعد بھی نہ ہوتے تو خدا معلوم کیا حشر ہوتا اس ہی سے دوسرے مشائخ کے یہاں کی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جہاں قواعد ہی نہیں کہ لوگ کس قدر گڑبڑ کرتے ہوں گے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس کام کو آئے ہو اس میں مشغول رہو کسی سے تم کو غرض کیا کوئی آئے کوئی جائے تم کون کیا تم کو میں نے وکیل بنایا ہے۔ اس طرز میں بے انتہاء مفاسد ہیں۔

تمام کیا دھرا سب خاک میں مل جائے گا کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ میں تو دور سے دہتا بتلاؤں۔ بدون بے تکلفی اور خاص جان پہچان کے نذرانہ اور ہدیہ تک بھی نہ لوں کوئی ذرا اصول کے خلاف بات یا کام کرے خانقاہ سے نکال باہر کروں اور یہ یہاں کے رہنے والے

مزاج پرسیاں کریں۔ دوستیاں پیدا کریں یہ تعلقات خود ہی فی نفسہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں پڑنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا پریشان اور محروم ہی رہتا ہے نہ کہ جب دین کو اس کا ذریعہ بنایا جاوے۔ اور میں تعلقات واجبہ اور ضروریہ کو منع نہیں کرتا۔ تعلقات غیر ضروریہ کو منع کرتا ہوں۔ اور میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی راحت اور آرام کی زندگی بسر کرنا چاہے تو میرا مسلک اور مشرب اختیار کرے اور وہ ترک تعلقات اور فناء تجویزات ہے یعنی ترک تعلقات غیر ضروریہ۔ مگر لوگوں کو چین سے بیٹھے ہوئے خواہ مخواہ ایسی ہی سوجھتی ہیں کہ اس سے دوستی کر لی اس سے جان پہچان نکال لی۔ اس سے تعلقات پیدا کر لئے۔ معلوم بھی ہے کہ اس راہ میں یہ چیزیں سخت راہزن ہیں اور فضول اور عبث سے ہمیشہ اجتناب کی ضرورت ہے۔

اسی تقریر کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ حرکت تو ایک صاحب کی تھی مگر میں نے کان سب کے کھول دیے ہیں تاکہ آئندہ کسی سے ایسی حرکت نہ ہو اور وہ بات یہ تھی کہ ایک صاحب حج سے آئے ان سے ان بزرگ نے یہ سوال کیا کہ آپ کچھ تبرک بھی لائے ہیں اور ایک صاحب رخصت ہو رہے تھے انہوں نے مجلس سے اٹھ کر باہر جا کر ان سے مصافحہ کیا۔ اب یہ بات بظاہر تو ذرا سی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو بھی دو اور آج کل کے عرف میں اس قسم کا استفسار سوال ہی کا مرادف ہے۔ اب کسی کا جی چاہے یا نہ چاہے دینا پڑے گی۔ اگر نہ دے گا تو محجوب ہوگا اور اس خیال سے کلفت ہوگی کہ ذرا سا سوال کیا تھا میں پورا نہ کر سکا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تبرک نہ لایا ہو تو اس صورت میں یہ کہتے ہوئے کہ میں لایا نہیں اپنی طرف بخل کے انتساب کا شبہ ہوتا ہے۔ غرض ایسا سوال مفاسد کی پڑیا ہے اور یہ آنے والے صاحب تو مخلص ہیں اور اپنے ہی ہیں مگر جب ان حرکات کا سلسلہ جاری ہو جاوے گا تو بالکل اجنبی حضرات بھی آتے رہتے ہیں ان کے ساتھ بھی اس کی نوبت پہنچ جاتی بحمد اللہ اب دروازہ بند ہو گیا اول تو یہاں کے رہنے والے اللہ کے فضل سے سب ہی محتاط ہیں لیکن یہ سب احتیاط اسی وقت تک ہے جب تک اس کی دیکھ بھال بھی ہوتی رہے البتہ رسوخ کے بعد پھر ضرورت نہیں رہتی پھر تو خود ہی ایسی باتوں پر حجاب اور شرمندگی اور غیرت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہاں پر تو ان باتوں

پر روک ٹوک بھی ہے اور جگہوں میں تو دہ دردہ معاملہ ہے۔ پیر الگ اینٹھتے ہیں۔ مرید الگ۔ خادم الگ سفارشی الگ خانقاہیں کیا ہیں کچہری بنا رکھی ہیں جیسے وہاں رشوتوں کا بازار گرم ہے کہ حاکم الگ لیتا ہے۔ پیش کار الگ اردلی الگ سب کے حق بندھے ہوئے ہیں ایسے ہی آج کل رسمی اور دکاندار پیروں کے یہاں خانقاہیں ہیں سب کے حقوق اور نذرانے بندھے ہوئے ہیں۔ بعض کے یہاں تو رجسٹر ہیں جن میں وصول اور باقی کے خانے ہیں۔ باقاعدہ وصول ہوتا ہے جیسے گورنمنٹ کی مال گذاری یا زمیندار کی باقی وصول ہوتی ہے میں تو بحمداللہ اس شخص سے ہدیہ بھی نہیں لیتا کہ جس سے خاص جان پہچان نہ ہو اس لئے کہ اس کا پتہ چلنا دشوار ہے کہ نیت کیا ہے اور خلوص سے دے رہا ہے یا نہیں اس لئے خصوصاً تعلق کو اس کا قائم مقام قرار دیدیا ہے۔ جیسے سفر میں قصر کی اصل علت مشقت ہے لیکن اس کی پہچان اور اس کا معیار مشکل تھا اس لئے سفر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ایسے ہی ہدیہ میں خلوص نیت کا معیار معلوم ہونا مشکل تھا میں نے خصوصیت کی جان پہچان کو اس کا قائم مقام کر دیا ہے۔

۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(۱۳۶) نیچریت کی نحوست

ایک صاحب نے بسبیل گفتگو حضرت والا سے عرض کیا کہ ایک صاحب ہیں ان کا نام تو سراج الدین اسلامی نام ہے لیکن اعمال اور صورت دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بالکل عیسائیت ہی کا رنگ ہے اور اس کے ساتھ ہی ان صاحب کے بعض عقائد بھی حضرت والا سے بیان کئے حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ سراج کی دو حالتیں ہیں۔ ایک ناری۔ ایک نوری تو یہ شخص نار الدین ہے۔ دین کو آگ لگا دی۔ سراج میں یہ بھی تو صفت ہے کہ جس چیز سے اس کو لگا دیا جائے اس کو جلا دے تو یہ ایسے ہی سراج الدین ہیں اور یہ سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد اعمال صورت سیرت سب بدل گئے اور دین بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ ان کی رفتار گفتار نشست و برخاست خورد و نوش سب میں دہریت و نیچریت والحاد کا رنگ جھلکتا ہے۔ اور ہندوستان میں اس نیچریت کا بیج سرسید کا بویا ہوا ہے جس وقت سرسید نے علی گڑھ کالج کی بنیاد ڈالی تو اپنے ایک مصاحب سے کہا کہ تم گنگوہ جاؤ

اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے بعد سلام مسنون میری جانب سے عرض کرو کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دن بدن تنزل کی طرف جارہی ہے ان کے مقابل دوسری قومیں غیر مسلم ترقی کررہی ہیں اس چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ایک کالج کی بنیاد انگریزی تعلیم کے لئے ڈالی ہے اگر آپ بھی اس میں شرکت فرماویں اور ہاتھ بٹائیں تو بہت جلد کامیابی حاصل ہو جاوے۔ یہ مصاحب پیر جی محمد عارف صاحب انبہٹہ والے تھے۔ یہ مصاحب گنگوہ حاضر ہوئے حضرت سے عرض کیا کہ وہ سرسید کے بھیجے ہوئے ہیں اور حضرت سے سرسید کا سلام اور پیام عرض کرنا چاہتے ہیں حضرت نے اجازت دی انہوں نے سرسید کا پیام حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں مسلمانوں کی بہبود کے لئے ایک کالج کی بنیاد ڈال رہا ہوں اگر آپ بھی اس میں شرکت فرمالیں اور ہاتھ بٹالیں تو بہت جلد کامیابی کی صورت پیدا ہوجائے گی حضرت نے پیام سن کر فرمایا کہ میری تو ساری عمر قال اللہ وقال رسول اللہ میں گذری ہے مجھ کو ان چیزوں میں زیادہ تجربہ نہیں ہاں مولانا محمد قاسم صاحب کو ان چیزوں میں زیادہ بصیرت ہے ان سے اس کو بیان کیجئے وہ اگر شرکت کو قبول فرمالیں گے تو ہم سب ان کے ساتھ ہیں۔ یہ بات ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے آکر فرمایا کہ السلام علیکم یہ حضرت کی تشریف آوری اتفاقی تھی۔ پیر جی صاحب نے سرسید کا پیام ان کو پہنچایا حضرت مولانا نے سن کر فرمایا کہ پیر جی صاحب تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ شخص ہے کہ جس کی نیت تو اچھی ہے مگر عقل نہیں۔ اور ایک وہ شخص ہے اس میں عقل ہے مگر نیت اچھی نہیں۔ اور ایک وہ شخص ہے کہ اس کی نہ نیت اچھی نہ عقل۔ تو یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ سرسید کی نیت اچھی نہیں کیا خبر ہے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ان کو عقل کافی نہیں اس لئے کہ جس زینہ سے وہ مسلمانوں کو معراج ترقی پر لے جانا چاہتا ہے وہی سبب ان کے تنزل کا ہوگا اور وہی سبب تباہی اور بربادی کا بنے گا۔ پیر جی صاحب نے عرض کیا کہ جس چیز کی کمی حضرت نے سرسید میں فرمائی ہے اسی کو پورا کرنے کے لئے تو آپ حضرات کے شرکت کی ضرورت ہے تاکہ یہ کمی پوری ہوکر کام انجام کو پہنچ جائے یہ ایسا جواب تھا کہ غیر عارف اس کا جواب دے نہیں سکتا تھا مگر حضرت مولانا نے فی البدیہہ فرمایا کہ جی ہاں یہ تو صحیح ہے لیکن جس قسم کا بانی کسی چیز کی بنیاد

ڈالتا ہے اس کے جذبات اور نیت کے آثار اس چیز میں پیوست ہو جاتے ہیں اور اس سے منفک نہیں ہوتے اور اس شخص کے تعلق رہتے ہوئے اس بناء کی اصلاح صرف مشکل ہی نہیں بلکہ عادۃً محال ہے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک تلخ درخت بویا جاوے اور ایک بزرگ کو شربت کا مٹکا دیکر اس کی جڑ میں بٹھلا کر عرض کیا جائے کہ اس کو بیٹھے ہوئے اس شربت سے سینچا کرو مگر جس وقت وہ درخت برگ و بار پھول پھل لائے گا سب تلخ ہونگے اسی طرح یہاں بھی کسی عالم اور بزرگ کو شریک کر کے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے تب بھی یہ کمی پوری نہیں ہو سکتی یہ ممکن ہے کہ خود شرکت کرنے والے میں اس کے الٹے آثار پیدا ہو جائیں۔ چنانچہ تحریک خلافت کے زمانہ میں جب یہ لوگ علی گڑھ کالج کو ختم کرنے اور بند کرنے کے ارادہ سے علی گڑھ پہنچے اور جلسہ قرار دیا تو یہی کہا کہ یہ سب نقصانات اس کالج کی اور اس کی تعلیمات کی بدولت مسلمانوں کو پہنچے اس نے ہندوستان میں انگریزیت عیسائیت دہریت پھیلائی۔ یہ کہنے والے بڑے بڑے لیڈر مسلمان تھے جو اسی کالج کے تعلیم یافتہ تھے میں نے سن کر کہا کہ یہ لوگ تو آج پچاس برس کے تجربہ کے بعد اس بات کو سمجھے اور ہمارے ایک مبصر یہی بات اس کی بنیاد پڑنے کے وقت کہہ گئے تھے کہ اس کے یہ نتائج ہوں گے۔

مبصر اور غیر مبصر میں یہی تو فرق ہوتا ہے اس لئے ناقص کا کامل کو اپنے پر قیاس کرنا سخت جہل ہے ایک شخص کی فراست اور عقل میں نور ہے دوسرے میں نہیں اور وہ نور طاعت کا ہے اس حالت میں کسی کو اپنے پر قیاس نہ کرنا چاہئے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر

یہی معیار میرے ذہن میں تھا جس پر میں نے ان تحریکات کی حقیقت کو سمجھا مجھ کو کتابیں دیکھنے کی کلفت نہیں ہوتی۔ بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں سے ضروری ضروری باتیں کانوں میں پڑ چکی ہیں ان کی بدولت میں زائد از ضرورت کتابوں سے مستغنی ہوں۔ وہاں تو سرسید کے متعلق یہ فرمایا گیا تھا کہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ شخص ہے کہ جس کی نیت تو اچھی ہے مگر عقل نہیں۔ ایک وہ شخص ہے کہ جس میں عقل ہے لیکن نیت اچھی نہیں۔ اور ایک وہ شخص

ہے جس کی نہ نیت اچھی نہ اس میں عقل تو میں نے اس سے استدلال کر لیا لیکن دور جانا نہیں پڑا کہ اس تحریک کا بانی ایک طاغوت ہے جس کی نہ نیت اچھی نہ اس میں عقل ۔ اور مزید بر آں نہ دین ۔ یہ تینوں صفتوں سے موصوف ہے پھر خیر کہاں جس شخص میں صرف ایک چیز کی کمی تھی یعنی عقل اس کے ثمرات کا تم کو خود اقرار ہے گو پچاس برس کے بعد ہی سہی اور جس شخص کے اندر تینوں چیزوں کی کمی ہو اس کی نحوست کا کس طرح انکار کرو گے چنانچہ تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو چکا کہ جس نے بھی اس تحریک میں شرکت کی سب ہی پر برا اثر ہوا الا ماشاء اللہ۔

(۱۳۷) انگریزی تعلیم کا خلاصہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ان انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں بناؤ سنگار خوب ہے ۔ اس میں بڑا وقت صرف کرتے ہیں انہوں نے تو عورتوں کو بھی گھٹا دیا ۔ ان کا بناؤ سنگار تو خاوند کے واسطے ہے اور بازاری عورتوں کا دوسروں کو پھنسانے کے واسطے مگر ان سے کوئی پوچھے کہ ان کا سنگار کس کے واسطے ہے ۔ پھر ان قیود پر کہتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں ۔ کیا آزادوں کی یہی صورت ہوتی ہے ہاں اللہ اور رسول سے ضرور آزاد ہیں ۔ گھر سے اس وقت نکلیں گے جب پہلے کنگھی چوٹی کر لیں گے مانگ پٹی جمالیں گے ۔ خوب آراستہ پیراستہ ہو لیں گے یہ تن آرائی و تن پروری تمام انگریزی تعلیم کا خلاصہ ہے انگریزی پڑھ کر یہی تو ایک دولت نصیب ہوئی محض اس کے لئے دین کو خیر باد کہا امراض کی مختلف قسمیں ہیں کسی کو حب مال کا مرض ہے کسی کو حب جاہ ہے ۔ ان کو دوسرے امراض کے ساتھ تن آرائی کا بھی اسی کو کسی حکیم نے خوب کہا ہے ۔

عاقبت سازد ترا از دین بری این تن آرائی وایں تن پروری

(۱۳۸) بظاہر دیندار فساق سے بدتر ہے

ایک صاحب نے ایک صاحب کی حالت بیان کی کہ بڑا چوغہ بڑا عمامہ بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہے مگر معاملات بیحد گندے ہیں حقوق العباد تک کی فکر نہیں ۔ فرمایا کہ ایسے دیندار سے فاسق فاجر اچھا جو کھلم کھلا فسق و فجور کرتا ہے اس سے دوسروں کو تو دھوکا نہیں ہوتا اور ایسے شخص سے دھوکا ہوتا ہے جامی نے خوب فرمایا ہے ۔

گنہ آمرز راندان قدح خوار　　　بطاعت گیر پیران ریا کار

(۱۳۹) ایمان کی خاصیت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ ایمان ہی کی خاصیت ہے کہ مؤمن میں رحم کرم عفو رواداری شجاعت حوصلہ ہوتا ہے چونکہ دوسری غیر مسلم اقوام میں ایمان نہیں اس لئے ان میں یہ چیزیں بھی نہیں اکثر تجربات واقعات مشاہدات اس کے شاہد ہیں خصوصاً ہندوؤں کو دیکھ لیجئے کہ کس قدر بے درد اور کم حوصلہ قوم ہے جہاں کہیں موقع ملا مسلمانوں کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ کیا ہزاروں مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا ذرا رحم نہیں آیا اور باوجود اس کے دوسروں پر الزام بے رحمی کا لگاتے ہیں ان آریوں ہی کو دیکھ لیجئے اسلام پر تو معترض ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور خود رات دن شمشیر چلا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی جہاں کمزوری اور قلت دیکھتے ہیں وہاں ہزاروں کی جمعیت جمع ہو کر ان کو قتل و غارت کر دیتے ہیں اس کو کوئی وحشیانہ حرکت نہیں کہتا ہاں مسلمان اگر کہیں انتقام میں بھی کچھ کرتے ہیں تو تمام ملک میں شور برپا ہو جاتا ہے اور چونکہ اکثر حکام بھی یہی ہیں اس لئے حکومت بھی ان ہی پر توپیں اور مشین گنیں بندوقیں لے کر چڑھ جاتی ہے اور مسلمانوں کو پیسنا شروع کر دیتی ہے غرض اسلام اور مسلمانوں کے سب دشمن ہیں ان کا تو اللہ ہی محافظ اور ناصر ہے مگر میں اس پر بھی کہتا ہوں کہ اگر مسلمان ایک کو راضی کر لیں تو کسی کی دشمنی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی وہ ایک خداوند جل جلالہ کی ذات مقدس ہے مسلمان خود اپنے ہاتھوں تباہ اور برباد ہو رہے ہیں حسب ارشاد **ما اصابکم من مصیبتہ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر** یہ سب اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے ورنہ کوئی ان کی طرف آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھ سکتا۔

(۱۴۰) ترکی سلطنت کی نصرت کا سبب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تحریک زمانہ خلافت میں کیرانہ جانا ہوا۔ ایک مولوی صاحب تحریک خلافت میں بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے مجھ سے ملنے آئے۔ منطقی اور معقولی آدمی تھے انہوں نے مجھ سے ان مسائل کے متعلق ایک سوال کیا میں نے جواب کے سلسلہ میں کہا کہ

منطقی قاعدہ ہے کہ مرکب ادنیٰ اور اعلیٰ سے ادنیٰ ہوتا ہے خسیس اور نفیس کا مجموعہ خسیس ہوتا ہے کہا
کہ بالکل صحیح ہے میں نے کہا کہ اب میں پوچھتا ہوں کہ جو جماعت مرکب ہو مسلم اور کافر سے وہ
مسلم جماعت ہوگی یا کافر۔ کہا کہ کافر میں نے کہا کہ ترکی سلطنت میں جمہوریت قائم ہو چکی ہے
شخصیت نہیں رہی اور وہ مرکب ہے مسلم اور غیر مسلم سے تو وہ اسلامی سلطنت ہوئی یا کیا۔ کہا کہ غیر
مسلم سلطنت ہوئی میں نے کہا کہ شرعی اصول کے قاعدہ سے جب وہ اسلامی سلطنت بھی نہ رہی
اور خلافت تو بڑی چیز ہے تو پھر اس کی نصرت کیسی اس پر بڑے گھبرائے۔ کہنے لگے کہ واقعی اس کی تو
نصرت بھی جائز نہیں میں نے کہا کہ تم نے تو اتنی جلدی فتویٰ دے دیا کہ نصرت بھی جائز نہیں
حالانکہ تم حامی ہو اور ہم کو مخالف کہا جاتا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ نصرت واجب ہے باوجود اس کے وہ
اصول شرعیہ سے اسلامی سلطنت بھی نہیں۔ کہا کہ وہ کیسے۔ میں نے کہا کہ پہلے اس کا جواب اپنے
ہم خیال علماء اور لیڈروں سے جا کر لاؤ کہ باوجود اسلامی سلطنت نہ ہونے کے پھر نصرت کے
وجوب پر فتویٰ ہونے کی کیا صورت ہے اور میں آپ کو مہلت دیتا ہوں۔ کہا کہ اس کا کسی سے
جواب نہ بن سکے گا۔ آپ ہی بتلا دیں۔ میں نے کہا کہ یہ میرا تبرع ہے جو میں اس وقت بتلا رہا
ہوں اس لئے کہ یہ قاعدہ سے تمہارے ذمہ ہے۔ سنئے وہ نصرت اس طرح واجب ہے کہ غیر مسلم
سلطنتیں اس کو مسلم سلطنت سمجھ کر مقابلہ کرتی ہیں۔ اب اگر اس کو شکست ہوئی تو اسلام اور
مسلمانوں ہی کی شکست ہوگی اس جواب پر اس قدر مسرور ہوئے کہ کوئی حد باقی نہ رہی اس وقت
خوشی میں دو روپیہ نکال کر بطور ہدیہ مجھ کو دیے میں نے لے لئے کہ یہ تو میرے مسلک سے واقف
ہیں ان کو کوئی دھوکہ نہیں ہوا اور یہ خدا کی نعمت ہے عطاء ہے کہ مسئلہ حل ہو گیا۔ تمام کیرانہ میں اس کی
شہرت دیتے پھر گئے کہ آج ایک عجیب تحقیق معلوم ہوئی اور الحمدللہ مجھ کو اس میں کتابیں دیکھنے کی
بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ حق تعالیٰ نے قلب میں ڈال دیا جس کا ظاہری ماخذ صرف اپنے ایک
بزرگ کا واقعہ تھا۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانہ میں
اجمیر تشریف رکھتے تھے۔ عشرہ محرم کا زمانہ آیا شہر کے شیعہ اور ہندوؤں میں ایک تعزیہ کی وجہ سے کچھ
جھگڑا ہو گیا تھا۔ سنی الگ تھے شیعہ بظاہر کمزور تھے سنیوں کو تردد تھا کہ ہم کیا کریں اپنے یہاں کے
علماء سے استفتاء کیا کہ یہ صورت ہے شیعوں اور ہندوؤں کا اس میں مقابلہ ہے ہم کو کیا کرنا چاہیے۔

علماء اجمیر نے بالاتفاق جواب دیا کہ بدعت اور کفر کی لڑائی ہے تم کو الگ رہنا چاہئے۔ پھر اہل شہر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ اور علماء اجمیر کا جواب حضرت کے سامنے عرض کیا حضرت مولانا نے سن کر فرمایا کہ بدعت اور کفر کی لڑائی اس وقت ہوتی جب تعزیہ کو بدعت سمجھ کر اس کی مخالفت کی جاتی۔ اور اب جو مقابلہ کر رہے ہیں وہ تو تعزیہ کو شعار اسلام سمجھ کر کر رہے ہیں اور شیعوں کو مسلمان سمجھ کر اسلئے یہ بدعت اور کفر کی لڑائی نہیں بلکہ اسلام اور کفر کی لڑائی ہے اسلئے شیعوں کی امداد کرنا چاہئے۔ چنانچہ اہل اجمیر نے امداد دی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ تو میں نے اس واقعہ سے اس مسئلہ میں استدلال کیا۔ بس جس طرح مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ہنود شعار اسلام اور اسلام کا کام سمجھ کر مقابلہ کر رہے ہیں، اس لئے نصرت ضروری ہے یہی بات یہاں تھی کہ دوسری غیر مسلم سلطنتیں ترکی کا مقابلہ اس کو اسلامی سلطنت سمجھ کر رہی ہیں گو وہ اصول شرعیہ سے اسلامی سلطنت نہیں رہی لیکن بناء مذکور پر اس کی نصرت واجب ہے۔ اب آگے دوسرے مسائل ہیں کہ کس قسم کی نصرت ہم کر سکتے ہیں یہ قوت پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ ہم صرف مالی امداد کر سکتے ہیں اس سے آگے ان لوگوں کو ان حقائق کی خبر تک نہیں صرف اعتراض کرنا سیکھا ہے مگر کام کی ایک بات بھی نہیں۔

(۱۴۱) شریعت مقدسہ کے جامع اصول

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شریعت کے کلیات و جزئیات اس قدر جامع ہیں کہ آج کل ٹیلیفون ٹیلیگراف، گراموفون۔ یہ جس قدر نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں ان سب کے احکام شریعت مقدسہ میں موجود ہیں۔ سائل جب ان کے احکام معلوم کرنا چاہتے ہیں نہایت سہولت سے جواب دے دیے جاتے ہیں۔ شریعت مقدسہ کے ایسے پاکیزہ اور جامع اصول ہیں کہ کسی نہ کسی کلی میں داخل ہو کر احکام جزئی نکل آتے ہیں۔ فقہاء نے اس قدر محنت کی ہے حق تعالیٰ ان حضرات کو جزاء خیر عطاء فرماویں۔

(۱۴۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایثار

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی وقت میں دین کی خدمت کے لئے بڑی قربانیاں کرنی پڑی ہیں بڑی تکلیفیں اٹھائی گئی ہیں تب دین کی خدمت ہوئی ہے۔ دیکھئے حضرت مجدد صاحبؒ گوالیر کے قلعہ

میں نظر بند رہے۔ایسی ایسی محنتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے بزرگوں نے دین کی خدمت کی ہے اور اب تو اسباب ایسے ہیں کہ مشقت بھی نہیں اور پھر دین کی خدمات سے جان چراتے اور بچتے ہیں۔

(۱۴۳) ہمت سے کام لینے کی ضرورت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں کسی باطنی پریشانی کے متعلق فرمایا کہ اجی جس طرح بھی گاڑی چلے چلنے دیجئے۔ ہمت نہ ہاریے۔ ہمت ہارنے کا انجام خراب ہے آدمی کام سے بیٹھ جاتا ہے ہمارا کام سعی اور کوشش ہے یعنی چلنا اور گرنا ہے۔جیسا ناتواں بچہ کہ گر گر پڑتا ہے مگر چلنا بند نہیں کرتا ان کا کام گرتے کو سنبھالنا ہے جیسا گرتے بچہ کو اس کا باپ گود میں لے لیتا ہے۔اسی طرح انجام ان شاء اللہ تعالیٰ درست ہو جائے گا۔سعی کئے جایئے۔اور یہ ساری عمر کے واسطے ہے کہ اسی ادھیڑ بن میں لگا رہے۔آگا پیچھا کچھ نہ دیکھے۔ماضی و مستقبلت پردہ خدا است۔طریق کی تعلیم ہے۔جب برابر چلتا رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ منزل طے ہو کر رہے گی لیکن شرط اعظم لگا رہنا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش — تادم آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود — کہ عنایت باتو صاحب سر بود

۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(۱۴۴) شیطان کی خاصیت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اغواء شیطانی کے وقت جب تک خود انسان شیطان کا ساتھ نہ دے شیطان کچھ نہیں کر سکتا۔اور جیسے انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے ایسے ہی ایک فرشتہ بھی ہے۔انسان جس کے ساتھ ہو جاتا ہے وہی غالب آجاتا ہے اب یہ خواہ شیطان کا ساتھ دے اور خواہ فرشتہ کا۔بدون اس کی شرکت کے تنہا دونوں کچھ نہیں کر سکتے۔پھر اس پر بطور مثال کے فرمایا کہ میرٹھ میں ایک بزاز کے یہاں کپڑے کی دکان تھی وہ ادھار نہ دیتا تھا حتیٰ کہ اگر خریدار کو کپڑا اپھاڑ بھی دیا مگر خریدار نے کہا کہ دام کل کو آجائیں گے تو فوراً کپڑا اٹھا کر رکھ لیتا اور کہتا کہ اس وقت تو ہم تم برابر ہیں جوڑ پورا ہے۔تم

اور تمہارے دام۔ میں اور میرا سودا اور جب یہ سودا تمہارے پاس پہنچ جائے گا تو تم تین ہو جاؤ گے۔ میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ پھر میں تمہارا کیا کر سکتا ہوں معلوم ہوتا ہے بڑا ذہین تھا کیا بات کہی ایسے ہی انسان جس طرف ہو جاتا ہے ادھر کا عدد بڑھ جاتا ہے اور مقابل مغلوب ہو جاتا ہے۔ تو انسان میں ایسی قوت ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو شیطان سے اتنا ڈرنا نہ چاہئے اور اس کے مقابلہ میں ہمت سے کام لینا چاہئے پھر ضرور یہی غالب رہے گا اس کو اپنی قوت کی خبر نہیں اس لئے شیطان سے ڈرتا ہے ادھر شیطان کی یہ خاصیت ہے کہ جو اس سے ڈرتا ہے اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس کو ڈراتا ہے جیسے کٹکھنا کتا جو اس سے ڈر کر بھاگتا ہے اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور واقع میں شیطان اس درجہ کی ڈرنے کی چیز ہے بھی نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ ایک بزرگ نے اعوذ باللہ پڑھ کر فرمایا تھا کہ شیطان تو بہت خوش ہوا ہوگا کہ یہ مجھ سے ڈرتا ہے میں تو حکم کا امتثال کرتا ہوں ورنہ تو بے چارا ہے کیا چیز کہ میں تجھ سے ڈرتا بلکہ توسع کر کے کہتا ہوں کہ یہ تو خود ہی مومن کامل سے اسقدر ڈرتا ہے کیونکہ مومن کی تھوڑی سی توجہ اور فکر سے اس کے تمام جال اور کید و مکر دھرے رہ جاتے ہیں۔ اس ہی لئے ایک فقیہ اس پر ایک ہزار عابد سے زیادہ گراں ہے وہ اس کے مکر وفریب سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچنے کی تدابیر بتلاتا ہے غرض شیطان میں کوئی قوت نہیں۔ ہاں چالاک اور مکار فریبی ضرور ہے۔ ترکیبیں بہت یاد ہیں مگر وہ ترکیبیں مومن کی فراست اور عقل کے سامنے سب گرد ہیں اس کی زندہ نظیر میں پیش کرتا ہوں کہ جیسے اس زمانہ میں ایک طاغوت ہے کہ عقل تو اس کو چھو بھی نہیں گئی مگر چالاک اور مکار ہے۔ سارے ملک میں فتنہ فساد کا تخم بو دیا اور مسلمانوں کی بھولی قوم اس کے مکر وفریب میں آ گئی اور اس کو اسلام و مسلمانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد سمجھ بیٹھے حالانکہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔ متواتر واقعات سے اللہ تعالیٰ نے اس کی دشمنی کو طشت از بام کر دیا۔ اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی نہایت بدنیت مکار اور چالاک شخص ہے غنیمت ہے اب بھی جلدی ہی صبح ہو گئی کہ لوگ اس کے مکر وفریب سے آگاہ ہو گئے مگر جو کچھ بھی اس کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ گیا وہ بھی تھوڑا نہیں۔ ہزاروں مسلمانوں کے ایمان اس کی بدولت

تباہ و برباد ہوئے۔ اب خدا معلوم کس فکر میں ہے۔ شاید اب کوئی اور روپ بدل کر ملک کے سامنے آئے یہ جب کبھی پلیٹ فارم پر آتا ہے ایک نیا ڈھونگ بنا کر لاتا ہے اور یہ اتنی قوت بھی مسلمانوں کی بدولت نصیب ہوئی اس لئے کہ جوشیلی قوم ہے جو اس کی زبان سے نکلا مسلمانوں ہی نے اس کو ملک میں بجلی کی طرح دوڑا دیا۔ غرض یہ سب کچھ مسلمان لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں ہی کی بدولت ہوا اور نہ عوام مسلمان کبھی اس کے دھوکہ میں نہ آتے۔ ایک سب انسپکٹر صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ گاندھی کا اثر ہندو مسلمانوں سب پر ہے اس کی کیا وجہ میں نے کہا کہ جس چیز کی طرف وہ دعوت دے رہا ہے یعنی دنیا اس کی طلب پہلے ہی سے ہر شخص میں موجود ہے چونکہ وہ ان کی مطلوبہ اور محبوبہ دنیا کی طرف بلا رہا ہے اس لئے اس طرف دوڑ رہے ہیں یہ اس کے کسی کمال کی وجہ سے تھوڑا ہی ہے چنانچہ شیطان کے اس سے بھی زیادہ مطیع اور فرمانبردار ہیں کیا اس پر بھی کبھی آپ کو شبہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر تو لوگوں نے توجہ نہ کی اور ان سے اعراض کیا اور شیطان کے مکر و فریب میں آ کر خداوند جل جلالہ کی نافرمانیاں کیں سو کبھی آپ کو یہ بھی شبہ ہوا لیکن باوجود اس سب مکر و فریب کے اگر مسلمان مسلمان ہو جاویں تو ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس سے پہلے بہت سے مکار اور چالاک دشمن اللہ اور رسول کے پیدا ہو چکے ہیں مگر وہ اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر مسلمانوں کی یہ ذلت کی حالت کیوں ہے سو یہ اپنے کرتوتوں کی بدولت ہے دوسروں کے کرنے سے نہیں۔ اسلام کی توفی نفسہ یہ خاصیت ہے کہ باوجودیکہ مسلمان اس وقت بظاہر کمزور ہیں مفلس ہیں ان کے ہاتھ میں نہ حکومت ہے نہ ایک مرکز پر جمع ہیں مگر پھر بھی دیکھ لیجئے کہ جن کے یہاں لاکھوں توپیں مشین گنیں بندوقیں جرار کرار فوجیں موجود ہیں وہ صرف مسلمانوں ہی سے خائف اور ترساں ہیں یہ سب ایمان کی برکت ہے اور اگر یہ پوری طرح پر اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیں اور اس کو راضی کر لیں تو اب بھی یہی تمام عالم کے مالک اور سردار بن جائیں لیکن مسلمانوں سے یہی بات نہیں ہوتی میں تو کہا کرتا ہوں کہ جہاں اور بہت سی تدابیر حکومت اور قوت حاصل کرنے کی کرتے ہو بطور امتحان کے کچھ روز اللہ کے سامنے بھی سر رکھ کر اور

ناک رگڑ کر دیکھ لو۔ دیکھو کیسی کایا پلٹ ہوتی ہے۔اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دلخراش　　آزموں رایک زمانے خاک باش

آزموں را فرمایا از خلوص نہیں فرمایا سو اسی کو کر کے تو دیکھ لو۔اس تدبیر پر عمل کرنے سے سر کیوں کٹتا ہے باقی یہ تدابیر غیر منصوصہ جو تم نے اختیار کر رکھی ہیں ان میں خیر و برکت کہاں۔ایسی تدبیروں کی تو وہ مثال ہے۔

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند　　ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

تمہاری تدابیر دعوے و نیت ناز کی ہیں اور ضرورت تدابیر عبدیت و نیاز کی ہے دونوں کے تفاوت کو مولانا رومی نے ایک بادشاہ کے واقعہ میں مثنوی میں بیان فرمایا ہے کہ اس کی کنیزک جس پر وہ عاشق تھا بیمار ہوگئی اس نے اپنے قلمرو کے اندر جس قدر طبیب اور ڈاکٹر تھے سب کو جمع کر کے کہا کہ اگر یہ میری کنیزک اچھی ہو جائے تو اپنے خزائن تم پر کھول دوں گا اس پر طبیبوں نے جو کہا اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں۔

جملہ گفتندش کہ جانبازی کنیم　　فہم گرد آریم و انبازی کنیم

ہر یکے از ما مسیحے عالمے است　　ہرالم را در کف ما مرہمے است

چونکہ ان اطباء کو اپنے علم اور تدابیر پر ناز تھا اس لئے یہ دعویٰ کیا جو خدا کو پسند نہیں ہوا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گر خدا خواہد نہ گفتند از بطر　　پس خدا بنمود شان عجز بشر

جیسے ایک شخص بازار گھوڑا خریدنے چلا جا رہا تھا راستے میں ایک بے چارے ملا صفت مل گئے انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو کہا کہ بازار گھوڑا خریدنے جا رہا ہوں انہوں نے کہا کہ میاں ان شاء اللہ تو کہہ لیا ہوتا تو کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کے چاہنے کی کونسی بات ہے بازار موجود اس میں گھوڑا موجود جیب میں روپیہ موجود جاؤں گا گھوڑا خرید لاؤں گا۔انہوں نے کہا کہ بھائی کوئی مناظرہ تھوڑا ہی کرنا ہے اختیار ہے۔یہ شخص بازار پہنچا۔ایک گھوڑا پسند کیا سودا طے ہوا روپیہ دینے کے لئے جو جیب پر ہاتھ ڈالا وہاں پہلے ہی کسی گرہ کٹ نے جیب اڑالی تھی۔اب بڑے پریشان خالی ہاتھ ہلاتے ہوئے آرہے ہیں۔وہی شخص پھر

راستے میں مل گئے پوچھا کیوں گھوڑا خرید لائے تو کہتے ہیں کہ آپ سے رخصت ہو کر بازار پہنچا ان شاء اللہ۔ گھوڑا پسند کیا ان شاء اللہ۔ سودا طے ہو گیا ان شاء اللہ۔ روپیہ دینے کے لئے جیب کو دیکھا ان شاء اللہ معلوم ہوا کہ کسی گرہ کٹ نے جیب کاٹ لی ان شاء اللہ۔ اب گھر جا رہا ہوں ان شاء اللہ۔ اب موقع بے موقع سب جگہ ان شاء اللہ ہو رہا ہے۔ غرض ان طبیبوں نے یہ نہ کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم کامیاب ہوں گے۔ کنیزک کا علاج شروع ہوا لیکن روز بروز مریض کی حالت گرتی ہی گئی اس کو مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ کردند از علاج وازدوا رنج افزوں گشت وحاجت ناروا

بہت ہی جانبازی سے سب طبیب علاج میں مصروف تھے اپنی تمام تدبیرات اور تجربات اور ادویات ختم کر دیں لیکن مریض کی حالت روبصحت نہ ہوئی۔ بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو اس وقت یہ کیا جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

شہ چو عجز آن طبیاں رابدید پابرہنہ . جانب مسجد دوید

رفت درمسجد سوئے محراب شد سجدہ گاہ ازاشک شہ پر آب شد

آگے طویل قصہ ہے جس کا انجام رجوع الی اللہ کی برکت سے کامیاب ہوا۔ تو صاحبو ایسے ہی ان طبیبوں کی طرح تمہارے رہبروں اور لیڈروں کے دعوے ہیں اور ان کو اپنی تدابیر پر ناز ہے مگر کامیابی اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ اللہ اور رسول کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل نہ ہوگا اور وہ تدابیر منصوصہ ہیں جن کی یہ خاصیت ہے کہ ان کا عامل کسی طرح بھی ناکام نہیں رہ سکتا حتیٰ کہ عدم کامیابی میں بھی ہزاروں کامیابیاں ہیں اگر یہاں پر کسی حکمت سے اس کا صلہ حاصل نہ ہوگا تو آخرت میں ضرور ہوگا جو مسلمان کا مقصود اعظم ہے۔ باقی یہ شبہ کہ ان تدابیر سے کافر کیوں کامیاب ہو رہے ہیں یہ قیاس ہی غلط ہے ممکن ہے کہ جو تدابیر ایک کافر کو نافع ہوں وہ مسلمان کے لئے سبب ہلاکت کا بن جائیں۔ ہڈی کتے کی غذا ہے اس سے وہ فربہ ہوتا ہے لیکن اگر کسی انسان کے اندر اس کی ایک کرچ بھی حلق سے نیچے اتر جائے گی تو وہ سبب ہلاکت کا بن جائے گی سو حقیقت تو یہ ہے مگر تمہارے یہ رہبر اور مقتدا لیڈر ہی خود اس حقیقت سے ناواقف اور بے خبر ہیں ان کو خود ہی خبر نہیں مفید اور مضر کی اور

پھر اس پر کچھ تو خود ہی کریلا کڑوا تھا اوپر سے اور نیم پر چڑھ گیا یعنی ایک تو خود ہی جاہل احمق تھے اوپر سے ایک مشرک اور کافر کے جذبات کا شکار ہو گئے اور وہ وہی طاغوت ہے یہ پہلے ہی سے اسلام اور ایمان کو ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے اوپر سے طاغوت کا سہارا مل گیا سب کچھ اس کے نذر کر دیا۔ ماتھوں پر قشقے لگائے جے کے نعرہ بلند کئے۔ ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا۔ مساجد میں ممبر پر کافروں کو بٹھلا کر مسلمانوں کا ندکرد بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی کی بے حرمتی کی آیات واحادث میں گذری ہوئی عمر کو ایک کافر بت پرست پر نثار کر دیا۔ لیڈروں کی اجازت سے مسلمان والنٹیر وں نے رام لیلا کا انتظام کیا یہ علی الاعلان شائع کیا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو فلاں طاغوت نبی ہوتا۔ اللہ اکبر نبوت سڑک پر رکھی ہے آ ؤ لے لو۔ ان کفریات اور شرکیات کا ارتکاب اور پھر مسلمانوں کے مقتداء اور پیشوا۔ یہ عقلاء کہلاتے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ عاقل نہیں آ کل ہیں۔ عقل کی ایک بات بھی نہیں ہر وقت اکل کی فکر ہے خود گمراہ ہوئے اور مسلمانوں کو گمراہ کیا اور یہ عوام مسلمان بھی عجیب ہیں۔ جہاں کوئی نئی بات لیکر کھڑا ہوا لبیک کہہ کر ساتھ ہو لیتے ہیں۔ دوست دشمن کی قطعاً شناخت ہی نہیں نہ اس کی پروا کہ یہ ہمارا کام۔ اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف تو نہیں۔ مسلمانوں کو تو کسی کام کرنے سے پہلے یہ معلوم کر لینے کی سخت ضرورت ہے کہ اس کے متعلق حکم شرعی ہے کیا تب آگے قدم بڑھانا چاہئے۔ یہ ہڑبونگ تو عقلاً نقلاً کسی طرح بھی مناسب نہیں اس ہڑبونگ کا مالابار میں کیا نتیجہ ہوا۔ وہاں جا کر جو لیڈروں نے اشتعال انگیز اور جوشیلی تقریریں کیں۔ اور موپلوں کی قوم کو بھڑکایا جوشیلی اور غیور قوم تھی ویسے بھی عربی النسل ہیں کھڑے ہو گئے نتیجہ جو کچھ ہوا سب کو معلوم ہے کہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم اور بہت سے لوگ بے خانماں ہو گئے۔ جیلوں میں اب تک پڑے سڑ رہے ہیں۔ نہ کوئی اصول ہے نہ کوئی قاعدہ یوں ہی بے ڈھنگے بے جوڑ لوگوں کو ہلاک کراتے پھرتے ہیں اور جب موپلوں پر مصیبت آ کر پڑی تو وہاں ایک لیڈر بھی نہ گیا۔ سب گیدڑ بن گئے ادھر جا کر جھانکا تک نہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ گئے کیوں نہیں۔ جان بیٹا خلافت پر دینا محض زبانی ہی جمع خرچ تھا۔ جب دینے کا وقت آیا کسی نے بھی اس

طرف رخ نہ کیا۔ جب موپلوں کی تباہی کا نقشہ سامنے آتا ہے اس قدر دل دکھتا ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری عند اللہ اور عند الناس ان بدعقل اور بدفہم لیڈروں ہی پر ہے جنھوں نے ان کو تقریریں کر کے بھڑکایا اور اگر مسلمانوں کی یہی حالت رہی اور دوست دشمن کو نہ پہچانا اور یہی بدعقل لیڈر اور ان کے ہم خیال مولوی ان کی کشتی کے ناخدا رہے تو دیکھئے آئندہ کیا حشر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فہم اور عقل سلیم عطا فرمائیں۔

۱۰ ارجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم پنج شنبہ

(۱۴۵) رسالہ آداب الشیخ والمرید کا خلاصہ

ایک صاحب ایک پرچہ ہاتھ میں لئے ہوئے حاضر ہوئے اور حضرت والا سے عرض کیا کہ پرسوں قبل نماز عصر اور بعد نماز عصر جن کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے اس غلطی کے تدارک کو حضرت نے فرمایا تھا وہ آج اس مضمون کا مسودہ لکھ کر لائے ہیں اور میرے ذریعہ سے پیش کرنا چاہتے ہیں اگر اجازت ہو تو میں اس مضمون کے مسودہ کو پیش کرنے کا ذریعہ بن جاؤں۔ فرمایا کیا حرج ہے۔ وہ مسودہ پیش کر دیا گیا۔ فرمایا کہ تم تو مسودہ ساتھ لے کر آئے تھے اور مجھ سے اجازت چاہ رہے تھے یہ کیا بات۔ مجھ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ان سے پرچہ لینا چاہئے تھا یہ بھی ایک غلطی ہے۔ عرض کیا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔ فرمایا نہ ہوگا سہی مگر جو ہوا اس کا سبب تو بےفکری ہے جس کا مرض تو عام ہو رہا ہے۔ اچھا لائیے۔ پیش کر دیا گیا۔ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔ مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ دو مسلمانوں میں کشیدگی اور بےلطفی ہو اور نہ یہ پسند کہ اس قدر اور اس درجہ کا باہم اختلاط اور ایسے تعلقات پیدا کئے جائیں کہ جس کی وجہ سے اپنا اور دوسرے کا وقت فضول برباد کیا جائے۔ ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ یہ میرا احسان ہے کہ میں اس طرح پر معاف کر رہا ہوں۔ بڑی نالائق حرکت تھی کہ ایک تو ان سے تبرکات کے متعلق سوال کیا کہ لائے ہو یا نہیں۔ دوسرے مجلس کے آداب کے خلاف ہے کہ دوسروں سے مصافحہ اور ملاقات کے لئے اٹھ کر جایا جاوے اگر کوئی ضرورت شدیدہ ہو۔ مثلاً استنجا وغیرہ وہ ضرورت کی چیز ہے مجلس سے اٹھ کر جانا ایسے کاموں کے لئے کوئی حرج نہیں ورنہ

بدون اجازت خلاف ادب ہے۔ اور یہ بھی ان کو اچھی طرح سمجھا دیا جاوے کہ وہ تعلق جو میرے تعلق سے سابق ہو وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ البتہ جو تعلق میرے تعلق کی وجہ سے ہو وہ میری اجازت سے ہونا چاہئے۔ شیخ اکبر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپس میں مریدین کو ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دینا چاہئے۔ اگر شیخ ایسا نہیں کرتا تو اس نے حق مشیخت ادا نہ کیا۔ اور اس تمام رسالہ کا ایک خلاصہ ہے وہ سارے رسالہ کی روح ہے نام اس رسالہ کا آداب الشیخ والمرید ہے یہ رسالہ عربی میں ہے لیکن مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اس کا ترجمہ اردو میں کر دیا ہے۔ وہ خلاصہ یہ ہے وہ لکھتے ہیں کہ شیخ وہ ہے جس میں انبیاء کا سا دین ہو۔ اطباء کی سی تدبیر ہو۔ بادشاہوں کی سی سیاست ہو۔ اور انبیاء کا سا دین جو فرمایا کمال میں تشبیہ مقصود نہیں بلکہ وجہ تشبیہ اس دین میں دنیوی غرض نہ ملنا ہے یعنی مریدین سے دنیوی اغراض نہ رکھتا ہو ورنہ ایسا شخص تعلیم روک ٹوک معاقبہ محاسبہ مواخذہ مطالبہ دارو گیر نہیں کر سکتا اور اطباء کی سی تدابیر کے یہ معنی ہیں کہ جیسے طبیب جسمانی امراض کی تشخیص اور ہر مرض اور ہر مریض کے لئے جدا تدبیر کرتا ہے اسی طرح شیخ کو حالات کی تشخیص اور ہر حالت کے لئے جدا تدبیر کرنا چاہئے۔ اور بادشاہوں کی سی سیاست کے یہ معنی ہیں کہ وہ مریدین کی غلطیوں پر ڈانٹ ڈپٹ روک ٹوک محاسبہ معاقبہ مواخذہ دارو گیر کرتا ہو۔ یہ سب شیخ کے فرائض میں سے ہے اگر شیخ ایسا نہیں کرتا تو وہ شیخ نہیں خائن ہے مطالعہ رسالہ کے قبل ہی دل تو خود بخود گواہی دیتا تھا کہ ایسا طریقہ ہونا چاہئے اور عملدرآمد بھی پہلے سے یہی تھا گو پورا نہ سہی لیکن دیکھنا یہ تھا۔ کہ اس طرز میں کوئی ساتھی بھی ہے یا نہیں سو خدا بھلا کرے مولوی محمد شفیع صاحب کا کہ انہوں نے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کر کے چھپوا دیا جو لوگ مجھ کو بدنام کرتے تھے میرے طرز اور مسلک پر معترض تھے وہ اس رسالہ کو دیکھیں۔ یہ چوتھی صدی کے بہت قدیم شیخ ہیں جن کا یہ رسالہ ہے۔ غرض جس طریق میں مجھ کو کوئی اپنا ساتھی نظر نہ آتا تھا مگر دل چاہتا تھا کہ ایسا طریق ہو اللہ کا شکر ہے کہ امام محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ میرے ساتھی نکل آئے۔ اب وہ لوگ جو مجھ کو سخت مشہور کرتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں اس رسالہ کو دیکھ کر فرمائیں کہ کیا یہ بھی سخت تھے یا متکبر تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصلاح ہوتی ہی اس طرح ہے مگر چونکہ مدتوں سے یہ طریق مردہ ہو چکا تھا اور حقیقت طریق

کی لوگوں سے مستور ہو چکی تھی اس لئے طریق اصلاح سے گھبراتے ہیں۔ طبائع کو وحشت ہوتی ہے مگر بزرگان سلف کے طرز اصلاح کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ذرا ذرا بات پر روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ محاسبہ ہوتا تھا ان کا مقصود اصلاح کرنا تھا اور ان کے پاس آنے والوں کا مقصود اصلاح کرانا تھا۔ اب آج کل کے آنے والوں کی سنئے اس نیت اور امید پر آتے ہیں کہ پیر کے یہاں لنگر جاری ہوگا۔ روٹیاں کھانے کو اور کپڑا پہننے کو ملے گا۔ اور شیخ تسبیح ہاتھ میں لئے دنیا ومافیہا سے بے خبر بت کی طرح بیٹھا ہوگا۔ جائیں گے مرید ہو جائیں گے وہ اپنے سینے میں سے کچھ دے دے گا۔ اور دنیادار مکار جاہل پیروں نے دکانیں بھی ایسی ہی جمار کھی ہیں اس لئے عوام بیچاروں کا بھی کوئی زیادہ قصور نہیں قریب قریب ہر جگہ یہی ہو رہا ہے الا ماشاء اللہ۔

۱۰ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم پنج شنبہ

(۱۴۶) تاویل کا مرض عام ہو چکا ہے

ایک صاحب نے آ کر تعویذ مانگا محض تعویذ کا نام لے کر رہ گئے یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ چاہئے کچھ سکوت کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ کہہ چکے۔ عرض کیا کہ جی۔ فرمایا کہ میں اس قدر سمجھ دار نہیں ہوں کہ گول اور ادھوری بات کو سمجھ لوں۔ عرض کیا کہ ڈر کا تعویذ چاہئے۔ فرمایا کہ تم کہتے تھے کہ کہہ چکا۔ کیا تم نے یہ بات پہلے کہی تھی۔ عرض کیا کہ بھول گیا تھا۔ فرمایا کہ اچھا عذر ہے کہ بھول گیا تھا۔ گھر سے ایک کام کو چلے ادھوری بات کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اب سوال پر ظاہر کرتے ہیں۔ پھر غلطی کا اقرار تک نہیں۔ تاویل کا بھی ایسا مرض عام ہو گیا ہے کہ اچھے خاصے لکھے پڑھے اس بلا میں مبتلا ہیں اور جو غلطی کے اقرار نہ کرنے کا اصلی سبب ہے اس کو نہ بتلائیں گے وہ یہ ہے کہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے ہیں کہ آگے خود ان کا فرض ہے کہ یہ معلوم کریں کہ کس چیز کا تعویذ۔ کیوں میاں یہی بات ہے۔ عرض کیا کہ جی ہاں خیال تو یہی تھا۔ فرمایا یہ کس قاعدہ سے میرے ذمہ ہے۔ اور اگر یہ میرے ذمہ ہے تو آدھے تیتر اور آدھے بٹیر ہی کی کیوں ضرورت تھی تعویذ ہی کیوں کہا اس کو بھی میں ہی پوچھ لیتا تم تو نواب صاحب ہو کر آ کر بیٹھ جاتے۔ آگے بے تنخواہ کے نوکر اور خادم کے ذمہ سب کام انجام دینا اس کے فرائض منصبی میں سے تھا۔ آخر تعویذ کو تو کہا اور یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا

تعویذ۔ تو دونوں میں مابہ الفرق کیا ہے اگر میرے فرائض میں سے پوچھنا ہے تو تعویذ کو بھی میں ہی پوچھ لیتا۔ اگر میرے ذمہ نہیں تو پھر اس کو کیوں نہیں ظاہر کیا کہ فلاں چیز کا تعویذ۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی آئندہ اس کا خیال رکھا جائے گا پوری بات کہا کروں گا۔ فرمایا خیر غلطی کا اقرار کر لیا اس لئے گنجائش نکل آئی۔ اب یہ کیجئے کہ اس وقت سے پندرہ منٹ بعد پوری بات کہہ کر تعویذ مانگئے۔ یہ تمہیں اختیار ہے کہ چاہے یہاں پر بیٹھے رہو یا اتنی دیر کے لئے اور کہیں اٹھ کر چلے جاؤ۔ وہ صاحب مجلس ہی میں بیٹھے رہے اور وقت پورا کرنے کے بعد حضرت والا سے عرض کیا کہ ڈر کا تعویذ چاہئے اس وقت حضرت والا ڈاک کا کام کر رہے تھے ایک دم کام چھوڑ کر فرمایا بہت اچھا اور تعویذ لکھ کر دے کر فرمایا کہ دیکھو ہمیشہ پوری بات کہنا چاہئے ادھوری بات سے دوسرے کو اذیت پہنچتی ہے عرض کیا آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔

(۱۴۷) بدفہمی اور بدعقلی کی گرم بازاری

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بدفہمی اور بدعقلی کا اس قدر بازار گرم ہے کہ مرد ہوں یا عورتیں عوام ہوں یا خواص عالم ہوں یا جاہل قریب قریب ہر طبقے کے لوگوں میں اس کی کمی پائی جاتی ہے اور ابتلاء ہو رہا ہے۔ ایک بی بی آج گیارہ بجے والی گاڑی سے گھر پر آئی ہیں انہوں نے اس قدر پریشان کیا کہ جس کا کوئی حد وحساب نہیں۔ خدا معلوم فہم وعقل دنیا سے رخصت ہو ہی گئے۔ میں نے اس خیال سے کہ بیچاری وقت اور روپیہ صرف کر کے آئی ہیں۔ معلوم کروں کیا بات ہے کیا حاجت ہے اگر کوئی کام میرے کرنے کا ہے اس کو انجام دوں بلا پوچھے اور بدون ان کے بتلائے ہوئے کیسے کام ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنے گھر میں سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کیا کہتی ہیں آنے کی غرض کیا ہے جواب میں کہتی ہیں کہ کیا کہوں۔ میں نے گھر میں سے کہا کہ اب مت پوچھو جانے دو۔ پوچھنے میں ہماری کوئی مصلحت نہیں نہ ہمارا کوئی کام۔ انہیں کی مصلحت ہے نہیں بتلاتیں جانے دو۔ لیکن بدون بتلائے ہوئے کام نہیں ہو سکتا۔ یہ بتلانے سے معذور ہیں۔ ہم بے بتلائے کام کرنے سے معذور ہیں اس کے بعد سب کچھ بتلا دیا۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے بات کا جواب بھی دوں گا اور کام وغیرہ بھی سب کچھ ہو گا۔ لیکن تم نے پریشان کر کے کیوں بتلایا اگر پہلے ہی بتلا دیا ہوتا تو تمہارا کونسا حرج تھا کچھ نہیں وہی رسم کا غلبہ۔

بیان انہوں نے یہ کیا کہ میں حاجی وارث علی صاحب سے مرید ہوں۔ پہلے تو میری یہ حالت تھی کہ نماز میں جی لگتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں ایک وسیع میدان میں ہوں اور دل پر فرحت اور ذوق شوق ہے۔ اب میری وہ حالت نہیں رہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان کو حقیقت کس طرح سمجھاؤں۔ خیر میں نے اختیاری غیر اختیاری کے مسئلہ پر تقریر کی۔ مگر اس تقریر کرنے میں بڑی تنگی ہوئی اس لئے کہ ان کے مذاق اور فہم کی رعایت کر کے تقریر کرنا پڑی۔ پھر بعد تقریر کے میں نے گھر میں سے کہا کہ پوچھو ان سے کہ یہ سمجھ بھی گئیں یا نہیں۔ کہا کہ سمجھ گئی۔ اور قرائن سے امید بھی یہی معلوم ہوئی کہ سمجھ گئی ہونگی۔ تقریر نہایت سہل تھی اور یہی سبب تھا تنگی کا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ اب صاف بات کہتا ہوں کہ کبھی تم دھوکہ میں رہو۔ وہ یہ ہے کہ تم حاجی وارث علی سے مرید ہو ہم ان کو اچھا نہیں سمجھتے وہ پابند شریعت نہ تھے۔ اگر تم ان سے تعلق اور عقیدت رکھتی ہو تو ہم سے نہ رکھو اور اگر ہم سے تعلق اور عقیدت رکھتی ہو تو ان سے مت رکھو یہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ دھوکہ نہ ہو۔ حاجی وارث علی کی یہ حالت تھی کہ نماز وہ نہیں پڑھتے تھے۔ جوان عورتوں سے ہاتھ پیر دبواتے تھے اور ان پر کچھ عجیب قسم کی حالت رہتی تھی۔ ربودگی کا سا غلبہ رہتا تھا۔ لیکن ایسے بھی نہ تھے کہ ہوش نہ ہو۔ ایسی حالت تھی جیسے استغراق والوں کی مگر اس کو صوفیہ کا سا استغراق بھی نہیں کہہ سکتے ہاں کاہنوں کی سی حالت کہہ سکتے ہیں۔ ان کی حالت بالکل کاہنوں کی حالت تھی۔ ایک نہایت معتبر اور ثقہ شخص نے مجھ سے بیان کیا تھا ان راوی کا نام باقر علی تھا۔ نواب قطب الدین خان صاحب کے مرید تھے۔ ان کا بیان ہے کہ پہلے یہ بڑے پکے نمازی تھے مگر حج سے آ کر نماز چھوڑ دی وہ کہتے تھے کہ میں نے خود حاجی وارث علی سے پوچھا تھا کہ نماز کیوں چھوڑ دی۔ جواب میں یہ کہا کہ میں نے ایک سفلی عمل پڑھا ہے اگر نماز پڑھوں گا تو وہ جاتا رہے گا۔ سو کچھ تعجب نہیں یہی بات ہو۔ حالت بظاہر ایسی ہی تھی۔ مگر ایک عجیب واقعہ ہے حاجی وارث علی نے اپنے ایک مرید کو یہاں پر بھیجا تھا کہ وہاں فلاں شخص سے مثنوی پڑھ کر آؤ (میں مراد ہوں) اس وقت میرے یہاں مثنوی ہوتی تھی۔ اس شخص نے آ کر مجھ سے کہا کہ میں مثنوی پڑھنے آیا ہوں اور ان کا بھیجا ہوا ہوں میں نے کہا کہ سبق میں بیٹھ جایا کرو لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم حاجی وارث علی کو اچھا نہیں سمجھتے اور گو ہمارا یہ مشغلہ تو ہے نہیں لیکن ذکر آ

جانے پر ہم ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں اور تمہاری وجہ سے ہم اس سے رکیں گے نہیں اس کو تم اگر برداشت کرسکو اجازت ہے۔ تھے بیچارے سلیم الطبع آدمی کہنے لگے کہ صاحب آپ جانیں وہ جانیں۔ ہم کو بڑوں کی باتوں میں کیا دخل۔ ہم تو جیسا ان کو سمجھتے ہیں ویسا ہی آپ کو سمجھتے ہیں۔ آپ ان کو کہیئے وہ آپ کو کہیں ہم کو کچھ غرض نہیں۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ ٹھہرے رہے۔ کچھ مثنوی بھی پڑھی۔ نماز کے بڑے پابند تھے۔ ویسے بھی سمجھدار آدمی تھے۔ خدا معلوم وہاں کس طرح پھنس گئے تھے۔ مدت کے بعد ایک روز بدون اطلاع کئے ہوئے غائب ہو گئے۔ میں نے کہا کہ یہ وہاں کا اثر ہے وحشت۔ اس پر فرمایا کہ جس کی حالت خلاف شرع ہو چاہے کسی باطنی عذر سے خدا تعالیٰ مواخذہ نہ کریں۔ مگر گمراہی تو پھیلتی ہے اس لئے میں نے ان بی بی سے کہلوادیا کہ دھوکہ نہ ہو اب وہ اپنے دین کی ذمہ دار ہیں لیکن کہلوانے کے بعد انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جواب لینے کے لئے کہلوایا بھی نہ تھا اب وہ جانیں۔

(۱۴۸) جواب کی قدر بڑی چیز ہے

ایک مولوی صاحب کے خط کا جواب تحریر فرما کر فرمایا کہ اہل علم کے سوال پر جواب دینے کو جی چاہتا ہے۔ دل کھلتا ہے محض اس خیال سے کہ جواب کی قدر کریں گے۔ سمجھیں گے۔ بخلاف نو تعلیم یافتہ جنٹل مینوں کے یہ لوگ جو سوال کرتے ہیں واللہ جواب دینے کو جی نہیں چاہتا محض اس خیال سے کہ سمجھے گا کون۔ قدر تو بڑی چیز ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جیسے ایک مرتبہ میری ہی مجلس میں ایک طبیب سے ایک غیر طبیب فن کے متعلق کچھ سوالات کر رہے تھے طبیب بیچارے بہت ہی تنگ تھے آخر جب کسی طرح سوالوں کا سلسلہ منقطع نہ ہوا تو طبیب نے غصہ ہو کر کہا کہ اس طرح کے سوالات کرنا آپ کی شان سے بعید ہے آپ فن کی اہانت کر رہے ہیں اسی طرح علماء کو غصہ آتا ہے کہ تم علم اور اہل علم کی اہانت کرتے ہو۔ اور واقع میں آج کل کے جو نو تعلیم یافتہ سوال کرتے ہیں۔ شریعت کی اہانت کرتے ہیں۔ ان کو سوال کا بھی تو سلیقہ نہیں۔ دعوے ہی دعوے ہیں لمبے چوڑے۔ جب سمجھتے نہیں تو خواہ مخواہ تغیر ہوتا ہے کہ جاہلو تمیز تو سوال کرنے کی بھی نہیں جواب ہی کو کیا سمجھو گے۔ پھر اس پر شکایت ہے کہ علماء بہت جلد غصہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر کوئی ایسا ہی شخص جو

سائنس کچھ نہ جانتا ہو اور اس نے سائنس کی الف بے بھی نہ پڑھی ہو۔ ان لوگوں سے سائنس کا سوال کرے یہ خود ایسے ہی تنگ ہونگے جیسے علماء انکے سوالوں سے تنگ ہوتے ہیں کہ جانتا تو کچھ ہے نہیں اس کو کس طرح سمجھا دیں۔ ضرور غصہ آئے گا خصوصاً جبکہ وہ نہ جاننے کے ساتھ جاننے کا بھی دعویٰ کرے۔ بس ایسے ہی دوسروں کو سمجھ لو۔

(۱۴۹) ادھوری بات سے مخاطب کو اذیت پہنچتی ہے

ایک دیہاتی شخص نے آ کر تعویذ مانگا یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ حالانکہ بہت سی قسم کے تعویذ ہوتے ہیں تھوڑے سکوت کے بعد حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کہہ چکا۔ عرض کیا کہ جی کہہ چکا فرمایا میں تمہاری بات کو سمجھا نہیں ایسا ہی کوڑ مغز سا آدمی ہوں۔ دوسرے تم نواب صاحب ہو بڑے آدمی ہو بڑوں کی بات ویسے بھی چھوٹوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر حاضرین سے فرمایا یہ بدفہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سوال کہ کس چیز کا تعویذ اس کے ذمہ ہے۔ مگر میرے ذمہ آخر کس قاعدہ سے یہی لوگ اگر بازار جا کر یوں کہیں کہ لالہ سودا دے دو اور سودے کا نام نہ لیں یہ نہ کہیں کہ نمک دے دو مرچ دے دو۔ چاول دے دو وغیرہ وغیرہ تب میں سمجھوں کہ جہل میں مبتلا ہیں۔ یا اسٹیشن پر جا کر بابو سے صرف یہ کہیں کہ ٹکٹ دے دو اور اس مقام کا نام نہ لیں۔ مگر جب دونوں جگہ جا کر ایسا نہیں کرتے اور یہاں کرتے ہیں تو کھلی بے ہودگی ہے۔ اس جہل کا تختہ مشق ہم کو ہی بناتے ہیں۔ اب کہاں تک ان کے افعال کی تاویلات کیا کروں۔ سب ایک ہی رنگ کے آتے ہیں۔ یہ فرما کر اس شخص کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ جاؤ تم میں سلیقہ نہیں کام لینے کا۔ جس وقت پوری بات آ کر کہو گے اس وقت کام ہو گا وہ شخص اٹھ کر چلا گیا۔ قریب آدھ گھنٹہ بعد ایک پرچہ لکھوا کر لایا جس میں تعویذ کی فرمائش پوری عبارت کے ساتھ تھی۔ حضرت والا نے اس پرچہ کو ملاحظہ فرما کر تعویذ لکھ کر دے دیا اور فرمایا کہ آئندہ ہمیشہ پوری بات کیا کرو۔

(۱۵۰) حضرت خواجہ صاحب کی رحم دلی

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں آنے والوں سے یہ کب چاہتا ہوں کہ وہ پورے مہذب بن کر آئیں۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ اس کا قصد اور فکر ہو کہ ہمارے

قول اور فعل سے دوسرے کو اذیت نہ ہو۔ میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ اس سے میری حالت کا اندازہ ہو جائے گا۔ ایک شخص ہیں میں نے پچیس برس ان کی اذیتیں اور بے ہودگیاں برداشت کیں اس کے بعد خواجہ صاحب کے سپرد کیا وہ تین ہی ماہ میں چیخ اٹھے کہ یہ شخص مخاطبت کے قابل نہیں حالانکہ خواجہ صاحب بے حد رحم دل شخص ہیں اکثر لوگوں کے افعال اقوال میں تاویلات کرتے رہتے ہیں اور مجھ سے معافی وغیرہ کی سفارش اور کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس شخص سے میں اب بھی منقبض ہوں لیکن باوجود انقباض کے اس وقت بھی خیریت معلوم کرنے کی ان کو اجازت دے رکھی ہے۔ جب میں دوسرے کی اتنی رعایت کروں اور خیال رکھوں تو کیا مجھ کو اتنا بھی حق نہیں کہ میں یہ چاہوں کہ مجھ کو ستاؤ مت۔ خدمت سے مجھے آدھی رات بھی انکار نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ سلیقہ سے خدمت لو۔ اور حضرت یہ تو وہ طریقہ ہے کہ اس میں اپنے مربی سے عشق کا درجہ ہونا چاہئے۔ جب تک یہ حالت نہ ہو اس طریق میں قدم رکھنا محض بیکار ہے۔ جب یہ ہے تو اس کے لئے تیار ہو کر آنا چاہئے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اور جب یہ حالت نہیں نہ قلب میں عشق کا درجہ ہے اور نہ اس راہ میں پیش آنے والی باتوں کی برداشت تو پھر قدم ہی کیوں رکھا دعویٰ ہی کیوں کیا۔ اس راہ میں چلا ہی کیوں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق
تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

یعنی جب تیرے قلب میں ہر مواخذہ اور محاسبہ روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ پر کدورت پیدا ہوتی ہے اور اس کی برداشت نہیں کر سکتا تو اس کوچے میں آیا ہی کیوں یہ کوچہ تو عشاق کے لئے ہے تو محبوب کی راہ میں ہزاروں دشوار گھاٹیاں ہیں ان کے طے کرنے میں تکان بھی ہو گا آبلے بھی پڑیں گے اگر برداشت نہیں اور اتنی قوت نہیں اور ہر چہ کہ پر قلب مکدر رہتا ہے تو پھر صفائی کیسے ہوگی اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

وربہر زخمے تو پرکینہ شوی
پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

چوں نداری طاقت سوزن زدن
پس تو از شیر ژیان ہم دم مزن

دیکھیے بازاری عورت سے عشق ہو جاتا ہے جو حقیقت میں فسق ہوتا ہے تو اس کے کس قدر ناز اٹھائے جاتے ہیں اگر اس کا نصف۔ ثلث۔ ربع بھی اپنے مصلح دین کے ناز اٹھائے جاویں تو نہ معلوم چند روز میں کیا ہو جائے۔ کیا شیخ کی اتنی بھی وقعت نہیں جتنی بازاری عورت کی۔ اور پھر وہ کمبخت لوٹتی ہے۔ ستاتی ہے۔ ترساتی ہے۔ وعدہ خلافی کرتی ہے۔ بیوفائی کرتی ہے۔ باوجود ان باتوں کے پھر بھی اس کے ناز اٹھائے جاتے ہیں اور ذرا دل پر کدورت کے آثار تک نہیں پیدا ہوتے اور یہاں ذرا ذرا سی بات پر دل میں ناگواری کدورت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیسی طلب ہے اور کیسا عشق ہے۔ کیا اس کو طلب صادق اور عشق صادق کہا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ عشاق کی تو شان ہی جدا ہوتی ہے۔ ان کی صورت اور حالت ہی اور ہوتی ہے وہ کسی بات سے کہاں ہٹنے والے ہوتے ہیں۔ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بے وقت پہنچا۔ عشاء کے بعد کا وقت ہو گیا تھا اس پر مولانا نے مجھ پر ڈانٹ ڈپٹ کی۔ بے حد خفا ہوئے۔ مولانا میرے نہ استاد تھے نہ پیر تھے مگر باوجود اس کے اس ڈانٹ پر میں اس وقت اپنے قلب کے اندر بجائے کسی کدورت اور نفرت کے خوشی اور مسرت دیکھتا تھا فقط اس خیال سے کہ جب اللہ سے محبت ہے تو اللہ والوں سے بھی محبت ہونا چاہئے۔ اس لئے ان کی خفگی سے قلب پر کوئی برا اثر نہیں ہوا اور میں اپنی اس حالت کو خدا کی ایک بہت بڑی رحمت اور نعمت سمجھتا ہوں اور یہ تو عقل کا بھی حکم ہے کہ جب میں مولانا کی خدمت میں عقیدت لے کر گیا تھا تو اس وقت مجھ پر مولانا کا ایک حق تھا۔ انسان جہاں جائے وہاں کے حقوق کا خیال رکھے۔ مگر لوگ طریق کی حقیقت سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ بے سوچے سمجھے گھر سے اٹھ کر چل دیتے ہیں۔ کیا کوئی نانی جی کا گھر ہے یہ نہیں معلوم کہ جس کی طلب میں قدم اٹھایا ہے وہ کون ہے اور کیا ہے بس پہلی ہی منزل پر گھبرا اٹھا۔ مجنوں کی حالت نہیں سنی کہ ایک عورت اور فانی ناچیز کے عشق میں کیا کیا تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کیں۔ کیا حق تعالیٰ کا عشق اس سے بھی کم ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مگر یہ باتیں بدون صحبت کامل کے نصیب ہونا مشکل ہیں کسی کی جوتیاں سیدھی کرو بلکہ سیدھی کرنے سے بھی کچھ نہ ہوگا۔ جوتیاں کھانے کو تیار ہو کر آؤ گو وہ مارے نہیں لیکن تم کو تو

تیار ہو کر آنا چاہئے تب کچھ اس طریق سے حصہ مل سکتا ہے۔ اور اگر دماغوں میں خناس ہی بھرا رہا تو میں بتلائے دیتا ہوں کہ وہ شخص ہمیشہ محروم رہے گا۔ ناکام رہے گا اس طریق میں تو پہلا قدم فنا ہے اور دوسری چیزیں سب بعد میں ہیں۔ بس اپنے کو مٹادو فنا کر دو اور پھر دیکھو کہ کیا سے کیا ہوگا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ۔ آزموں را یک زمانے خاک باش

یعنی امتحان ہی کے طور پر کر کے دیکھ لو یہ حالت دیکھو گے جس کو مولانا فرماتے ہیں

در بہاران کے شود سرسبز سنگ ۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

مگر یہ حالت اس وقت ہوگی جبکہ تو اپنی تمام رایوں کو فنا کر کے اور تمام دعووں کو مٹا کر راستہ چلے گا اسی کا نام فناء ہے اسی کو ارشاد فرماتے ہیں۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ۔ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

اور اس پر یہ شبہ نہ کرنا کہ یہ تو بڑی دشوار گزار راہ ہے۔ ہماری ناتمام سعی سے کس طرح منزل مقصود تک رسائی ہو سکتی ہے بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دشوار اور مشکل ہے ان کو تو کچھ مشکل نہیں۔ تو رسائی تو ان کے کرنے سے ہوگی نہ کہ تمہارے کرنے سے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست ۔ با کریماں کارہا دشوار نیست

(۱۵۱) اخلاق مروجہ کی برکات

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے مجھ پر اعتراض لکھا ہے کہ اگر ایسی ہی لفظی گرفت کرنا ہے تو ساری عمر بھی کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے یہ طالب ہیں اور یہ طریق کا ادب ہے ان رسمی پیروں اور علماء نے ان لوگوں کو بگاڑ دیا اور یہ سب اخلاق مروجہ کے برکات ہیں۔ ان کے اخلاق تو نظر عامہ میں درست رہے۔ لیکن عوام کے اخلاق برباد ہو گئے۔ اگر ڈاکٹر مریض کے دنبل پر ہمیشہ مرہم ہی لگایا کرے اور جہاں آپریشن کی ضرورت ہے وہاں بھی نشتر نہ لگائے تو عضو ضرور معطل ہو جائے گا سڑ جائے گا کیا ایسے ڈاکٹر کو خلیق کہیں گے یا خائن۔ واقع میں تو بڑی زبردست خیانت ہے۔ میں تو اس کو خیانت سمجھتا ہوں۔ غلطی پر تنبیہ کرنے کو بداخلاقی کہتے ہیں اگر یہ ہے تو قرآن پاک کے بڑے حصہ میں بھی شان قہاریت بھری ہے

وعیدیں ہیں مگر باعتبار اثر کے وہ سب رحمت ہے۔ کیا یہ رحمت نہیں ہے کہ مریض کو وہ دوا پلائی جائے جو اس کے لئے مفید ہو اگرچہ وہ کڑوی ہی ہو۔ دیکھئے ماں سب میں زیادہ شفیق ہے مگر جب بچہ کی کوئی نازیبا حرکت دیکھتی ہے یا وہ شرارت کرتا ہے خوب مارتی ہے۔ محبت کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ جتنی محبت ہوگی اتنی ہی اصلاح کے بارے میں توجہ ہوگی۔ دیکھئے استاد کے پاس بچے پڑھتے ہیں جس بچے پر استاد کو زیادہ شفقت ہوگی اگر اس کو ذرا غافل پائے گا فوراً قمچی لگائے گا۔ اس کو سختی کہیں گے یا نرمی اور شفقت۔ ایک وہ بچہ ہے کہ استاد کو اس پر شفقت نہیں وہ بچہ کھیل رہا ہے استاد دیکھتا ہے اور نظر بچا لیتا ہے حقیقت میں اس کو سختی کہیں گے اس لئے کہ استاد کا خیال یہ ہے کہ نالائق کو خوب کھیل لینے دو۔ کل کو جب سبق یاد نہ نکلے گا تب اچھی طرح خبر لوں گا اور جس بچہ پر ہر وقت تنبیہ ہے۔ روک ٹوک ہے اس سے اس کے سبق یاد ہو جاتا ہے پھر وہ باپ کا بھی پیارا ہے ماں کا بھی پیارا ہے۔ استاد کا بھی پیارا ہے۔ میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں ایک مائدر یعنی سوتیلی ماں نے اپنے بچہ کی تو انگلی پکڑ رکھی تھی اور پیدل لئے جا رہی تھی اور سوتیلے بچہ کو گود میں لئے ہوئے تھی۔ لوگوں نے دیکھ کر بڑی تعریف کی کہ ایثار اس کو کہتے ہیں رحم اس کو کہتے ہیں۔ اس عورت نے کہا کہ یہ بات نہیں جو تم سمجھے ہو۔ تم حقیقت سے بے خبر ہو میں جو اس کو گود میں لئے ہوں اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کر رہی ہوں۔ اور یہ میرا فعل محبت پر مبنی نہیں ہے بلکہ دشمنی ہے حقیقت یہ ہے کہ میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا بچہ تو چلنا سیکھ جائے اس کو قوت حاصل ہو اور یہ سوتیلا گود کا عادی رہے۔ کمزور رہے۔ دوسرے میں اس کو چلنا ہوا دیکھ نہیں سکتی۔ تو حضرت آج کل کے اخلاق اور ہمدردی اور محبت کی یہ حقیقت ہے جو اس عورت نے بیان کی۔ یہی حالت آج کل کے اکثر مشائخ اور علماء کے اخلاق کی ہے۔ ان کے اخلاق متعارفہ کا ثمرہ اور نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ تو خوش اخلاق مشہور رہے اور دوسروں کے اخلاق برباد کر دیئے۔ میں جو روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ مواخذہ محاسبہ کرتا ہوں مجھ کو بدنام کر رکھا ہے۔ نیز ان میں اکثر کی خوش اخلاقی خالی از علت نہیں دال میں کالا ہے۔ کوئی غرض عوام سے وابستہ ہے جس کی وجہ سے عوام کی اصلاح تو کیا کرتے اور الٹی چاپلوسیاں اور خوشامدیں آؤ بھگت کرتے ہیں اور نفس کی تاویل دیکھئے کہتے ہیں کہ اگر روک ٹوک کی گئی تو ان کو ناگوار ہوگا اور پھر کدورت کے سبب دینی

برکات اور فیوض سے محروم رہ جائیں گے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ برکات کے ٹھیکیدار بن کر تشریف لائے ہیں۔ کیا ان میں جو بداخلاقی رہے گی کیا یہ بددینی نہیں تو پھر وہ اور کون سے فیوض و برکات ہیں جن سے آپ ان کو نوازیں گے اعمال اخلاق ہی تو دین کی جڑ ہیں۔ جب یہ درست نہ ہوا تو دین کہاں رہا۔ پھر برکات کیسی۔ کیا باتیں بناتے ہیں جو دل میں ہے اس کو نہیں ظاہر کرتے کہ اگر ہم نے ان کی حرکتوں کی اصلاح اور روک ٹوک کی تو یہ غیر معتقد ہو کر چلے جائیں گے اور دوسروں کو جا کر غیر معتقد بنائیں گے پھر کوئی پاس نہ آئے گا ہمارے مال و جاہ میں کھنڈت پڑ جائے گی۔ یہ تو مشائخ کے اغراض ہیں اور علماء کا یہ مرض ہے کہ روک ٹوک سے غیر معتقد ہو جائیں گے۔ ہمارے علم و فضل کا اعتقاد نہ رہے گا دوسروں سے ذکر کر کے بدنام کریں گے مولانا سے نرے مولوی رہ جائیں گے۔

(۱۵۲) نو تعلیم یافتہ کے احکام شرعی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے ایک معترض صاحب کو لکھا تھا کہ جب تم مبادی کو نہیں سمجھتے تو مقاصد کو کیا سمجھو گے۔ بعضے لوگ باوجود نہ سمجھنے کے بڑا اختراعی کارخانہ ذہن میں جما کر علماء پر اعتراضات کرتے ہیں لیکن بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے ایک ہی جملہ میں بڑے سے بڑا جن اتر کر فقرو ہو جاتا ہے بغلیں ہی جھانکتے رہ جاتے ہیں۔ البتہ جن باتوں سے شبہات رفع ہوتے ہیں وہ ان کم علموں کو کتابوں سے نہیں معلوم ہو سکتیں کسی کی صحبت سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور گو ہیں وہ سب کتابوں ہی میں لیکن سمجھنے کے لئے تو فہم اور عقل کامل کی ضرورت ہے بدون اس کے سمجھ میں آنا مشکل ہے اور یہ دونوں چیزیں صرف کسی کامل کی صحبت اور اس کی جوتیاں سیدھی کرنے سے میسر ہو سکتی ہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو   پیش مردے کاملے پامال شو

اس کو مثال سے سمجھ لیجئے کہ طب کی کتابوں کا سمجھنا مریض کا کام نہیں اور نہ ہر تندرست کا بلکہ طبیب کا کام ہے جو کہ فن سے واقف ہے۔ اس کو ماہر فن ہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کا اس میں دخل دینا اور سمجھنے کا دعویٰ کرنا اور لیاقت بگھارنا اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جیسے ایک گاؤں میں ایک بوجھ بجکڑ رہتا تھا اس گاؤں کے قریب جنگل میں کھجور کا درخت تھا اس پر پکی

کھجوریں دیکھ کر ایک بھوکا آدمی تھا۔ کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ بھوک میں مزے دار معلوم ہوئیں۔ کھا زیادہ گیا اترنا مشکل ہو گیا۔ تمام گاؤں جمع ہو گیا۔ بہت کچھ غور اور فکر کیا کہ اس کو اوپر سے کس طرح اتاریں کسی کی سمجھ میں نہ آیا آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ بوجھ بجکڑ کو بلاؤ وہ کوئی تدبیر بتلائیں گے۔ بلائے ہوئے آئے۔ کھڑے ہو کر درخت کو چوٹی سے جڑ تک دیکھا۔ پھر ایک دم حکم دیا کہ ایک مضبوط موٹا رسہ لاؤ۔ رسہ لایا گیا۔ کہا کہ اس میں پھندہ لگاؤ پھندہ لگایا گیا کوئی شخص قوت سے اوپر پھینکے اور جو شخص درخت پر تھا اس سے کہا کہ رسے کو پکڑ لے اور پھندا کمر میں ڈال لے ادھر سے رسہ پھینکا گیا اس نے پکڑ کر کمر میں پھندا ڈال لیا۔ نیچے لوگوں سے کہا کہ زور سے جھٹکا دو۔ جھٹکا لگایا گیا وہ پٹ سے زمین پر آ کر پڑا۔ تمام ہڈی پسلیوں کا چورا ہو گیا۔ دماغ پھٹ کر بھیجا نکل کر الگ جا پڑا اور ختم ہو گیا۔ لوگوں نے بوجھ بجکڑ سے کہا کہ یہ کیا ہوا کہا کہ قسمت اس کی۔ میں نے تو سینکڑوں آدمی رسے کے ذریعے سے کنویں میں سے نکلوائے ہیں تو اس احمق نے کھجور کے درخت کو کنویں پر قیاس کیا۔ ایسے ہی آج کل کے مجتہد ہیں نتیجہ وہی ہو رہا ہے کہ جو اس شخص کا ہوا کہ زندگانی دنیاوی اس بوجھ بجکڑ کی بدولت بے چارے کی ختم ہو گئی ایسے ہی ان نئے مجتہدوں کی بدولت لوگوں کی زندگانی آخرت برباد ہو رہی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اپنی اغراض فاسدہ کے لئے احکام شرعیہ میں اس قدر تحریف سے کام لیا جا رہا ہے کہ الامان والحفیظ۔ شب و روز شریعت مقدسہ کے مسائل میں کتر بونت کرتے ہیں اور امت کے سمجھے ہوئے احکام پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ سمجھ اپنی قاصر اور وہ قصور ان کو شریعت میں نظر آتا ہے۔ جیسے ایک شخص حبشی راستہ پر چلا جا رہا تھا اس کو سر راہ ایک آئینہ پڑا نظر آیا اٹھا کر دیکھا تو اپنا چہرہ مبارک اس میں نظر آیا حبشی ہوتے ہی ہیں بدصورت بدشکل سیاہ رو۔ موٹی ناک موٹے موٹے ہونٹ اس آئینہ کو دور پھینک کر مارا کہ کمبخت اگر ایسا بدصورت نہ ہوتا تو تجھ کو یہاں کوئی کیوں پھینک جاتا اب بتلایئے کہ وہ آئینہ بدشکل تھا یا خود ہی جناب بدشکل تھے تو جیسے اس نے آئینہ میں کھوٹ نکالا ایسا ہی یہ شریعت مقدسہ میں کھوٹ نکالتے ہیں۔ نیز ان کا احکام میں نقص نکالنا ایسا ہے جیسے ایک عورت اپنے بچہ کو پاخانہ پھرا رہی تھی عید کی رات کا چاند نظر آیا شور جو مچا عجلت میں بچہ کا پاخانہ کپڑے سے

پونچھا اور جلدی سے چاند دیکھنے کھڑے ہوگئی عورتوں کو اکثر عادت ہوتی ہے ناک پر انگلی رکھ لیتی ہیں اس عورت نے بھی چاند دیکھتے وقت ناک پر ہاتھ رکھ لیا اتفاق سے انگلی میں پاخانہ لگا تھا بدبو جو ناک میں پہنچی تو کہتی کیا ہے کہ اے ہے اب کے سڑا ہوا چاند کیوں نکلا۔ پس جیسے اس نے چاند کو سڑا ہوا بتلایا اور سڑی ہوئی اپنی انگلی تھی ایسے ہی ان لوگوں کو اپنے نقائص شریعت مقدسہ میں نظر آ رہے ہیں مگر یہ اپنی سمجھ کا قصور نہیں سمجھتے شریعت کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ کچھ حد ہے اس بے ہودگی اور بدفہمی و بدعقلی کی۔

۱۱/رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز جمعہ

(۱۵۳) شان فاروقیؓ اور شان عثمانیؓ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مشکل سے کوئی شخص ہوگا جو میری لڑائی سے (مراد روک ٹوک ہے) بچا ہوگا ورنہ قریب قریب سب ہی سے لڑائی ہو چکی ہے۔ ایک صاحب نے نانوتہ سے کہلا کر بھیجا تھا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے جو وہاں سے آتا ہے نالاں ہی آتا ہے۔ میں نے کہلا کر بھیجا کہ مجھ سے آ کر پوچھو کہ جو آتا ہے نالاں ہی کرتا آتا ہے۔ اور جو نالاں آتا ہے نالاں کی بناء اسی کو تو روایت ہے دونوں سے بیان لے کر فیصلہ کرو تب حقیقت ظاہر ہو کہ کون ظالم ہے اور کون مظلوم ہے۔ بات یہ ہے کہ تکلیف کی بات سے سب کو ہی تکلیف ہوتی ہے مجھ کو بھی ہوتی ہے بس میرے اندر یہ عیب ہے کہ میں اس کو ظاہر کر دیتا ہوں دوسرے حضرات تہذیب سے کام لیتے ہیں اور میں گنوار پن سے یہ حقیقت ہے نالاں کی۔ اب کیا عرض کروں نرمی کرنے کا نتیجہ سنئے۔ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے ان سے چند غلطیاں ہوئیں میں نے زیادہ مواخذہ نہیں کیا البتہ اطلاع ضرور کی کہ یہ غلطیاں تم سے ہوئیں وطن واپس جا کر یہ شکایت کی کہ میں تو شان فاروقی دیکھنے کے اشتیاق میں گیا تھا مگر وہاں تو شان عثمانی ہے نرمی ہی نرمی ہے جس سے اصلاح کامل نہیں ہوئی وہ نرمی سے ناراض ہوئے۔ اب بتلائیے مخلوق کو کس طرح راضی رکھوں۔ ایک ولایتی بزرگ خورجہ میں تھے ان سے میں بھی ملا ہوں انہوں نے کیرانہ کے ایک حکیم صاحب سے میرے متعلق کہا کہ ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن ذرا مداہنت یعنی ڈھیلا پن ہے جو حق گو میں نہ ہونا چاہئے۔ اب کس کس کی موافقت کی جائے کسی

کو شکایت ڈھیلے پن کی ہے (یاء اول معروف ہے) اور کسی کو ڈھیلے پن کی (یائے اول مجہول ہے) اس کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے کہ آنے والوں سے پوچھا کروں کہ تم کو نرمی پسند ہے یا سختی۔ پھر اس میں بھی اس کی ضرورت ہوگی کہ دو کو ایک مجلس میں جمع نہ کروں تا کہ ایک کو دوسرے کی سختی نرمی کا علم نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ ان سے یہ بھی کہا کروں کہ تمہارے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے اس کا کسی سے ذکر مت کرنا کہ نرمی کی ہے یا سختی ورنہ اس علم کے ساتھ پھر اعتراض رہے گا جب اتنا اہتمام کروں تب ساری مخلوق کو راضی رکھ سکتا ہوں۔ سو اس قدر اہتمام کون کرے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ایک شخص اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر چلا تھا اور ایک ٹٹو پاس تھا اور اس پر سوار ہونے اور پیادہ چلنے کی تمام محتمل صورتوں کو اختیار کیا تھا اور سب میں اعتراض ہی سنتا رہا آخر عاجز ہو کر یہی فیصلہ کیا کہ سب اپنی ایسی تیسی میں جاؤ اب جو جی میں آئے گا وہ کریں گے۔ تو صاحب مخلوق کے اعتراضات سے تو کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ حیدرآباد والے ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے۔ بڑے دانشمند تھے۔ گو مسلک تو ہمارے مسلک کے خلاف تھا۔ اہل سماع میں سے تھے اس میں بھی کچھ مبالغہ ہو گیا تھا مگر دو کا ندار نہ تھے باتیں بھی حکیمانہ ہوتی تھیں وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہر قسم کی کتاب میں سے ایک ایک کار آمد بات منتخب کر رکھی ہے چنانچہ منظوم گل بکاؤلی ایک کتاب ہے اس میں سے بھی ایک شعر منتخب کیا ہے حالانکہ گل بکاؤلی ایک لغو اور واہیات کتاب ہے لیکن اس میں سے بھی ایک شعر انتخاب کیا تھا۔

سن لاکھ تجھے کوئی سناوے   کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

میں اس قید کا اور اضافہ کرتا ہوں کہ جہاں احکام شرعی سے مزاحمت ہو وہاں سمجھ کو ترک کرنا ہوگا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۱۵۴) عورتوں کو اشغال کی ضرورت نہیں

فرمایا کہ ایک بی بی کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ نیچے کے سانس ہو اور اوپر کے سانس سے اللہ کہا کروں۔ میں نے لکھ دیا کہ ان پڑھ آدمی کو خصوصاً عورت کو ایسے اشغال کی ضرورت نہیں سیدھے سیدھے کلمہ شریف کا ورد رکھو اور شریعت کی پابند رہو۔ اس پر

فرمایا کہ یہی بی بی اگر کہیں اور اس مضمون کا خط لکھتیں تو نہ معلوم بیچاری کو اس کے علاوہ اور کن کن اشغال کی تعلیم دی جاتی مگر یہاں جتنے کا ارادہ کیا تھا خود اس سے ہی روک دیا گیا یہ طریق بہت ہی نازک ہے ہر شخص کے لئے اس کے مذاق کی اور قوت کی اور فرصت کی رعایت کر کے جدا تجویز کرنا پڑتی ہے اور ہر حال میں اصل چیز تو اعمال ہیں ان کے اہتمام اور خیال کی خاص ضرورت ہے مگر اس کا اہتمام آج کل کے مشائخ تک میں بھی نہیں صرف اوراد و وظائف کو اصل قرار دے رکھا ہے جو سخت دھوکا ہے اور یہ سب طریق کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس ناواقفی کی بدولت یہ لوگ طریق کی تو حقیقت کیا معلوم کرتے اور کیا اس پر کار بند ہوتے۔ آج کل تو ان جاہل رسمی دکاندار پیروں کی بدولت ایمان کے بھی لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ضلع اناؤ میں پیروں کا ایک مشہور مقام ہے وہاں یہ رسم ہے کہ جو شخص مرید ہونے جاتا ہے پہلے اس کو ایک بزرگ کے مزار پر بھیجا جاتا ہے وہاں کے لوگ اس کو ساتھ لے کر مزار پر جاتے ہیں وہاں پہنچ کر اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ اس صاحب مزار کو سجدہ کر۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس نے سجدہ کر لیا یا نہیں۔ پھر اس کو سجادہ کے پاس لایا جاتا ہے۔ سجادہ اپنے لوگوں سے اس شخص کے متعلق پوچھتا کہ مقبول بھیا (یعنی ہوا) یا مردود بھیا اگر وہ کہتے ہیں کہ مقبول بھیا تو فوراً اس کو مرید کر لیا جاتا ہے اور اس مقبول بھیا کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سجدہ کر لیا اور اگر وہ کہتے ہیں کہ مردود بھیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سجدہ نہیں کیا تو اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ بھیا تمہارا حصہ ہمارے یہاں نہیں کہیں اور جاؤ۔ اب بتلایئے ایسے بددین لوگ جو مردود کو مقبول اور مقبول کو مردود بتاویں وہ لوگوں کے ایمان برباد کرنے کو پیر بنے ہوئے ہیں اور سنئے یہی پیر جب کسی کو مرید کر لیتے ہیں تو ساتھ کے ساتھ توجہ ڈالی جاتی ہے اول توجہ میں چاند نظر آتا ہے کہتے ہیں کہ یہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا نور ہے پھر دوسری توجہ میں سورج نظر آتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ ذات حق کا نور ہے بس دیکھو ہم نے تمہیں ذات تک پہنچا دیا اور یہ مسمریزم کی سی مشق ہے اب اس کے بعد اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور اکثر ساتھ ہی ساتھ خلافت عطاء کر دی جاتی ہے۔ بس یہ ڈھونگ بنا رکھے ہیں۔ آخرت کی ان لوگوں کے قلوب میں ذرا برابر فکر نہیں۔

ان کی وہی حالت ہے ہم تو ڈوبے ہیں مگر تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(۱۵۵) قدم چھونے کی فضول رسم

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض جگہ قدم چھونے کی بھی رسم عام ہو گئی ہے۔ میں جب نواب صاحب کا بلایا ہوا ڈھاکہ گیا تو وہاں پر اس قسم کی یہ حالت دیکھی کہ جو آتا ہے وہی پیروں کو چھوتا ہے میں نے منع کیا کسی نے نہیں مانا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تم لوگ یوں نہ مانو گے ترکیب کی ضرورت ہے پھر میں نے یہ کیا کہ جو شخص میرے پیر کو چھوتا میں اس کے پیر کو چھوتا اس پر گھبرا کر کہتے کہ اجی حضرت یہ کیا میں بھی کہتا کہ اجی حضرت یہ کیا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ بات اچھی ہے تو مجھ کو بھی کرنے دو اگر بری ہے تو تم بھی مت کرو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی کے لئے اچھی ہو اور کسی کے لئے بری ورنہ دلیل لاؤ تب وہ لوگ سمجھے کہ یہ تو پیٹ بھر کر گنوار ہے جب پیچھا چھوٹا۔

(۱۵۶) حضرت حکیم الامتؒ کی تواضع

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے میں تو سب آنے والوں کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں اور یہ حق تعالیٰ کی مجھ پر ایک بڑی رحمت ہے کہ اس نعمت سے مجھ کو مشرف فرمایا حتیٰ کہ عین مواخذہ اور محاسبہ ڈانٹ ڈپٹ کے وقت بھی کافی طریق پر اس کا استحضار ہوتا ہے۔ گو ضرورت کے سبب تادیب بھی کرتا ہوں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو آنے والوں کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں کیونکہ وہ اللہ کے طالب بن کر آئے ہیں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس نیت سے بیعت کر لیتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہوگا مرید کو جنت میں کھینچ لے جائے گا اور مرید مرحوم ہوگا پیر کو جنت میں کھینچ لے جائے گا۔ عجیب جامعیت ہے کہ اس کو مرید بھی سمجھیں اور اس کو اپنے سے بڑا اور ذریعہ نجات بھی سمجھیں۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ وہ ہے جو جامع بین الاضداد ہو جس کے یہاں اصلاح و تربیت بھی ہے روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ بھی ہے مواخذہ محاسبہ مطالبہ دارو گیر بھی ہے اور یہ سب اپنے منصب کے فرائض ہیں ان کو بھی ادا کرتا ہے اور پھر ان کو

اپنے سے اعلیٰ اور افضل بھی سمجھتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ کسی کو کچھ خبر نہیں کہ کسی کا خدا کے ساتھ کیا تعلق اور کیا معاملہ ہے اور نہ اس کی خبر کہ میں کیسا ہوں اور میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔ تو پھر کوئی کیا کسی کو حقیر سمجھ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ مقبول ہو اور یہ مردود۔ سو نظر تحقیر سے دیکھنے کا کسی کو کیا حق ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

خاکساران جہان رابحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد

(۱۵۷) اعجاز قرآن کی بین دلیل

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عرب میں ایسے وقت قرآن پاک کا نزول ہوا جب وہاں بڑے بڑے بلغاء فصحاء موجود تھے اس وقت حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کی مثل ایک آیت ہی لے آؤ اور پھر کوئی اس کی مثل نہ لا سکا صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجز اللہ کا کلام ہونے پر یہ کافی دلیل ہے۔ تفصیلی وجوہ اعجاز کے بیان کرنا ضرور نہیں۔

(۱۵۸) آریہ بڑے مشرک ہیں

فرمایا بعض لوگوں کو آریوں کے متعلق بت پرستی نہ کرنے کے سبب یہ دھوکہ ہو گیا ہے کہ وہ موحد ہیں جو بالکل غلط ہے یہ مشہور مشرکوں سے بھی زیادہ مشرک ہیں کیونکہ عام مشرک واجب بالذات ایک ہی کو کہتے ہیں اور یہ تین کو واجب بالذات مانتے ہیں۔ روح، مادہ، پرمیشور تو موحد کہاں سے ہوئے۔

(۱۵۹) دوسروں کی مصلحت کی رعایت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو دوسروں کی مصلحت کی یہاں تک رعایت رکھتا ہوں کہ سودا سلف لانے کے لئے تو ملازم رکھ رکھے ہیں لیکن اپنی ذاتی خدمت کے لئے کسی کو نہیں رکھا محض اس مصلحت سے کہ اس میں اندیشہ ہے کہ لوگ اس کو مخصوص سمجھ کر کہیں اس کی آؤ بھگت نہ کرنے لگیں یا خود اس کا ہی دماغ خراب ہو جائے کہ میں مخصوصین میں ہوں۔ خادمان خاص کے بنانے میں بڑے مفسدے ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس صورت میں حضرت کی مصلحت فوت ہوتی ہے کہ ہر کام حضرت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا

ہے۔فرمایا کہ دوسروں کے مفسدہ کے مقابلہ میں میری مصلحت کوئی چیز نہیں۔

(۱۶۰) حضرت حکیم الامتؒ کی نرم مزاجی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی میری ذرا سی بھی رعایت کرتا ہے تو میرا دل بہت زیادہ رعایت کرنے کو چاہتا ہے سوتم ہماری رعایت کرو ہم تمہاری رعایت کریں۔مگر لوگ میرے مواخذہ کو دیکھتے ہیں اور رعایت نہ کرنے کی شکایت کرتے ہیں اور اپنی حرکات کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے بھی کوئی رعایت نہیں کی۔میں سچ عرض کرتا ہوں مجھ کو اس کا بڑا اہتمام ہے کہ میری وجہ سے کسی کو رائی برابر بھی تکلیف نہ ہو۔آپ تو احباب ہیں محکوم نہیں آپ کی تکلیف تو کیا گوارا ہوتی گھر والے جو محکوم ہیں ان کی تکلیف بھی گوارا نہیں۔آپ کو تعجب ہوگا میں کبھی گھر میں یہ فرمائش بھی نہیں کرتا کہ یہ پکاؤ۔پھر چونکہ اس پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ کہیں گھر والوں کی دل شکنی نہ ہو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم سے اجنبیوں کا سا برتاؤ رکھتے ہیں تو دونوں مصلحتوں کو اس طرح جمع کرتا ہوں کہ جب کبھی وہ کہتی ہیں کہ تم بھی تو کچھ بتلا دیا کرو میں کہتا ہوں کہ تم سہولت سے کیا کیا پکا سکتی ہو۔چار پانچ چیزوں کا نام لو جوان میں سے مرغوب ہوگی میں بتلاؤں گا وہ نام لیتی ہیں کہ فلاں چیز ہوسکتی ہے مجھ کو اس سے اتنا اندازہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اتنی چیزیں تیار کرنے میں ان کو کوئی گرانی نہ ہوگی ان میں سے ایک کا نام بتلا دیتا ہوں سو وہ بھی میری تجویز نہیں ہوتی انہیں کی ہوتی ہے۔غرض مجھ کو یہاں تک دوسروں کی تکلیف اور گرانی کا خیال رہتا ہے۔اور میں یہ فخر سے بیان نہیں کررہا ہوں بلکہ ایک واقعہ ہے جو حق تعالیٰ کی نعمت ہے اور میرا امر فطری ہے جس کے خلاف کرنے پر میں قادر نہیں ہوں امر فطری پر فخر نہیں ہوا کرتا کیونکہ وہ تو قریباً اضطراری ہوتا ہے تو وہ اس کا کیا کمال سمجھا جاسکتا ہے۔

(۱۶۱) اطفال کی صحبت اور اختلاط کا اثر

ایک نو وارد صاحب حاضر ہوئے۔حضرت والا کے اس دریافت کرنے پر کہ اپنا ضروری ضروری تعارف کرا دیجئے کہ کہاں سے آئے کیا نام ہے اور آنے کی غرض کیا ہے کتنا قیام ہو گا۔کیا کام کرتے ہو عرض کیا کہ فلاں مقام سے حاضر ہوا۔یہ نام ہے مرید ہونے کے لئے

حاضر ہوا۔ قیام جتنے روز آپ فرمائیں گے اتنے روز کروں گا۔ بچوں کی تعلیم کا کام کرتا ہوں اور مسجد کی امامت بھی۔ فرمایا مرید تو آپ بعد میں ہونا۔ پہلے یہ بتلاؤ کہ جتنے روز میں قیام کرنے کو کہوں گا اتنا قیام کرو گے۔ عرض کیا جی ہاں فرمایا کہ اس زمانہ میں قیام میں کھانا کپڑا اپنے پاس سے کھاؤ گے پہنو گے۔ عرض کیا جی ہاں اپنے پاس سے فرمایا ٹھیک ہے۔ اچھا دس برس قیام کرنے کہتا ہوں کرو گے۔ اس پر خاموش رہے فرمایا بولتے کیوں نہیں۔ بڑے زور شور سے دعویٰ کر رہے تھے کہ جتنے روز آپ فرمائیں گے قیام کروں گا اب کیا بات ہے عرض کیا کہ دس برس تو قیام نہیں کر سکتا فرمایا پھر کتنے روز کر سکتے ہو۔ عرض کیا کہ تین روز فرمایا تو بزرگوار پہلے ہی وہ بات کیوں نہیں کہی تھی جو دل میں تھی میں نے دس برس کے قیام کو کہا تو نہ دس مہینے رہے نہ دس ہفتے رہے نہ دس دن رہے صرف تین دن رہ گئے۔ اصل بات کو چھپاتے ہیں اور لغو فضول باتیں بنانا شروع کر دیتے ہیں تمہاری کچھ خطا نہیں۔ بچوں کی تعلیم دینے والوں کی عقل مشہور ہے کہ بچے ہی لے جاتے ہیں اور تجربہ سے بھی معلوم ہوا کہ اس کا اثر ہوتا ضرور ہے اور وہ اثر اطفال کی صحبت اور اختلاط کا ہوتا ہے ایسی بدفہمی کی باتیں یہی کیا کرتے ہیں۔ اکثر انگریزی ماسٹروں کے خطوط آتے ہیں ان میں یہی نور بھرا ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے جو مجلس کے اندر پہلے ہی سے بیٹھے تھے اور وہ بھی بطور مہمان خانقاہ میں قیام کئے ہوئے تھے انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ ان کو میں جانتا ہوں۔ اور یہ فلاں بزرگ سے جو اپنی جماعت کے نہیں مرید ہیں یہ ان کا حضرت والا سے عرض کرنا نہایت آہستگی سے تھا جس کو وہ صاحب معاملہ نہیں بن سکے۔ حضرت والا نے ان نو وارد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ تم فلاں بزرگ سے مرید بھی ہو اور تم مجھ سے کہتے تھے کہ تم سے مرید ہونے آیا ہوں۔ عرض کیا کہ میں اپنے کو ان کا مرید نہیں سمجھتا۔ فرمایا کہ تو پوری سب بات کہہ کر یہ کہہ دینا چاہئے تھا اب تمہارا کیا اعتبار اور یہ تمہارا کہنا ایسا ہے کہ جیسے ایک عورت کسی مرد سے نکاح کرنے کے بعد کہے کہ میں اپنے کو اس کی بیوی نہیں سمجھتی اور بدون طلاق اور عدت پورا کئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کی درخواست کرے۔ بڑے بدفہم آدمی معلوم ہوتے ہو چلو اٹھو یہاں سے خواہ مخواہ پریشان

کرتے ہو۔ خواہ مخواہ مجھ کو تغیر ہوگا۔ پھر بلا وجہ زیادہ بدنام کرتے پھرو گے۔ میں پہلے ہی بدنام ہوں جاؤ چلو کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔ دیکھ لیجئے دھوکا دینا چاہتے تھے یہ مرید ہونے آئے ہیں آدمی پوری بات کہہ کر کہہ دے جو کہنا ہو اب بات تو بظاہر چھوٹی سی ہے اور ایک معنی کر چھوٹی بھی نہیں دھوکہ دینا چاہا جو بڑی بات ہے مگر حق تعالیٰ محافظ اور ناصر ہیں۔ غیب سے امداد فرما کر ان لوگوں کی چالاکیوں اور مکاریوں سے بچا لیتے ہیں۔ اب کہاں تک تغیر نہ ہو اور کہاں تک صبر کروں۔ ان کی حرکتوں کو کوئی نہیں دیکھتا کہ کیسی باتیں کرتے ہیں اور بیٹھے بٹھلائے فارغ قلب کو پریشان کر دیتے ہیں۔

(۱۶۲) اصل دولت اعمال کی پابندی سے میسر ہوتی ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدون مجاہدہ اور ریاضت کے صرف کسی متصرف کی توجہ سے بھی کام ہو سکتا ہے لیکن نادر اور النادر کالمعدوم باقی توجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کی عمر کچھ نہیں ہوتی وہ ایک وقتی چیز ہے اور نہ توجہ سے رسوخ ہو سکتا ہے جو اصل اور روح ہے طریق کی بدولت مجاہدات ریاضات اعمال ہی کی پابندی سے میسر ہوتی ہے اس کو کبھی زوال نہیں ہوتا ان شاء اللہ تعالیٰ بشرطیکہ یہ اس کی نگرانی کرتا رہے۔

۱۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(۱۶۳) چشتیہ اور نقشبندیہ

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقشبندی تو متبع سنت مشہور ہی ہیں مگر اصول کے اعتبار سے ان سے زیادہ چشتیہ متبع سنت ہیں۔ البتہ جو چشتیہ ہونے کے محض مدعی ہی ہیں اور ہیں جاہل اور غالی ان کی نسبت میں نہیں کہتا لیکن اہل حق اور اہل علم میں جو چشتیہ ہیں وہ نقشبندیوں سے بھی زیادہ متبع سنت ہیں جیسا ان کے اصول سے معلوم ہوتا ہے اور نقشبندیوں میں بھی سب محقق نہیں تو وہ متبع سنت بھی کامل نہیں ہو سکتے چنانچہ ایک نقشبندی جو عالم بھی تھے اور مشائخ میں سے بھی مشہور تھے ان کی ایک بات سن کر مجھ کو حیرت ہوگئی۔ ایک صاحب جو ذاکر شاغل ہیں ان نقشبندی صاحب کو بزرگ سمجھ کر ان سے ملنے کی غرض

سے ان کے پاس گئے انہوں نے اول یہ سوال کیا کہ کچھ ذکر و شغل کرتے ہو۔ سو اول تو یہ سوال ہی غیر مناسب ہے اس لئے کہ یہ بندہ اور خدا کے درمیان ایک راز ہے۔ بتلاتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ اور بلا ضرورت بتلانا بھی نہیں چاہئے۔ خیر انہوں نے اخفاء کو خلاف ادب سمجھا کہ ایک بزرگ پوچھ رہے ہیں بتلا دیا۔ اس پر یہ سوال کیا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے انہوں نے کہا نظر تو کچھ نہیں آتا اس پر کہتے ہیں خیر بہتر ثواب لئے جاؤ باقی نفع کچھ نہیں مجھ کو تو حیرت ہوگئی کہ اہل علم اور مشائخ میں سے ہو کر بالکل عامیانہ بات کہی کیا ثواب سے بڑی بھی کوئی چیز ہے جو مقصود ہے بلکہ جو چیزیں طریق میں مقصود سمجھی جاتی ہیں خود ان سے بھی ثواب ہی مقصود ہے۔ اور اگر کچھ عجیب چیزیں ہی نظر آنا مقصود ہیں تو کچھ روپیہ صرف کیجئے اور کسی بڑے شہر میں چلے جایئے۔ مثلاً بمبئی ہے کلکتہ ہے رنگون ہے۔ شملہ ہے بہت کچھ عجیب چیزیں نظر آجائیں گی ایسے ہی لوگوں نے طریق پر منکروں کو اعتراض کا موقع دیا۔ غیر مقلد جو صوفیوں سے زیادہ برہم ہیں وہ ان خرافات ہی کی وجہ سے حالانکہ ان چیزوں کو طریق سے کوئی تعلق نہیں نہ طریق ان چیزوں کا نام ہے طریق نام ہے اتباع سنت کا اعمال کی اصلاح کا ان ہی اعمال کے رسوخ کے لئے مشائخ کے یہاں ذکر و شغل کی تعلیم کی جاتی ہے باقی یہ جزو طریق نہیں مگر لوگوں نے طریق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کو جزو طریق مشہور کر دیا معترضین نے بھی حقیقت پر نظر نہیں کی اور اصل طریق ہی پر اعتراضات شروع کر دیے یہ ان کی زیادتی ہے کہیں افراط ہے کہیں تفریط۔ غرض ان غلطیوں میں عام ابتلاء ہو رہا ہے اعتدال پر کوئی بھی نہیں الا ماشاء اللہ۔ انہیں بزرگ کے ایک مرید کا خط میرے پاس موجود ہے جس میں انہوں نے اپنے پیر کو لکھا ہے کہ مجھ کو اول چھچھوندریں اور چوہے اور بطخیں نظر آتی تھیں پھر وہ بھی غائب ہوگئیں۔ یہ ہے بڑا کمال۔ یہ ایسا ہی ہوا کہ جیسے سرکاری مدارس میں بجائے علوم کے بلی چوہے کتے طوطے بیل گائے کے حالات کی تعلیم ہوتی ہے۔ پیر خوش ہوں گے کہ مرید کو نفع ہوا اور مرید خوش ہے کہ میں منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اگر ساری عمر بھی کچھ نہ نظر آوے اور اتباع سنت کا پابند رہے واللہ اس نے سب کچھ حاصل کر لیا اور ہزاروں نفع اس پر قربان ہیں کیسا نفع

لئے پھرتے ہو۔ ایک صاحب نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے طریق کے متعلق کہا تھا کہ سبحان اللہ الحمدللہ کی تعلیم ہوتی ہے درویشی نہیں ہے میں نے سن کر کہا کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ صحابہ بھی درویش نہ تھے اس لئے کہ اس وقت بھی یہ اشغال حادثہ نہ تھے ان کے یہاں بھی صرف نماز روزہ تلاوت قرآن تقوی طہارت ہی کا شغل تھا اور متعارف اشغال نہ تھے جو منہ میں آتا ہے بوجہ نادانی اور بے خبری کے ہانک دیتے ہیں یہ تمیز نہیں کہ اس کا اثر کیا ہوگا اور کہاں تک نوبت پہنچے گی اس وقت تو اکثر جگہ دعوے ہی دعوے ہیں نہ علم ہے نہ عمل بحمداللہ تعالیٰ اب اپنے بزرگوں کی برکت سے مدتوں کے بعد طریق زندہ ہوا ہے۔ اب کسی کا منہ نہیں کہ اعتراضات کر سکے اور یوں تو اللہ اور رسول کو بھی کوئی اعتراضات سے نہیں چھوڑتا۔ غیر مقلد ہوں یا مقلد صوفی ہوں یا غیر صوفی۔ عالم ہوں یا غیر عالم۔ درویش ہوں یا غیر درویش عوام ہوں یا خواص سب کو روز روشن کی طرح طریق کی حقیقت معلوم ہوگئی اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا یہ ہر شخص کا اختیاری فعل ہے اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت اور آپ کے فیوض کے ثمرات ہیں کہ اس قدر پرفتن اور الحاد اور دہریت کے زمانہ میں آپ نے اللہ کے راستے کو مخلوق پر ظاہر کر دیا بڑی ہی بابرکت ذات تھی۔

(۱۶۴) خارش اور بدعت میں وجہ مناسبت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک زمانہ میں مجھ پر پریشانی کا بے حد غلبہ تھا اس وقت الغریق یتشبث بکل حشیش کی بناء پر میں بغرض معالجہ ایک صاحب کیفیت مگر صاحب بدعت درویش کی صحبت میں خذ ما صفا ودع ما کدر کو پیش نظر رکھ کر بیٹھتا تھا ایک روز حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا مجھ کو ان سے درویش کے پاس بیٹھنے سے منع فرماتے ہیں کہ ان کے پاس مت بیٹھا کرو ورنہ خارش ہو جائے گی۔ معبرین کی اصطلاح میں خارش اور جذام کی تعبیر بدعت ہے اس کے بعد میں نے ان کی صحبت چھوڑ دی۔ خارش اور بدعت میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ جیسے خارش میں تکلیف بھی ہے اور مزا بھی اور پہلے مزا اور بعد میں سوزش ایسے ہی بدعت میں مزا بھی اور تکلیف بھی اور پہلے مزا اور بعد میں تکلیف جو آخرت میں محسوس ہوگی اور یہ بدعت گناہوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ گناہ کو گناہ تو سمجھ کر کرتا ہے اور

بدعت کو دین سمجھ کر کرتا ہے اس لئے یہ بڑی ہی خطرناک چیز ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(۱۶۵) ادنیٰ ولایت کی عجیب مثال

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بہت لوگ ایسے ہیں جو بعض غلطیوں میں مبتلا ہیں مگر ہیں نیک نیت کیا وہ بھی ولی ہو سکتے ہیں۔ فرمایا کہ بعض غلطیاں اجتہادی ہوتی ہیں سو جو شخص اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو وہ ادنیٰ درجہ کا ولی ہو سکتا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ اس کی ایسی مثال سمجھئے بلا تشبیہ کہ ایک شخص کے دو لڑکے ہیں ایک بچہ گوہ موت میں آلودہ ہے اور ایک بڑا ہے صاف ستھرا تو کیا باپ کو دونوں سے ایک سا تعلق ہوگا یا دونوں کے تعلق میں کوئی فرق ہوگا ظاہر ہے کہ آلودگی کی وجہ سے خاص اس قسم کا وہ تعلق نہ ہوگا جو بڑے بیٹے سے تعلق ہے حتیٰ کہ اس سے کبھی مشورہ بھی کرتا ہے۔ یا کسی کا ایک بیٹا ہے جوان خوبصورت پاک سیرت خوش لباس خوش گفتار خوش سلیقہ مہذب مودب عاقل فہیم اور ایک بچہ ہے اگر کسی وقت باپ سے کہا جاوے کہ ان میں سے ایک کی موت ضروری ہے اب تم ترجیح دو تو وہ کس کے مرنے کو پسند کرے گا گو محبوب دونوں ہیں مگر بڑے کے مقابلہ میں چھوٹے ہی کو کہے گا کہ مرنے بھی دو گو رنج بھی ہوگا مگر بڑے کے مقابلہ میں اس بچہ کی پروا بھی نہ کرے گا اگرچہ بعض حیثیتوں سے جزئی محبت بچہ ہی سے زیادہ ہو۔

(۱۶۶) فہم سلیم ایک خداداد عطا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فہم سلیم بھی ایک خداداد عطاء ہے اور بڑی ہی دولت اور نعمت ہے جس کو بھی نصیب فرماویں۔ کل صبح کے وقت ایک شخص گنوار گاؤں کا جو قوم سے دھنیا تھا میرے پاس آیا میں اس وقت کام میں مشغول تھا اس نے کھڑے کھڑے کہا کہ میں فلاں گاؤں سے آیا ہوں فلاں چیز کا تعویذ لینے آیا ہوں۔ اس وقت واپس ہوں گا۔ دور جگہ ہے اگر اجازت ہو پاس آ کر بیٹھ جاؤں میں نے خوش ہو کر بلا کر پاس بٹھلا لیا اور سب کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا اس سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ تیں کوس کے فاصلہ پر مکان ہے پیدل چل کر آیا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کب واپس جاؤ گے۔ کہا کہ آج ہی جاؤں

گا میں نے پوچھا کب پہنچ جاؤ گے۔ کہا کہ آج ہی پہنچ جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ آج ٹھہر جاؤ اگر کوئی حرج نہ ہو کہا کہ نہیں مجھ کو جانا ضروری ہے میں نے دریافت کیا کہ پیدل کیوں آئے کہا کہ خرچ پاس نہ تھا میں نے کہا کہ خرچ مجھ سے لے لو۔ کہا کہ آپ سے تو نہ لوں گا۔ میں نے کہا کہ آخر حرج کیا ہے کہنے لگا کہ شرم معلوم ہوتی ہے یہ بھی کہا تھا کہ گھاٹ والوں کو بھی پیسہ نہیں دیا خرچ نہ ہونے کی وجہ سے میں نے کہا کہ گھاٹ والوں سے شرم نہ کی اور مجھ سے لینے میں شرم کرتے ہو۔ کہا کہ قرض دے دیجئے۔ میں نے کہا کون سی ایسی بڑی رقم ہے جو قرض دوں غرضکہ بمشکل تمام اس شخص نے کچھ پیسے لئے اور یہ کہہ گیا کہ گھر پہنچ کر جو بچے گا اللہ کے واسطے دے دوں گا۔ میں نے کہا کہ جو چاہے کرنا تیری ملک ہے بعض فطری طور پر سلیم الطبع ہوتے ہیں مجھ پر اس کی سادگی اور صفائی کا بے حد اثر ہوا اگر میرے مزاج میں سختی ہے تو اس پر سختی کیوں نہیں کی آخر میرے کام کا تو حرج ہوا اس شخص کا استغناء ملاحظہ ہو۔ غریب آدمی پیسہ تک پاس نہیں۔ پیدل چل کر آیا کھانے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا لیکن پیسہ قبول نہ کرتا تھا آج کل یہ باتیں جن کو زہد اور تقویٰ کا دعویٰ ہے ان میں بھی نہیں۔

(۱۶۷) ہدیہ کے آداب

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہدیہ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہدیہ اتنا دے کہ جس کو دے رہا ہے اس پر بار نہ ہو۔ نیز ایک یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہدیہ حالت جوش میں نہ دے بلکہ حالت ہوش میں دے۔ مطلب یہ کہ دے تو محبت کے جوش ہی میں لیکن اس جوش کو سکون ہونے دے اس سکون کی حالت میں اپنے مصالح پر نظر ثانی کرے تاکہ کسی تنگی سے پچھتانا نہ پڑے یہ قانون ہے ہدیہ کا فرمایا کہ ہدیہ پر ایک عجیب حکایت یاد آئی ایک عالم نے اپنے وعظ میں اپنی حاجت پیش کی ایک شخص کے پاس ساری عمر کا ذخیرہ سو روپیہ تھے اس نے خیال کیا کہ اس سے بہتر مصرف اور کیا ہوگا۔ عالم ہیں حاجت مند ہیں گھر جا کر سو روپیہ لا کر پیش کر دیے۔ اس پر لوگوں نے بڑی تعریف اور مدح کی تھوڑی دیر میں آیا کہ حضرت وہ جو سو روپیہ میں نے آپ کو دیے تھے وہ میرے نہ تھے میری والدہ کی

ملک تھے۔ میں نے اس وقت یہ خیال کیا تھا کہ میرے کہنے پر میری والدہ راضی ہوجاوے گی مگر وہ اطلاع ہونے پر بہت ناراض ہوئیں کیونکہ مجھ کو اجازت نہ تھی اس لئے اس رقم کو واپس کردیجئے بے چاروں نے افسردہ ہوکر واپس کردیے اس پر لوگوں نے بہت بُرا بھلا کہا وہ چپ ہوکر چل دیا جب مولوی صاحب کو دیکھا کہ مکان پر تنہا ہیں تب نفس سے کہا لے تیرا علاج تو ہو چکا لوگوں کی تعریف پر بڑا خوش ہوا تھا وہی سو روپیہ لے کر مولوی صاحب کے پاس پھر پہنچا۔ مکان پر آواز دی مولوی صاحب ناراض تھے گھر میں سے جواب دیا کہ ہم کو فرصت نہیں اس نے کہا کہ میں روپیہ لے کر آیا ہوں آئے مولوی صاحب وہ روپیہ پیش کیا۔ مولوی صاحب نے وجہ دریافت کی کہا کہ میں نے اپنے نفس کا علاج کیا ہے اب اخلاص سے دیتا ہوں۔ سو ہدیہ کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ دینے والا تو اخفا کرے جیسا اس شخص نے کیا اور لینے والا اظہار کرے۔ نیز لینے والے سے کسی عوض کی توقع نہ رکھے حتیٰ کہ اس سے دعاء کی بھی درخواست نہ کرے اور لینے والا دعاء کرے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا** اس شکورا کے عموم میں **لا نرید منکم** دعاء بھی داخل ہے اور اب ہدیہ لینے والے کبھی تو اس لئے اظہار نہیں کرتے کہ پھر کوئی دوسرا نہ دے گا اور کبھی اس وجہ سے اخفاء کرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ دوسروں سے لے کر گذر ہوتی ہے حدود کی رعایت کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ بڑے حکیم شخص کا کام ہے۔

(۱۶۸) نئی ایجادات کے وحشت ناک نام

ایک سلسلہ گفتگو میں بطور ظرافت کے فرمایا کہ آج کل جس قدر نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں نام بھی ان کے وحشت ناک ہیں۔ مثلاً ہولڈر، ہول بھی، ڈر بھی موتمر یہ عربی لفظ ہے جس میں موت بھی ہے مر بھی گرگابی شیروانی گرگ بھی شیر بھی اور ویسی ہی خاصیتیں ہیں ان چیزوں کی۔

۱۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(۱۶۹) بلاوجہ تنسیخ سے قطع تعلق کرنے کا انجام

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی سے اصلاح باطن کا تعلق پیدا کر کے

بلا وجہ شرعی کے توڑنا بڑی ہی سخت بات ہے بعض مرتبہ بلا وجہ اس تعلق کے قطع کرنے سے خذلان کی نوبت آ جاتی ہے اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔

(۱۷۰) ایک مدرسہ سے متعلق استفتاء کا جواب

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہم تو انقلاب چاہنے والوں کی مخالفت نہیں کرتے ہاں یہ ضرور چاہتے ہیں کہ نعم البدل ہو بئس البدل نہ ہو۔ ابی یہ جو اس وقت ہیں ہم بھی کہتے ہیں کہ بُرے ہیں لیکن اگر کوئی ان سے بھی زیادہ برا آیا تو کیا ہوگا اس وقت ان کا غنیمت ہونا یاد آوے گا۔ جیسے ایک کفن چور تھا وہ مردے کی قبر کھود کر کفن نکال لاتا۔ لوگ ناراض تھے اس کے مرنے کی دعاء کرتے تھے جب وہ مر گیا تو بیٹے نے یہ حرکت شروع کی کہ کفن تو لاتا ہی تھا مگر اوپر سے مردے کے مقعد میں ایک لوہے کی میخ بھی ٹھوک آتا تب لوگوں نے اس کے باپ ہی کو اچھا کہنا شروع کیا کہ وہی اچھا تھا وہ کفن ہی کھسوٹتا تھا اور تو کوئی حرکت مردے کے ساتھ نہ کرتا تھا اور یہ ظالم کفن کھسوٹتو ہے ہی اوپر سے مردے کے ساتھ یہ حرکت بھی کرتا ہے۔ سو یہاں بھی کہیں ایسا ہی نہ ہو جاوے کہ ان کا جانشین ان سے بھی بدتر آئے اور وہی مثل صادق آئے کہ پدر اگر نہ تواند پسر تمام کند اور پھر ان کی ہی تعریف ہو۔ اس قوم میں یہ بات ہے کہ اپنی غرض کے خواہاں ہیں اپنے مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اب اس میں گو کسی کو بلا قصد ضرر ہی پہنچ جائے۔ قصد ضرر پہنچانے کا نہیں کرتے اور دوسری قوم براہ راست مسلمانوں کو ضرر پہنچانا چاہتے ہیں تو کیا یہ تھوڑا فرق ہے مگر مسلمانوں پر تعجب ہے کہ وہ اس حالت میں بھی ان مخالفین کو قوت پہنچاتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو ضرر بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ مسلمان کو دوسری قوم سے زیادہ خود مسلمان ہی زیادہ ضرر پہنچاتے ہیں اور باہم ایسی نااتفاقی ہے کہ دو مسلمان مل کر ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے نہ ایک جگہ بیٹھ کر کوئی دنیا کا کام کر سکتے ہیں نہ دین کا ورنہ اگر مسلمانوں میں اتفاق ہو جائے تو میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ ان سے کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا مگر افسوس تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے اتفاق مفقود ہی ہو گیا۔ ایک انگریز افسر نے عجیب بات کہی کہ ہندوستان میں تین قومیں آباد ہیں مسلمان ہندو انگریز۔ انگریزوں کے دو دشمن، ہندو اور مسلمان۔ ہندوؤں کے دو دشمن انگریز

اور مسلمان۔ مسلمانوں کے تین دشمن انگریز ہندو اور خود مسلمان۔ بالکل ٹھیک بات کہی بلکہ مسلمانوں کو کوئی قوم بھی نقصان نہیں پہنچا سکی جب تک کہ کسی مسلمان نے اس کے ساتھ سازش نہ کی ہو۔ موپلوں کی قوم سے ایک شخص یہاں پر آئے تھے وہ لیڈروں کو گالیاں دیتے تھے کہ انہوں نے ہمارا ناس کرایا۔ اشتعال دلا کر گورنمنٹ سے لڑا دیا۔ گورنمنٹ نے ہزاروں موپلوں کو پھانسیاں دے دیں اور لیڈروں کو کچھ بھی نہ کہا اور نہ سزا دی غرض دوسری قوموں کے خوش کرنے کے لئے مسلمان اپنے بھائیوں کو اس طرح سے نقصان پہنچا رہے ہیں اور افسوس ہے کہ ان حالات کے مشاہدہ کے بعد بھی بعض علماء ان لیڈروں کا ساتھ دیتے ہیں اور وہ لیڈران کو منہ بھی نہیں لگاتے حتیٰ کہ جو نرے لیڈر ہیں ان کے نام اور ان کے کارنامے اخباروں میں چھپتے ہیں اور مولوی صاحب دہلوی و مدنی اس قدر کام کرتے ہیں ان کا کہیں نام تک نہیں۔ اور اس کے متعلق اخبار والوں سے بھی پوچھا معلوم ہوا کہ کبھی بھی کسی اخبار میں مولوی صاحبان کا نام نہیں ہوتا۔ بھلا سوراج ملنے پر ان کو گورنری تو کیا دیتے جبکہ ان کا نام تک تو ہے ہی نہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ مولوی ہیں اس طبقے کو بے کار محض سمجھتے ہیں خود مولوی ہونا ہی جرم سمجھا جاتا ہے۔

(۱۷۱) بد سے بدتر

فرمایا کہ فلاں مقام سے خط آیا ہے لکھا ہے کہ فلاں مدرسہ والوں نے ایک بہت بڑے انگریز افسر کو دعوت دی ہے اس صورت میں اس کے خلاف پر تقریریں کرنا اور عوام کو ان کی اس حرکت کے مذموم ہونے پر مطلع کرنا مناسب ہے۔ یا اس کے استقبال میں شریک ہونا اور چندہ دینا اور ثواب کی نیت سے شامل ہونا کیا حکم ہے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کیا اس میں یہی دو شقیں ہیں تیسری شق کے متعلق بھی تو پوچھا ہوتا کہ لالہ ولا علیہ۔ اس جواب کو دیکھ کر جھلائیں گے اس لئے کہ مطلب تو حاصل نہ ہوا۔ اگر کسی شق کو متعین کر کے جواب دیدیتا تو اس کو آڑ بنا کر خوب اشتہار بازی کرتے مگر اب وہ جواب ان کے کام ہی کا نہیں۔ لوگوں کو ایسی باتوں میں مزا آتا ہے خواہ مخواہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتے ہیں۔ اور معلوم نہیں ان مدرسہ والوں کو بیٹھے بٹھلائے یہ کیا سوجھی کہ اپنے سر پر ایک علت لگا کر افتراق کی صورت پیدا کر لی۔

(۱۷۲) سفارش میں غلو کی مذمت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ سفارش کا باب بھی نہایت مکروہ ہے۔ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے لکھے پڑھے تھے ایک ہزار روپیہ کے قرضدار تھے مجھ سے ایک صاحب کے پاس سفارش کرائی۔ میں نے اس شخص کو لکھا۔ بس آگے کیا عرض کروں انہوں نے بہت ہی کم مقدار میں لکھا ہے کہ دے سکتا ہوں جس کو اس قرض کی مقدار سے کوئی نسبت ہی نہیں اب اگر سفارش نہ کرتا تو یہ صاحب یہی سمجھتے کہ خشک برتاؤ کیا۔ ذرا قلم چلانے پر میرا کام ہو جاتا اور سفارش کا یہ نتیجہ ہوا۔ اب ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر اگر ان تجربات کی بناء پر میں خاص قواعد مقرر کروں تو کیا جرم ہے اور میرے تمام اصول اور قواعد کی بناء یہی تجربات ہیں۔ بارہا کے تجربوں کے بعد ایک قاعدہ مقرر کرتا ہوں۔ اگر ان سب کی بناؤں کو بیان کروں تو ایک اچھا خاصہ رسالہ بڑی ضخامت کا تیار ہو جائے مگر لوگ ان میرے اصول اور قواعد کو نرا فرضی قانون سمجھتے ہیں مگر قانون بنا کر کیا مجھ کو حکومت کرنا ہے۔ میرے تمام قانونوں کی بنا محض طرفین کی راحت کی رعایت ہے۔

(۱۷۳) شریعت کا کام تدابیر بتلانا نہیں

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ شریعت کا نام محض احکام بتلانا ہے باقی مقاصد کی تدابیر بتلانا یہ شریعت کا کام نہیں۔ مثلاً شریعت کا فرض یہ ہے کہ آمدنی کے ذرائع کے جواز وعدم جواز کو بتلا دے باقی اس کا یہ فرض نہیں کہ یہ بھی بتلا وے کہ جب کثرت عقود فاسدہ کی ہو تو کہ پھر ہم کون سا ذریعہ معاش کا اختیار کریں جس میں کوئی خرابی شرعی نہ ہو۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص سنکھیا کھالے اور طبیب یہ کہے کہ قے کرو اس کے بعد اگر کسی مفتی سے یہ پوچھو کہ طبیب یہ کہتا ہے۔ شریعت کا کیا حکم ہے تو مفتی کہے گا کہ شریعت یہ کہتی ہے کہ جائز ہے قے کرنا۔ باقی اس فعل کی کیا تدبیر ہے تو اس کو خود متعین کرو پھر اس کا حکم بھی شریعت سے معلوم کر لو۔ مگر آج کل لوگ ہر کام کا شریعت ہی کو ذمہ دار سمجھتے ہیں جو سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے خود اہل علم کو ان باتوں کی خبر نہیں وہ جواب میں ان حدود کی رعایت نہیں رکھتے۔

سوال خواہ کیسا ہی خلاف اصول اور نا معقول ہو سائل کی رعایت سے لکھ دیتے ہیں مگر اس طرز میں بڑے مفاسد اور بڑی خرابیاں ہیں اس سے بجائے علم کے سائل کا جہل بڑھتا ہے۔ میں بحمد اللہ ان باتوں کا بے حد خیال رکھتا ہوں کہ ہر چیز میں حدود کی رعایت ہو اگر سب اہل علم یہی طرز اختیار کرلیں تو بہت سے عبث اور فضول سوالات کا دفتر بند ہو جائے۔

(۱۷۴) احکام شرعیہ کی بے قدری کا سبب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ جو محض باتیں ہی بناتے ہیں اور فضول سوالات کرتے ہیں اور احکام شرعیہ کی ان کے قلوب میں عظمت اور وقعت نہیں یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہم کو کچھ کرنا نہیں پڑا دین مفت مل گیا اس لئے اس کی قدر نہیں ورنہ اگر یہی احکام پریشانی کے بعد ملتے تو پتہ چل جاتا کہ یہ کس درجہ کی چیزیں ہیں۔ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں۔

اے گران جان خوار دیدستی مرا　　زانکہ بس ارزان خریدستی مرا

ہرکہ او ارزان خرد ارزان دہد　　گوہرے طفلے بقرص نان دہد

بچہ جواہرات کی کیا قدر جانے ایک بسکٹ کے ٹکڑے کے بدلے اس سے جواہرات اور بیش بہا موتی لے سکتے ہیں۔ سو بے قدری کا سبب تو مفت ہاتھ آ جاتا ہے پھر اس بے قدری سے شبہات و اعتراضات پیدا ہوتے ہیں ورنہ عظمت کے ہوتے ہوئے اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ دیکھئے گورنمنٹ کے احکام کے سامنے کیوں گردنیں جھکا دیتے ہو۔ ذرا وکلاء کے پاس جا کر تعزیرات ہند کی دفعات پر اعتراضات کر دو دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں صرف یہ جواب کافی ہو جاتا ہے کہ صاحب قانون یہی ہے سو یہی جواب یہاں کیوں کافی نہیں ہوتا۔ سو وہاں کیوں نہیں اعتراضات سوجھتے۔ احکام شرعیہ ہی کو کیوں تختہ مشق بنایا جائے ایک تحصیلدار صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جانا تو عقل میں آتا ہے یہ حکم تو عقل کے موافق ہے مگر جہاں ہو وہاں سے نہ جانا عقل میں نہیں آتا یہ حکم عقل کے موافق نہیں معلوم ہوتا بلکہ نہ جانے میں تو خطرہ میں پڑنا ہے میں نے کہا کہ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے تب میں آپ کا جواب دوں گا وہ یہ کہ سپاہی کا میدان کارزار سے پشت دیکر بھاگنا کیوں جرم ہے حالانکہ وہاں بھی ہلاکت تقریباً یقینی ہے کبھی اس پر بھی آپ

کو شبہ ہوا اور اعتراض کیا کہ عقل میں نہیں آتا وجہ جرم کی صرف یہ ہے کہ سلطنت نے بیس
پچیس روپیہ مہینہ دے کر اس کی جان کا سودا کر لیا سو حق تعالیٰ تو جان کے مالک ہیں کیا ان کو
اس قانون کا حق نہیں۔ سمجھ گئے پھر دم نہیں مارا یہ حالت ہے کہ دو واقعے باہم نظیر۔ شریعت پر
شبہ دنیوی رسم پر شبہ نہیں۔ ان لوگوں کی سمجھ اور عقل اور تمام دماغی قوت صرف احکام اسلام ہی
پر اعتراضوں میں ختم ہوتی ہے وجہ وہی ہے کہ قلوب میں اللہ اور رسول کی عظمت اور احترام
نہیں اسی وجہ سے شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں سو اس کی اصلاح سوال و جواب
سے نہیں ہو سکتی اس کا صرف ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ چند روز کسی کامل کی صحبت میں رہیں
اور اس سے رد و کد نہ کریں بلکہ خاموش مجلس میں بیٹھے رہا کریں ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں
کایا پلٹ ہو جائے گی اور اللہ و رسول کی عظمت پیدا ہو کر سب شبہات و اعتراضات کا چشمہ
ہی بند ہو جائے گا بدوں اس کے اس کا سد باب مشکل ہے۔

۱۳ ارجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

(۱۷۵) ایک سرکاری سکول ماسٹر کا انداز تبلیغ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں کی قوت قلبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ایک مولوی
صاحب میرے دوست ہیں۔ بہت ہی دلیر ہیں۔ سرکاری اسکول میں ملازم ہیں کہتے تھے
کہ میں اسکول میں نوکری محض اس لئے کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو خطاب کر سکوں۔ یہ بھی تبلیغ
کا ایک طریق ہے خطاب کا خوب موقع ملتا ہے۔ میں گلستان بوستان پڑھاتا ہوں اس میں
قرآن و حدیث بیان کرتا ہوں۔ طلباء کو مسلمان بناتا ہوں اور اس امر بالمعروف اور نہی عن
المنکر کی بدولت بے چاروں کو تکلفیں اور اذیتیں بھی بہت پہنچیں مگر ماشاء اللہ بڑے ہی پختہ
ہیں۔ بالکل نڈر ہیں مگر پھر بھی بشر ہیں کبھی پریشان بھی ہو جاتے ہیں اس پریشانی میں کبھی
کوئی اذیت یا تکلیف پہنچتی تو مجھ کو لکھتے اور مشورہ لیتے۔ ایک دفعہ میں نے لکھا کہ یا تو امر
بالمعروف چھوڑ دو۔ اگر نہیں چھوڑتے تو شکایت کرنا چھوڑ دو مجھ کو مت لکھا کرو میں احوال
غائبہ میں کہاں کہاں مشورہ دیتا پھروں گا اور یہ شعر لکھ دیئے۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید داد   یا قطع نظر زیار می باید کرد

اس کے بعد پھر نہ مجھ کو کچھ لکھا اور نہ امر بالمعروف کو چھوڑا برابر اسی طرح اپنے فرائض منصبی میں مشغول کار رہیں کام کرنے والوں کی یہی حالت اور یہی صورت ہوتی ہے وہ کہاں رکنے والے ہیں۔ باقی آج کل تو اکثر زبانی جمع خرچ جتنا چاہو کرالو آگے کام کرنے کے نام صفر۔ لمبی چوڑی تقریریں پر شوکت الفاظ۔ روانی بحر ذخار کی طرح مگر صرف جسم سے روح ندارد۔ بھلا اس سے کہیں کام چلتا ہے۔ کام تو کام کرنے سے چلتا ہے۔ عملی جامہ کسی بات کو بھی نہیں پہنایا جاتا تمام زور شور محض زبانوں اور اخباروں تک محدود ہے۔ اور جب کام کرنے کا نام آتا ہے وہاں ان تلوں تیل ہی نہیں البتہ دوسروں پر اعتراضات کی بھرمار شروع کر دیتے ہیں بھلا اس سے کیا نتیجہ۔

(۱۷۶) مصنوعی تواضع اور تکبر میں صورت اعتدال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نہ تکبر کو پسند کرتا ہوں اور نہ ایسی تواضع کو جس میں ذلت ہو یہاں نہ متکبروں کا گذر ہے اور نہ ایسے متواضع کو جگہ ملتی ہے جو ذلت کا درجہ اختیار کرے یا اس نیت سے تواضع اختیار کرنا کہ جس سے بے نفس ہونے کی شہرت ہو یہ بھی تکبر کا ایک شعبہ ہے ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے جس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ نہ ایسی وضع رکھے کہ کبر کی شکل ہو اور نہ تواضع کی شکل تکلف سے بنائی جاوے بس بے تکلف جو فطری عادت ہو اس پر عمل کرے اس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی نہ کبر نہ۔ مصنوعی تواضع۔ ورنہ جس صورت میں بھی تکلف ہوگا اسی میں حد سے تجاوز ہو جاوے گا۔

(۱۷۷) کسی عارف کے ساتھ تعلق کی ضرورت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دنیا دار کسی اعتبار سے بھی بڑا ہو اس سے دین دار کو تعلق پیدا کرنا تملق کی سی شان معلوم ہوتی ہے۔ عرض کیا کہ اگر وہ اپنے کو بڑا نہ سمجھتا ہو فرمایا کہ عادۃً یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بڑا آدمی اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ ایک عالم ہے وہ یہ کیسے سمجھے گا کہ میں جاہل ہوں۔ ایک شخص مضمون نگار ہے وہ یہ کیسے سمجھے گا کہ میں مضمون نگار نہیں ہوں البتہ یہ فانی ہی شخص کا کام ہے کہ باوجود کسی کمال کے اپنے کو با کمال نہ سمجھے اسی

لئے میں نے دنیادار کی قید لگائی ورنہ یہ مرض تو ایسا ہے کہ دینداروں تک کو اس میں ابتلا ہے اور یہ مرض اگر جا سکتا ہے تو کسی عارف کے ہاتھ میں فنا ہو جانے سے جا سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کو اس کے سپرد کردے یعنی وہ جو تعلیم کرے اس پر عمل کرے اور جس سے منع کرے اس کو چھوڑ دے اپنی رائے کو اس کے سامنے مٹا دے اپنے حالات کی اس کو اطلاع کرتا رہے تب یہ دولتیں میسر ہو سکتی ہیں۔

(۱۷۸) تعلق اور تملق کی شان میں فرق

ایک صاحب جن کا تعلق بیعت کا حضرت والا کے ایک اجازت یافتہ صاحب سے تھا اور عرصہ سے ان کا خانقاہ میں قیام تھا انہوں نے ایک مولوی صاحب سے جو کہ حضرت والا کے مہمان تھے ان کے قیام کے وقت میں بہت زیادہ خلا ملا رکھا پھر وہ مولوی صاحب چلے گئے ان کے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت والا نے ان صاحب سے فرمایا کہ تمہاری اس حرکت پر جو تم نے مولوی صاحب کے قیام میں ان کے ساتھ اپنا برتاؤ رکھا میں نے چوبیس گھنٹہ صبر کیا اس سے میرے جوش کا یا ہوش کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس وقت بھی تم نے مولوی صاحب کے رخصت ہونے کے وقت مجلس سے اٹھ کر ان سے معانقہ اور مصافحہ کیا۔ یہ بتلاؤ کہ ان سے تمہارا یہ تعلق کب سے ہے اور کہاں سے ہے اور اس قدر اہتمام ملاقات کا ان سے کیوں تھا کیا یہ تمہارے کوئی رشتہ دار یا ہم سبق تھے یا ہم وطن تھے جو اس درجہ اہتمام تھا۔ مجھ کو تمہاری اس حرکت سے تملق کا شبہ ہوا۔ تعلق کی شان جدا ہوتی ہے تملق کی شان جدا۔ تعلق تو جو میرے پاس آتے ہیں مجھ کو بھی ان سے ہوتا ہے لیکن اس میں ایسا برتاؤ نہیں ہوتا کہ جس میں تملق اور چمٹنے کا درجہ معلوم ہو مجھ کو اس سے شبہ یہ ہے کہ مجھ کو اس تعلق کا ذریعہ بنایا گیا ہے نیز بعض مرتبہ تعلقات سبب بن جاتے ہیں ناگواری کے جو حد سے گذر جاویں۔ اس کا آپ جواب دیں عرض کیا کہ میری اور مولوی صاحب کی جگہ پیدائش کی ایک ہے۔ دریافت فرمایا کہ اس کی اطلاع کا ذریعہ آپ ہوئے یا مولوی صاحب۔ عرض کیا کہ میں نے ہی مولوی صاحب سے معلوم کیا تھا کہ آپ کی پیدائش کہاں کی ہے۔ ان کے بتلانے کے بعد پھر میں نے اپنا وہاں کا پیدا ہونا ظاہر کیا اس سے ایک قسم کا تعلق قلب میں ہو گیا۔

دریافت فرمایا کہ یہ معلوم ہو جانے پر تم کو ہی ان سے انس کا تعلق پیدا ہو گیا یا مولوی صاحب کو بھی ہو گیا تھا۔ عرض کیا میں تو اپنے قلب میں انس پاتا تھا ان کی خبر نہیں کہ ان کو بھی مجھ سے ہوا تھا یا نہیں۔ دریافت فرمایا کہ جب یہ محض احتمالی بات تھی کہ شاید ان کو نہ ہوا ہو تو ایسا برتاؤ کہ جس سے اس کے یقینی ہونے کا درجہ معلوم ہوتا تھا کیوں کیا گیا میں دیکھتا تھا کہ تم چمٹتے تھے اور وہ تنگ ہوتے تھے حتیٰ کہ جانے کے وقت بھی انہوں نے تمہاری طرف التفات نہیں کیا اٹھ کر چل دیے تمہاری طرف دیکھا تک نہیں اس وقت بھی تم ہی مجلس سے اٹھ کر ان کے پیچھے بھاگے۔ اور یہ تعارف جو آپ نے ان سے حاصل کیا کہ ان کی پیدائش کی جگہ معلوم کی کیا جس قدر یہاں پر آنے والے لوگ ہیں سب سے معلوم کرتے ہو کہ تمہاری کہاں کی پیدائش ہے۔ عرض کیا نہیں فرمایا تو ان سے اس کی خصوصیت کیوں ہوئی۔ عرض کیا کہ میں اپنے دل میں ان کی محبت پاتا تھا۔ فرمایا جی ہاں ماشاء اللہ آپ کے واردات بھی بہت زبردست ہیں آپ کو القاء اور الہام بھی ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اتنا زمانہ تم کو یہاں پر رہتے ہوئے ہو گیا لیکن رہے مہمل ہی عبث اور فضول حرکات سے ابھی تک تم کو چھٹکارا نہیں۔ ایسا شخص کہ جس کو اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو اگر ساری عمر اور عمر بھی وہ جو عمر نوح لے کر آیا ہو اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اب دیکھ لیجئے ان بے ہودہ حرکات پر تغیر نہ ہو تو اور کیا ہو آخر کہاں تک صبر سے کام لوں اور صبر سے کام لے بھی سکتا ہوں مگر یہ کوڑ مغز تو خراب اور برباد ہوں گے آخر اس کا منشا کیا تھا جو اس قدر کنج وکاؤ کر کے بعید از بعید تعلق کی وجہ تلاش کر کے تعارف اور ملاقات کی گئی۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ فرمایا مکار مجلس میں تو تسبیح لے کر گردن جھکا کر بیٹھتا ہے اور قلب میں یہ خباثت بھری ہے۔ جاہل بدفہم بدعقل خبردار جو آج کے بعد سے مجلس میں آکر بیٹھا۔ چل دور ہو یہاں سے ورنہ طبیعت میں اور زیادہ تغیر بڑھے گا۔ آج سے خانقاہ میں قدم نہ رکھیو اور اپنے مصلح کو خط لکھ کہ یہ حرکت مجھ سے ہوئی اور فلاں شخص کو تکلیف پہنچی تاکہ وہ کوئی تدبیر تیری اصلاح کی سوچیں۔ اور ایک خط ان مولوی صاحب کو لکھ کر تم سے تعلق پیدا کرنے کی وجہ سے یہ نتیجہ نکلا نہ میں عمر بھر تم سے ملوں گا اور نہ تم مجھ سے ملنا۔ پھر فرمایا کہ میں کسی کے پہلے تعلقات کو بدلنا نہیں چاہتا مگر میری وجہ سے جو تعلقات ہوں وہ میری اجازت سے ہونا چاہئیں اور خیر اب آنے کی ممانعت میں تخفیف کرتا ہوں جب یہ مولوی

صاحب یہاں پر آیا کریں تم کو اس وقت خانقاہ میں آنے کی اجازت نہیں جب یہ صاحب خانقاہ سے چلے گئے تو فرمایا کہ یہ جو کچھ اس وقت میں نے کہا قصد سے کہا مغلوب ہو کر نہیں کہا تا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں ویسے تو نیک ہیں لیکن بے چاروں میں عقل کی کمی ہے۔ ایک مرتبہ ان سے ان کے مصلح نے کسی پریشانی میں تسلی کے لئے یہ کہہ دیا کہ تم کو تو اگر تعلیم اور تلقین کی اجازت دیدی جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس پر شہرت دیدی کہ مجھ کو خلافت مل گئی یہ حالت ہے ان کی کم عقلی کی۔ عملی زندگی ان کی نہایت اچھی ہے نہ معلوم یہ حرکت کیوں ہوئی ایک عرصہ سے یہاں پر رہتے ہیں مجھ سے بے حد محبت رکھتے ہیں میں بھی ان کا اکثر خیال رکھتا ہوں اور اب بھی ان کی اصلاح کی غرض سے میں نے یہ طرز اختیار کیا اور قصد سے کیا۔ اب کبھی ساری عمر ایسی حرکت نہ کریں گے اور نیا تعلق تو اب کیا پیدا کریں گے پرانے ہی تعلقات میں ان کو جھجک پیدا ہو گئی ہو گی۔ بس یہ ہے میری بداخلاقی کہ دوسروں کے اخلاق درست ہوں تو ایسی بداخلاقی تو خوش اخلاقی ہوئی اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ میری بداخلاقی کا منشا خوش اخلاقی ہے اور اوروں کی خوش اخلاقی کا منشا بداخلاقی ہے۔ ان کے اپنے اخلاق تو درست رہتے ہیں لیکن دوسروں کے اخلاق تباہ اور برباد ہوتے ہیں۔

(۱۷۹) باب تربیت بڑا نازک ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ باب تربیت بالکل مسدود ہو گیا۔ مشائخ تک کو اس طرف توجہ نہیں۔ چند چیزوں کا نام درویشی اور بزرگی رکھ لیا ہے نہ اعمال کا اہتمام نہ افعال کی خبر نہ اقوال کی حفاظت جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا۔ مجنونانہ باتوں کا نام درویشی رکھ لیا ہے محبوبانہ بات کا ایک کا بھی پتہ نہیں باقی باب تربیت بڑا ہی نازک فن ہے۔

(۱۸۰) ایک رسالہ پر تقریظ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے جو مولوی کہلاتے ہیں ایک رسالہ لکھا ہے جس کے سر نہ پیر مجھ سے تقریظ لکھنے کیلئے کہا میں نے صرف رسالہ کی حقیقت بیان کر دی ہے۔ تعریف میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ پھر رسالہ پر دعاء کے لئے درخواست کی گئی میں نے لکھ دیا کہ تمہاری مرضی کے موافق اس میں باتیں ہیں ان کو نافع فرما اور جو مرضی کے خلاف ہوں ان کو معاف فرما۔

(۱۸۱) حضرت شیخ الہندؒ اور ان کا ترجمہ کلام پاک

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ قیام مالٹا میں قرآن شریف کا ترجمہ لکھا مگر فوائد پورے نہیں ہوئے تھے دوسرے اہل علم نے پورے کئے اس کو ایک مطبع والے نے حضرت کے ورثاء سے خرید لیا معلوم ہوا کہ بہت بڑی رقم لی گئی اگر حضرت مولانا تشریف رکھتے ہوتے تو کیا وہ بھی لیتے بلکہ بعید نہ تھا کہ پانچ سو روپیہ اور اپنے پاس سے چھاپنے والے کو امداد کے لئے دیتے۔ میرے اعتقاد میں تو یہ حضرات قریب قریب متقدمین کے ہم پلہ ہیں جیسے جنید۔ غزالی تھے مگر اپنے زمانہ میں ہونے کی وجہ سے لوگ قدر نہیں کرتے۔ صاحب مطبع نے مجھ سے حضرت مولانا کے ترجمہ پر تقریظ لکھنے کے لئے کہا۔ میں نے جواب دیا کہ تقریظ وہ لکھ سکتا ہے جس کو تنقید کا حق حاصل ہو اور مجھ کو یہ حق نہیں بلکہ میرا تعلق حضرت سے تقلید کا ہے ایسے شخص کی تقریظ کیا معتبر ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے میں تقریظ سے معذور ہوں۔ دوسرے حضرت کے کلام پر یا ترجمہ پر تقریظ کی ضرورت ہی کیا ہے اور صاحب مطبع نے مجھ کو ایک نسخہ بھی دینا چاہا مگر میں نے مفت لینے سے انکار کر دیا کہ میں اس کو اہانت سمجھتا ہوں کہ میں مفت لوں۔ اگر توفیق ہوئی میں اسی طرح خریدوں گا جیسے اور لوگ خریدتے ہیں۔ سچ یہ ہے حضرت مولانا کو کسی نے پہچانا نہیں الا نادراً اور وجہ یہ ہے کہ جو حق کو نہیں پہچانتا وہ اہل حق کو کیا پہچانے گا اسی وجہ سے زمانہ تحریک میں عام طور سے مجھ پر اعتراض ہوا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو یوسف امام محمد نے اختلاف کیا اس کا کیا جواب ہے دوسرے میں نے مولانا سے اختلاف کیا خلاف تو نہیں کیا خدانخواستہ میں نے کوئی بے ادبی تو نہیں کی اور نہ مولانا پر بحمداللہ اس اختلاف سے ذرہ برابر گرانی ہوئی اس لئے کہ حضرت اختلاف کی حقیقت سے باخبر تھے اور اختلاف تو میں نے بعض مسائل میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا ہے جو حضرت مولانا کے بھی شیخ تھے۔ اسی اختلاف کے متعلق ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت اشرف علی کے والد کا روپیہ بینک میں داخل ہے اور اس کو لینے سے انکار

ہے حضرت سمجھا دیں کہ وہ روپیہ لے لے۔فرمایا سبحان اللہ اگر کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے تو کیا میں تقوے سے منع کروں۔اپنے اکابر کو اس رنگ پر دیکھا وہی عادت پڑی ہوئی ہے اس کے خلاف کو طبیعت قبول نہیں کرتی۔ حقیقت میں یہ حضرات خدا پرست حق پرست تھے ان کے یہاں ہر چیز اپنی حد پر رہتی تھی اور اب تو رسم کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ حقائق بالکل مٹ گئے جس کو دیکھو نفس پرست رسم پرست اوہام پرست۔دنیا پرست مال پرست۔جاہ پرست۔ اور خدا پرست حق پرست مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔

(۱۸۲) مسلم اور غیر مسلم کے اخلاق میں فرق

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا اگر آدمی خدا کے راضی کرنے کو اخلاق اختیار کرتا ہے اس میں رسوخ بھی ہوتا ہے اور جس شخص کے اخلاق اپنی اغراض کے لئے ہوں کہ جیسا موقع دیکھا ویسا کر لیا اس کا کیا اعتبار۔ مسلم من حیث المسلم اور غیر مسلم کے اخلاق میں یہی ایک فرق ہے۔غیر مسلم اپنی غرض کے لئے کرتے ہیں اور مسلم خدا کے لئے۔

(۱۸۳) عقل عطاء حق ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل مکتسب ہے اور اہل حق کا مذہب ہے کہ عطاء حق ہے۔اور کثرت سے واقعات مشاہدات اہل سنت ہی کے مؤید ہیں۔ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً تین سال کی ہوگی سردی کی وجہ سے اس کو روئی کا ٹوپا اڑھا رکھا تھا اور وہ گھڑی کی آواز سننا چاہتی تھی تو اس نے پہلے تو اس کا تقاضا کیا کہ میرے سر سے ٹوپا اتار دو پھر اس طرف کان لگا کر بیٹھی۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عقل فطری ہے مکتسب نہیں ورنہ بچے کو کیسے معلوم ہو گیا کہ گھڑی کی آواز سننے میں یہ ٹوپا حائل ہوگا۔یہ دوسری بات ہے کہ یہ فطری چیز کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہو اگر پہلے سے عطاء نہیں کی گئی تو نئی بات کو سن کر قلب کہیں تصدیق کرتا ہے اور کہیں انکار تو اس میں پہلے سے وہ کیا چیز ہے جس پر اگر نئی بات کو منطبق پاتا ہے تو تصدیق کرتا ہے اور منطبق نہیں پاتا تصدیق نہیں کرتا۔

(۱۸۴) لطیفہ ندائے غائب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں ایک دوست کا مدعو کیا ہوا حیدر آباد دکن گیا تھا وہاں پر ایک

بیان میں میں نے نداء غائب کے متعلق ایک لطیفہ بیان کیا جس کا رنگ بیان کے وقت استدلال کا سا تھا۔ایک صاحب جو بڑے عہدے پر ممتاز تھے جائے قیام پر آئے اور بہت سلیقہ اور ادب سے کہا کہ یہ استدلال کس درجہ کا ہے میں نے کہا کہ آپ ماشاء اللہ سمجھ گئے وہ استدلال نہ تھا بلکہ ایک لطیفہ تھا جو بصورت استدلال ہے۔سلیقہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔انہوں نے کس خوبصورتی سے اعتراض کو ظاہر کیا۔اس سوال و جواب کی تفصیل نہایت لطیف وعظ اسرار العبارۃ کے اخیر میں بعنوان حاشیہ شائع ہوئی ہے۔یہ وعظ سلسلہ التبلیغ کا سینتالیسواں وعظ ہے۔

(۱۸۵) سفارش سے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کا معمول

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرا سفارش کے متعلق یہ معمول ہے کہ جب کوئی مجھ سے سفارش چاہتا ہے میں واقعات لکھ کر مخاطب کو آزادی کے ساتھ اس طرف متوجہ کر دیتا ہوں جس سے واقعات اور حاجت کا علم بھی ہو جاوے اور گرانی بھی نہ ہو۔تا کہ نہ جبر ہو اور نہ اپنی یا جس کی سفارش کی گئی ہے ذلت ہو۔اس میں شریعت کی عقل کی۔غیرت کی۔حیاء کی سب کی رعایت رکھتا ہوں اس کو لوگ ٹالنا سمجھتے ہیں۔خیر سمجھا کریں میں اپنے معمول کو کیسے بدل دوں اور کیوں خواہ مخواہ خود ذلیل ہوں یا مخاطب ہو کر مجبور کروں۔ایسی سفارش کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔فلاں مدرسہ کے کارکنان نے ایک درخواست جو نواب بھوپال کے نام روانہ کرنے کے لئے لکھی گئی تھی جس میں مدرسہ کی مختصراً حالت اور امداد کی ضرورت کو ظاہر کیا تھا حضرت والا کی خدمت بابرکت میں برائے تصدیق پیش کی۔اس پر حضرت والا کا تصدیقی مضمون جس میں شریعت عقل۔غیرت۔حیاء۔سب کی رعایت کو محفوظ رکھا گیا ملاحظہ ہو۔وہ مضمون ذیل میں درج ہے اور یہ مضمون مکتوبات حسن العزیز میں ۱۳ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ یوم یکشنبہ کی تاریخ میں نقل ہو چکا ہے۔بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ سے کارکنان مدرسہ ہذا نے توثیق کے لئے تصدیق کی درخواست کی۔چونکہ مدت طویلہ سے میرا سفر متروک ہے اس لئے بجائے مشاہدہ کے روایات ثقات کی بناء پر جس کو میرا قلب بھی قبول کرتا ہے مضمون ہذا کی تصدیق کرتا ہوں اور بجائے عادت متعارفہ سفارش کے تعلیم دینی کی اعانت کے فضائل کی تذکیر کرتا ہوں اور بعد تصدیق و تذکیر کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس درخواست میں کامیابی عطاء فرماوے حق

تعالیٰ حضرت والا کو جزاء خیر عطاء فرمائیں اور تادیر ہمارے سروں پر مامور فرمائیں کس پاکیزہ اور لطیف عنوان سے مضمون تصدیق تحریر فرمایا جس میں توکل کی حقیقت اور دینی خدمت کی ضرورت اور دین سے تعلق کو ظاہر فرماتے ہوئے صاحب اعانت کی امداد وعدم امداد سے مستغنی اور خود صاحب اعانت سے استغناء اور عدم تملق کی بھی حقیقت کو ظاہر فرما دیا اور یہ بتلا دیا کہ ہر صاحب علم اور دیندار کو اپنا یہی مسلک اور طرز اور دستور العمل بنالینا چاہئے تاکہ دین واہل دین کی بے وقعتی اور تحقیر اہل دنیا کی نظر میں نہ ہو حضرت والا کے مضمون تصدیقی سے ایک شان استغناء برستی ہے جو توحید کامل پر دال ہے۔(احقر جامع ملفوظات صغیر احمد غفرلہ ۱۲ منہ)

۱۳ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(۱۸۶) حکایت واجد علی شاہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے زمانہ میں پکے لوگ ہوتے تھے۔ بادشاہوں کے دربار میں بھی معمولی معمولی لوگ حق بات کہنے سے نہیں رکتے تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانہ میں علی نقی وزیر اعظم تھا۔ بڑا ہی متعصب شخص تھا اسی زمانہ میں شاہی مطبخ کے ایک داروغہ تھے سنی ان کی مہر ہو کر واجد علی شاہ کے دستر خوان پر کھانا آتا تھا۔ ان داروغہ نے اپنی مہر پر اپنے نام کے ساتھ چار یاری بھی کندہ کرا رکھا تھا۔ ایک روز علی نقی نے براہ شرارت ان داروغہ سے کہا کہ خان صاحب آپ کی مہر پر جو آپ کے نام کے ساتھ چار یاری کندہ ہے کیا آپ کی بیوی بھی چار یاری ہیں کہا کہ جی ہاں وہ بھی چار یاری ہیں مگر آپ کی بیگم سے ایک یار کم اس لئے کہ وہ پنجتنی ہے واجد علی شاہ بھی سن رہے تھے وزیر پر خفا ہوئے کہ اور چھیڑ اپنے بہنوئی کو میں نے تم کو بارہا منع کیا ہے کہ ان لوگوں کو مت چھیڑا کرو۔ مگر تم باز نہیں آتے۔ اب جواب کیوں نہیں دیتے خاموش کیوں ہو۔ ایک حکایت اور یاد آئی۔ واجد علی شاہ سواری پر چلے جا رہے تھے ایک سنی خدمت گار ساتھ تھے ایک قبرستان پر گذر رہا ہوا۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں تھیں ایک قبر پر کتا ٹانگ اٹھائے پیشاب کر رہا تھا واجد علی شاہ قرائن سے سمجھے کہ ایسے قبرستان سنیوں ہی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ شیعوں کے قبرستان پر تکلف ہوتے تھے اس لئے کہ حکومت تھی اور یہ لوگ اکثر روپیہ والے بھی ہوتے ہیں۔ واجد علی شاہ نے ان سنی سے کہا کہ یہ قبر کسی سنی کی معلوم ہوتی ہے۔ ان

سنی نے جواب دیا کہ جی حضور صحیح ہے۔ بجا فرمایا جب ہی تو رافضی کتا اس پر پیشاب کر رہا ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس دلیری کا بادشاہ کی بھی پرواہ نہ کی فوراً ترکی بترکی جواب دیا۔ آج کل تو مصلحت پرستی ہی میں رہتے ہیں یہ ان لوگوں کی حکایات ہیں جو ملازمت بھی انہیں کے یہاں کرتے تھے اور ملازمت بھی ادنیٰ درجہ کی۔ اب تو کوئی برابر والے کے سامنے بھی ایسی بات نہیں کر سکتا ان لوگوں کے ایمان قوی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شہید رحمتہ اللہ علیہ لکھنؤ تشریف لے گئے وہاں پر قیام تھا ایک خرگوش شکار کر کے لائے وہ ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ ایک شیعی مجتہد بغرض ملاقات مولانا کے پاس آئے اتفاق سے ایک کتا آیا اس نے خرگوش کو جو ذبح کیا ہوا رکھا تھا سونگھا اور ہٹ گیا۔ مجتہد صاحب مولانا سے کہتے ہیں کہ مولانا آپ کے شکار کو تو کتا بھی نہیں کھاتا (اس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ خرگوش شیعوں کے مذہب میں حرام ہے مولانا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جناب مجتہد صاحب یہ شکار کتوں کے کھانے کا نہیں۔ انسانوں کے کھانے کا ہے۔ مجتہد بے چارے کو سانس نہیں آیا۔ حضرت شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی برہنہ شمشیر تھے۔ ان کے یہاں تو ہزاروں کوس تک بھی مصلحت پرستی کا نام نہ تھا۔

(۱۸۷) ایک نئی درویشی

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ فلاں بزرگ نے مجھے بند کر کے ذکر کرنے کی تعلیم فرمائی تھی اس تعلیم پر عمل کیا اب دماغی کیفیت سے مجنون بنا ہوا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ اب درویشی ان ہی چیزوں کا نام رہ گیا ہے۔ یہ شیخ ہیں نہ طریق کی خبر نہ طالب کی حالت اور استعداد پر نظر بے چارے کو مجنون بنا دیا۔ سنت پر عمل کرنے والے کو کہتے ہیں کہ یہ ملانوں کا کام ہے۔ ان کو درویشی سے کیا تعلق شاید درویشی کی کوئی قسم ایسی بھی ہوگی کہ جس کو نہ شریعت سے تعلق نہ سنت سے تعلق۔ ایک نئی درویشی ان جاہلوں نے گھڑ رکھی ہے۔ ان جاہلوں نے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کر رکھا ہے پھر اپنے کو درویش صوفی شیخ کہلاتے ہیں مقتدا ہونے کا صاحب باطن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دے۔

(۱۸۸) بینک کے سود کا مصرف

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کر دیا جائے اور سود نہ لیا جائے

اس کا کیا حکم ہے فرمایا کہ بینک والے اس روپیہ کو بجنسہ محفوظ تھوڑا ہی رکھتے ہیں اس روپیہ پر دوسروں سے سود لیتے ہیں تو اس جمع کرنے میں اعانت ہوئی معصیت کی اور اس کا کوئی نفع نہ ہوا اور بینک والوں کو فائدہ پہنچا اور اس کے سر پر مفت گناہ کا بار رہا باقی اگر غلطی سے روپیہ جمع ہو چکا ہو تو اخف المفسد تین یہی ہے کہ غرباء پر تقسیم کر دیا جائے۔

(۱۸۹) حظوظ نفسانی کو دین سمجھنا غلط ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دین میں بھی حظوظ نفسانی کو دخیل بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اگر تہجد قضا ہو جائے تو رنج ہوتا ہے اور اگر فجر کی فرض نماز قضا ہو جائے تو رنج نہیں ہوتا کیا یہ دین ہے۔ محض حظ نفس ہے ورنہ فرض قضا ہونے کا زیادہ رنج ہے مگر نفس تہجد کو بزرگی سمجھتا ہے اور فرض کو معمولی اس لئے اثر بالعکس ہوتا ہے۔ اور اسی قسم کی بہت سی غلطیوں میں ابتلاء ہو رہا ہے۔

(۱۹۰) اظہار قابلیت کا مرض عامہ

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے عربی میں لکھا ہے۔ مگر میں نے اردو میں جواب دیا ہے اور میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تم اردو جانتے ہو تو پھر عربی زبان میں جو خط لکھا میں اس مصلحت کی مصلحت جاننے کا مشتاق ہوں مگر مصلحت کچھ بھی نہیں محض اظہار قابلیت مقصود ہے یہ مرض بھی لوگوں میں عام ہو گیا ہے۔ ۱۴ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

(۱۹۱) کپڑے دھوئے جانے والے تالاب کا حکم

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اکثر دیہات کے قرب میں تالاب ہوتے ہیں دھوبی ان میں کپڑے دھوتے ہیں۔ تو کیا ایسے تالابوں کا پانی پاک ہے۔ فرمایا کہ دو باتیں دیکھنے کی ہیں ایک تو یہ کہ وہ پانی کہاں سے آ کر جمع ہوا دوسرے یہ کہ جو پانی آ کر جمع ہوا اس میں مقدار زائد پاک کی ہے یا ناپاک۔ اگر اطراف سے آ کر جمع ہوا تو یہ دیکھا جاوے کہ وہ اطراف گندے ہیں یا صاف حاصل یہ ہے کہ اگر پاک کی مقدار زائد ہے تب تو پاک ہے اور اگر ناپاک کی مقدار زائد ہے تو ناپاک کیوں گندہ پانی زیادہ جمع ہو کر بھی پاک

نہیں ہوتا۔ مثلاً کثرت سے مقدار میں پیشاب جمع ہو اور اس میں تھوڑی مقدار میں پاک پانی ڈال دیا جائے وہ ناپاک ہی ہوگا اور اگر کثرت سے مقدار میں پاک پانی جمع ہو اور اس میں تھوڑی سی مقدار میں پیشاب ڈال دیا جائے تو وہ پاک رہے گا۔

(۱۹۲) زمانہ تحریکات میں حضرت حکیم الامتؒ کا مسلک

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اور احسان ہے کہ زمانہ تحریکات میں معذرت کے لئے مجھ کو کسی کے در پر نہیں جانا پڑا۔ سب یہاں ہی پر آئے اور معافیاں چاہیں۔ میں نے سب کو دل سے معاف کر دیا اس خیال سے کہ میں خود اللہ تعالیٰ کا خطاوار ہوں وہ مجھ کو معاف فرما دیں گے۔ دوسرے میرا اس میں کونسا نفع ہے کہ میری وجہ سے ایک مسلمان کو عذاب ہو میں نے اللہ سے دعاء کی ہے کہ میری وجہ سے کسی سے مواخذہ نہ فرمایا جائے۔ آخرت کا مواخذہ بڑا ہی زبردست اور خطرناک ہے حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس وقت کے مواخذہ اور عتاب سے محفوظ فرمائیں کون برداشت کر سکتا ہے۔

ایک مولوی صاحب جو زمانہ تحریک میں نہایت زبردست خلاف پر تھے انہوں نے ایک رسالہ میرے پاس تقریظ کے لئے بھیجا ہے میں ان سے ایک سوال کرتا مگر کیا کروں ایسی باتوں کی اپنی عادت نہیں۔ جی شرماتا ہے۔ سوال یہ کرتا کہ پہلے تو میں گمراہ تھا مضر اسلام تھا کیا اب اس قابل ہو گیا کہ رسائل پر تصدیق لکھوں حالانکہ میرے اب بھی وہی عقائد ہیں وہی مسلک وہی مشرب وہی مذہب ہے جو زمانہ تحریک میں تھا میں ایک انچ بھی اپنے خیالات سے نہیں ہٹا اور نہ ہٹ سکتا ہوں اس لئے کہ میں ان خیالات کو حق سمجھتا ہوں ان ہی لوگوں کا طرز بدل گیا۔ خدا معلوم کیا سمجھ کر کھڑے ہوئے تھے اور کیوں ہٹ گئے اب نہ ململ حرام ہے نہ ڈھاکہ نہ چکن سب وہی استعمال کر رہے ہیں اس وقت ایک عجب ہڑبونگ تھا حق ناحق کا تو ذکر ہی کچھ نہ تھا جو زبان سے نکل گیا وہی حق تھا۔

(۱۹۳) ایک بے جوڑ معجون مرکب رسالہ

ایک صاحب نے تقریظ کے لئے بذریعہ ڈاک ایک رسالہ بھیجا۔ حضرت والا نے چند

مقامات سے اس رسالہ کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ جا بھلے مانس اتنی تکلیف اٹھانے کی تجھ کو کیا ضرورت تھی محض بیجوڑ اور عجب معجون مرکب رسالہ بنایا ہے۔ محنت تو بہت کی ہے قریب قریب تمام تفسیروں کے حوالے دیئے ہیں۔ لفظی تحقیقات کثرت سے کی ہے مگر حاصل کچھ بھی نہیں۔ آج کل مصنفین کی بڑی کثرت ہے۔ اب میں ان کو ضابطہ کا جواب لکھوں گا اس پر مجھ کو بدنام کرتے پھریں گے۔ ان کو یہ لکھوں گا کہ اس رسالہ کو نہ شائع کیجئے اور نہ ضائع بلکہ خود ہی اس کا مطالعہ کیا کیجئے۔ نیز اس رسالہ میں مخالفین پر بری طرح اعتراضات کئے ہیں۔ برا بھلا تک کہا ہے مجھ کو یہ پسند نہیں۔ صاحب دین کی خدمت کرنا مقصود ہے یا لوگوں سے لڑائی لڑنا۔ اس طرز میں بجائے خلوص کے نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے اور مخاطب پر بجائے اچھا اثر ہونے کے برا اثر ہوتا ہے۔ خدا معلوم ان لوگوں کو تصنیف کا شوق ہی کیوں ہوتا ہے چپ چاپ بیٹھے رہیں دنیا میں اور بہت کام ہیں ان میں مشغول ہوں اور دنیا کے کاموں میں بھی ان کاموں کو پسند کرتے ہیں جن میں شورش اور فتنہ ہو۔ جی ہی ایسے کاموں میں لگتا ہے کیا بھدی طبیعتیں ہیں بدفہمی اور بدعقلی کا غلبہ ہے حق تعالیٰ فہم صحیح نصیب فرماویں۔

(۱۹۴) پہلے لوگوں کا اختلاف میں معمول

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو یہ رنگ ہے کہ ذرا تقریر میں یا تحریر میں کسی سے مخالفت ہوئی پھر بدوں کفر تک پہنچائے نہیں چھوڑتے اور پہلے لوگوں کی حالت سنئے۔ مولوی فضل حق صاحب مولانا شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مقابل تھے ایک مرتبہ مولوی فضل حق صاحب تھانہ بھون تشریف لائے تھے۔ قاضی نجابت علی صاحب رئیس مشہور نے مولوی فضل حق صاحب سے پوچھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ قاضی صاحب وہ ایسے شخص ہیں کہ ان کے مقابل کے لئے یہی بہت بڑا فخر ہے کہ ان کا مقابل ہے۔ پھر قاضی صاحب نے مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کی نسبت پوچھا وہابیت بدعت کا ان سے بھی اختلاف تھا مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس مجلس میں انسانوں کا ذکر ہو رہا ہے کسی انسان کو پوچھئے جس وقت جبرئیل میکائیل کا ذکر ہوگا اس وقت شاہ محمد اسحاق صاحب کا ذکر کیجئے۔ یہ حالت تھی مخالفوں کے ساتھ عقیدت کی پہلے لوگوں کا یہ طرز تھا

کہ اختلاف اپنی حد پر ہے اور دوسرے کے کمالات بھی پیش نظر ہیں اب تو ذرا ذرا بات میں اپنے مخالف کو کھلم کھلا برا بھلا کہتے ہیں نہ کوئی علمی تحقیق ہے نہ اصول پر مناظرہ ہے۔ گالیوں سے اور کفر کے فتووں سے رسالے بھرے ہوتے ہیں کیا اس کو دین کی خدمت کہیں گے۔

(۱۹۵) نہایت پرفتن دور

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ زمانہ نہایت ہی پرفتن ہے جو غریب اپنے مسلک اور مشرب اور اپنے بزرگوں کے طرز پر رہے اور سلف کا مذہب اختیار کرے سب اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ کسی طرح چین نہیں لینے دیتے۔ چنانچہ اسی جرم میں میرے حال پر بھی بعض کی عنایت ہے مگر الحمدللہ میں التفات بھی نہیں کرتا۔ بولنا مجھ کو بھی آتا ہے۔ زبان اللہ نے مجھ کو بھی دی ہے اللہ نے قلم بھی میرے ہاتھ میں دیا ہے لیکن میں تو اس طرز ہی کو پسند نہیں کرتا ہوں جو طرز سلف سے بزرگوں کا چلا آ رہا ہے اور اپنے اکابر کا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہی پسند ہے اسی پر رہنے کو پسند کرتا ہوں نیز میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں اہل علم سے بہت شرماتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں جی چاہتا ہے کہ اپنا ہی نقص نظر میں رہے۔ میں چھوٹے سے چھوٹے طالب علم کی اپنے قلب میں عظمت و احترام پاتا ہوں میں کبھی اہل علم کو ایسا خطاب کرنا پسند نہیں کرتا جس سے ذرا برابر بھی ان کی اہانت کا شبہ ہو۔ تحریک کے زمانہ میں بعض اہل علم تک نے مجھ پر ردوقدح کیا مضامین شائع کئے مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا محض اس خیال سے کہ خدانخواستہ تقریر و تحریر میں میری نیت کسی مناظرہ مکالمہ یا ردوقدح کی نہ تھی بلکہ اظہار حق مقصود تھا اس پر لوگوں کو ناگواری ہوئی اور اعتراضات کئے مگر میں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ صبر کیا اور ان کے علم کی وجہ سے اپنے قلب میں ان کی ویسی ہی عظمت و احترام پاتا تھا۔ اور اگر اپنے اکابر کا طرز پیش نظر نہ ہوتا۔ نیز قلب میں اہل علم کی عظمت اور احترام نہ ہوتا اور ان کی طرح میں بھی زبان کھولتا اور بولتا اور قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھتا تو بہت سے ٹھیک ہو جاتے مگر یہ زور شور اسی وجہ سے تھا کہ سمجھتے تھے کہ اس کا مسلک اس کا طرز صبر و سکوت کا ہے ہم بھی اپنی بھڑاس نکال لیں۔

(۱۹۶) بیہودہ بات پر مواخذہ کا حکیمانہ معمول

ایک شخص کی بیہودہ بات پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ لوگ مجھ کو مشورہ دیتے ہیں کہ

نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔اب یہ شخص آیا ہے کہتا ہے کہ ہمارے یہاں بیاہ شادی میں برہمن تاریخ مقرر کیا کرتے ہیں مگر میرے لئے تم کردو اب اگر اس کے مطابق تاریخ مقرر کردوں تو نرمی تو یہی کہلائے گی مگر حاصل اس کا یہ ہوگا کہ بجائے برہمن کے مولوی ہو لیکن تاریخ کا مقرر ہونا ضروری ہے۔ایسے جاہلوں کے مقابلہ میں میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ معنوں تو حضرت شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ہو یعنی صاف اور عنوان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ہو یعنی نرم اور سہل بقول مولانا رومی

نرم گو لیکن مگو غیر صواب　　　وسوسہ مفروش درلین الخطاب

سو کوشش تو یہی کرتا ہوں لیکن پھر بشر ہوں کبھی اگر مخاطب جہالت کی بات کرے تو عنوان بھی سخت ہو جاتا ہے۔

(۱۹۷) تصوف میں سب سے زیادہ آسان علم ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علوم میں تصوف سب سے زیادہ آسان علم ہے مگر تعجب ہے فلاں مولوی صاحب سے کہ عالم فاضل ہو کر انہوں نے تصوف کو سب سے زیادہ مشکل بتلایا۔ مجھ سے ان کی خط و کتابت ہوئی اس سے مجھ کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ چاہتے تھے کہ توجہ باطنی سے میرے نفس کا تزکیہ ہو جائے۔ علم و عمل کی حاجت نہ ہو۔ میں نے اس مکاتبت میں ساری عمر کی تحقیق ان کے سامنے رکھ دی تھی وہ یہ کہ طریق میں افعال مقصود ہیں انفعالات مقصود نہیں۔ علمی اصطلاح میں میں نے سارا فن دو جملوں میں ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ عالم ہیں قدر کریں گے انہوں نے یہ قدر کی کہ اس کے جواب میں یہ لکھا کہ معلوم ہوا تصوف سب سے مشکل چیز ہے۔ ساری عمر ان مولوی صاحب کی غیر مقصود کاموں میں گزری اگر تھوڑی سی کسی کامل کی صحبت اٹھائی ہوتی اس وقت قدر کرتے۔

(۱۹۸) رعایت اور چیز ہے غلامی اور چیز

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں کے متعلق ایک مولوی صاحب نے ایک بات کہی اور اس سے میں بھی متفق ہوں۔ وہ یہ کہ جذبات کی جس قدر یہاں پر رعایت ہے اتنی کہیں نہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جس قدر میں رعایت کرتا ہوں دوسرا کر نہیں سکتا۔ ہاں غلامی نہیں کرتا۔

رعایت اور چیز ہے۔ غلام اور چیز ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارا متبع بنے سو یہ مشکل ہے مجھ کو نہ خود متبع بننا پسند ہے اور نہ دوسروں کو متبع بنانا چاہتا ہوں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اصول صحیحہ کا اتباع تم بھی کرو اور میں بھی کروں۔ نہ تم میرے تابع بنو نہ میں تمہارا تابع بنوں۔ اگر اصول کے خلاف تم سے ہو میں متنبہ کر دوں اگر مجھ سے ہو تم متنبہ کر دو البتہ اس تنبیہ میں ایک فرق ضرور ہوگا وہ یہ کہ میں جو متنبہ کروں گا میرا لہجہ اور ہوگا اور تم جو متنبہ کرو گے تمہارا لہجہ اور ہوگا۔ جیسے باپ اگر بیٹے کو نصیحت کرتا ہے تو اس کا لہجہ اور ہوتا ہے اور اگر بیٹا باپ کو نصیحت کرتا ہے تو اس کا لہجہ اور ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جب خطاب کیا ہے حالانکہ باپ مشرک تھے مگر عنوان یہ تھا یا ابت یا ابت یعنی اے میرے ابا اے میرے ابا۔ نیز باپ سامنے تھے جو کہنا تھا کہہ دیتے یا ابت بڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر ایسا نہیں کیا باپ ہونے کا حق ادا کیا۔ عاجزانہ نیازمندانہ لہجہ اختیار کیا۔ تو میں بھی چھوٹے کی زبان سے خشونت اور بے باکی کے لہجہ کو گوارا نہیں کر سکتا اس کو چاہے میری کمزوری ہی سمجھی جائے۔ باقی متنبہ کرنے پر ان شاء اللہ ناراضی نہیں ہو سکتی اور ایسا بارہا بھی ہو چکا ہے میں نے فوراً قبول کر لیا مگر جنہوں نے متنبہ کیا نہایت سلیقہ سے کیا گو بدتہذیبی کے ساتھ اگر کہا جائے گا تو حق بات کو قبول کر لوں گا لیکن اس بدتہذیبی پر ناگواری ضرور ہوگی۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کی گنی کھوئی گئی۔ بہت تلاش کی نہ ملی ایک شخص نے پا کر اور نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی سے اس کے ماتھے پر پھینک کر ماری تو وہ اس کو اٹھا کر رکھ تو لے گا مگر ماتھے کو دیر تک سیلائے گا اور اس پر خفا بھی ہوگا کہ یہ بھی کوئی طریقہ ہے چیز کے دینے کا۔

۱۴ ارجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(۱۹۹) ایک اصولی بات

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے میں نے ان سے ان کے ایک خلاف اصول خط کے جواب میں کچھ سوالات کئے تھے سیدھے ہو گئے۔ میں اس کو ہمیشہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آدمی پہلے اپنے مطلوب کا تعین کر لے یہ اصولی بات ہے۔ ان کے خط میں یہی کمی تھی۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے مکان تعمیر کرنے سے قبل بنیاد کو قائم کیا جاتا ہے پھر اس پر تعمیر شروع

کرتے ہیں تو باقاعدہ مکان تیار ہو جاتا ہے ان ہی باتوں پر لوگ مجھ سے خفا ہیں۔ میں اصول پر چلانا چاہتا ہوں وہ بے اصول چلنا چاہتے ہیں یہی لوگوں سے میری لڑائی ہے ورنہ ان سے کیا کوئی حصہ تھوڑا ہی بانٹ رہا ہوں۔

(۲۰۰) نجدیوں کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ کی رائے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص تمام عالم کو کیسے خوش رکھ سکتا۔ اگر تمام عالم کسی سے خوش رہ سکتا ہو تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ذات ہے مگر ان سے بھی سب خوش نہیں تو پھر کسی کا کیا منہ ہے کہ اس کا دعویٰ کرے یا اس کی توقع رکھے۔ اب دیکھ لیجئے نجدیوں ہی پر کس قدر اعتراضات ہو رہے ہیں ان کی سختی کے بہت لوگ شاکی ہیں حالانکہ بعضی سختی انتظام کی ضرورت سے کی گئی ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے نجدیوں کے بارے میں پوچھا تھا کہ آپ کا ان کے متعلق کیا خیال ہے میں نے کہا کہ میرا یہ خیال ہے کہ وہ نرے نجدی ہیں وجدی نہیں بس اتنی ہی کمی ہے یعنی ان میں صوفیوں کا اثر نہیں خشک لوگ ہیں۔ اور میں نے یہ کہا کہ کاش ان میں یہ رنگ پیدا ہو جاوے تاکہ وہاں سے آنے والوں سے ہم یہ کہہ سکیں۔

باز گواز نجد و از یاران نجد   تا در و دیوار را آری بوجد

(۲۰۱) ہر جگہ ہمت سے دین پر عمل کر سکتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر آدمی پکا ہو تو ہر جگہ ہمت سے دین پر عمل کر سکتا ہے کہیں بھی کوئی مانع نہیں یہ تو محض کمزوری ہے کہ صاحب فلاں وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکا۔ فلاں وجہ سے امر بالمعروف نہیں کر سکا اور یہ کمزوری ہوتی ہے غرض سے یا خوف سے جس میں دوسرا موقع تو کسی وقت عذر کا بھی ہو سکتا ہے اور پہلا تو کوئی عذر ہی نہیں۔ ایک صاحب ویسرائے کے ایک لیکچر مین شریک تھے۔ نماز کا وقت آ گیا انہوں نے کھڑے ہو کر صاف کہہ دیا کہ ہماری نماز کا وقت ہو گیا ہے ہم نماز کو جاتے ہیں جب ہم لوگ نماز پڑھ کر آ جائیں تب لیکچر دیجئے گا ویسرائے فوراً بیٹھ گیا یہ نماز کے لئے باہر آئے تو ان سے ایک دوسرے مسلمان صاحب بولے کہ یہ آپ نے کیا حرکت کی انہوں نے کہا کہ نماز فرض نہیں کہا کیا بیشک نماز فرض ہے مگر آپ

چپکے سے اٹھ کر چلے آتے۔ انہوں نے کہا کہ لیکن تم جیسے نماز کو کیسے آتے۔ کہہ دینے میں یہ مصلحت ہوئی کہ جس قدر مسلمان اس مجمع میں تھے سب کو نماز کے لئے اٹھنا پڑا اس لئے کہ اگر نہ گئے تو دیسرائے کہے گا کہ یہ بے نمازی ہیں۔ غرض آدمی کے پختہ ہونے کی ضرورت ہے اس سے دوسروں پر خود بخود اثر ہوتا ہے بڑی زبردست تبلیغ تو یہی ہے کہ خود پختہ ہو۔

(۲۰۲) دینداروں کو نصیحت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دینداروں کو اہل دنیا خصوصاً امراء سے ایسا تعلق جس سے تملق کی شان معلوم ہو نہیں رکھنا چاہئے اس میں دین اہل دین کی تحقیر ہوتی ہے باقی مطلق تعلق کو منع نہیں کرتا لیکن تعلق کے حدود ہیں۔ حافظ محمد ضامن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب ریاست بھوپال میں تحصیلدار تھے ان سے مولوی عبدالجبار صاحب وزیر ریاست نے ملاقات کرنا چاہی اول عذر کر دیا مگر بے حد اصرار اور سفارش پر کہا کہ چند شرطیں ہیں اگر وہ منظور ہوں ملاقات کر سکتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ جب جاؤں میری تعظیم کو نہ اٹھیں دوسرے جہاں بیٹھوں وہاں سے مجھ کو اٹھائیں نہیں۔ تیسرے جب میں اٹھ کر چل دوں مجھ کو روکیں نہیں۔ وزیر صاحب نے سب کو منظور کر لیا۔ ملاقات کو گئے وہ تعظیم کو کھڑے ہونے لگے۔ کہا دیکھئے شرط اول کی مخالفت ہو رہی ہے وہ بیٹھ گئے۔ ایک معمولی جگہ پر بیٹھ گے۔ وزیر صاحب نے ممتاز جگہ بیٹھنے کو کہا۔ کہنے لگے کہ دیکھئے شرط ثانی کی مخالفت ہو رہی ہے۔ خیریت مزاج پرسی ہونے کے بعد وزیر صاحب نے کہا کہ میں کوئی عہدہ آپ کو دینا چاہتا ہوں آپ جو عہدہ منظور کریں اور پسند کریں کہا کہ میرے پچاس روپیہ تنخواہ ہے اس سے کم میں گزر مشکل ہے اس لئے یہ تو ضرور ہو۔ باقی عہدہ۔ سو اس کے متعلق یہ ہے کہ چاہے بھنگیوں کا جمعدار کر دیجئے۔ یہ کہا اور السلام علیکم کہہ کر اٹھ کر چل دیئے۔ یہ شان ہے اہل دین کی۔ ان ہی حافظ صاحب کا واقعہ ہے ایک درویش بھوپال میں آیا خدا معلوم مسمریزم کی اس کو مشق تھی یا کیا بات تھی وہ توجہ سے لوگوں پر اثر ڈالتا تھا اور امراء کو لوٹتا تھا۔ حافظ محمد یوسف صاحب کے پاس بھی پہنچا وہ کچھ لکھ رہے تھے ان پر بھی توجہ کی حافظ صاحب کو ادراک ہو گیا انہوں نے خود اس کی طرف جو توجہ کی اور یہ شعر پڑھا۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

وہ دھڑ سے زمین پر گرا اور افاقہ کے بعد کہا کہ میں تو حضور کا شغال رنگیں ہوں حافظ صاحب نے کہا کہ شاہ صاحب اس ڈھونگ میں کیا رکھا ہے اتباع سنت اختیار کرو۔ بھاگا اٹھ کر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

(۲۰۳) اصل چیز تعلیم ہے

ایک نووارد صاحب نے حضرت والا کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ میں مرید ہونے آیا ہوں اور فرمایا اگر مرید ہو گے تعلیم نہ کروں گا۔ اگر تعلیم چاہو گے مرید نہ کروں گا دونوں کو ایک جگہ جمع نہ کروں گا اب تمہارے نزدیک جو اہم ہو بتلا دو۔ عرض کیا کہ مرید ہونا چاہتا ہوں فرمایا کہ اسی چور کو پکڑنا چاہتا تھا تعلیم سے انکار۔ بیعت پر اصرار۔ دیکھ لیجئے کہ لوگوں کو جہل میں کس قدر ابتلاء ہو رہا ہے۔ مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود سمجھ رکھا ہے اب اگر کھود کرید نہ کرتا تو ان کو تو جہل ہی میں ابتلاء رہتا۔ ایسی خوش اخلاقی سے آنے والوں کا کیا نفع۔ پھر ان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر دریافت فرمایا کہ معلوم بھی ہوا کہ اصل چیز تعلیم ہے اور یہی ضروری چیز ہے۔ بیعت سے بھی یہی مقصود ہے خود بیعت مقصود نہیں۔ عرض کیا جی معلوم ہو گیا۔ دریافت فرمایا کہ اب بتلاؤ کیا خیال ہے۔ عرض کیا کہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں بیعت کو مقدم سمجھا تھا اب تعلیم کی درخواست کرتا ہوں۔ فرمایا کہ ماشاءاللہ سمجھ دار معلوم ہوتے ہو تم نے پریشان نہیں کیا اور سمجھ لینے کے بعد بیعت پر اصرار نہیں کیا بڑی طبیعت خوش ہوئی۔ اب تم واطن واپس پہنچ کر بذریعہ خط اپنے حالات سے اطلاع دینا اور اس پر میں جو تعلیم کروں گا اس پر عمل کرنا۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ ایک خط میں مختلف مضمون نہ ہوں ایک ایک مرض کو لکھ کر علاج پوچھا جاوے۔ جب اس سے نجات ہو جائے تب دوسرا لکھا جاوے۔ پھر فرمایا کہ جو اپنی رعایت کرتا ہے اس کی رعایت کرنے کو خود بخود دل چاہتا ہے۔ خدانخواستہ آنے والوں سے کوئی بغض نہیں۔ کینہ نہیں۔ عداوت یا دشمنی نہیں۔ اس واقعہ سے معلوم کر لیجئے۔ میں نے ان پر کونسی سختی کی۔

۱۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

(۲۰۴) بعض طبائع قوی ہوتے ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض طبائع قوی ہوتی ہیں۔ ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں ایک زمانہ میں وہ بے روزگار تھے۔ سیدھے لاٹوس صاحب کے پاس پہنچے اور جا کر ملے اور یہ کہا کہ کیا علماء کا آپ کے یہاں پر کوئی حق ہی نہیں۔ اس نے کہا کہئے کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی نوکری دلوائے۔ کہا کہ نوکری بہت اور جس قسم کی آپ فرمائیں گے۔ مگر میں آپ کو ایک نیک مشورہ دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ عالم ہیں اس قسم کی نوکریاں کرنا آپ کی شان کے خلاف ہے آپ تو کسی مسجد میں بیٹھ کر درس کا کام کیجئے۔ دین کی خدمت کیجئے اللہ آپ کا کفیل ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ کے اس مشورہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اس کے بعد گورنر نے اپنے خدمت گار کی طرف اشارہ کیا وہ ایک کشتی میں پچاس روپیہ رکھ کر لایا۔ گورنر نے مولوی صاحب کے سامنے پیش کی انہوں نے کہا کہ میں آپ کے مشورہ پر اسی وقت سے عمل شروع کرتا ہوں اب میں نہیں لوں گا ہمت کی بات ہے۔

(۲۰۵) انقلاب پسند کی گڑبڑ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دیکھ لیجئے ان انقلاب پسند لوگوں نے کیسی گڑبڑ مچا رکھی ہے۔ کوئی اصول یا قاعدہ ہی نہیں اور یہ تو اس صورت میں ہے کہ ابھی تو سوراج بھی نہیں ملا اس حالت میں لوگوں پر جبر تشدد اور ظلم کئے جا رہے ہیں۔ اہل حق اور اہل باطن میں یہی تو فرق ہے۔ اگر اہل حق کا تحریکات میں اثر ہوتا تو وہ کسی پر جبر نہ کرتے۔ اور یہ ایک طرف تو آزادی اور حریت کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں اور دوسری طرف جبراً اپنی تجویزات کو منوانا چاہتے ہیں۔ عجیب بے ڈھنگی باتیں ہیں آزادی کے معنے تو یہ ہیں کہ ہر شخص آزاد ہے جو جس کے جی میں آئے کرے اس کو مجبور نہ کیا جائے مگر ان لوگوں میں کوئی اصول ہی نہیں۔

(۲۰۶) خشیت اللہ کے لئے علم شرط ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس وعظ پر میں آج کل نظر اصلاحی کر رہا ہوں اس میں انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤا کی تفسیر میں نے بیان کی۔ علم کے لئے خشیت لازم سمجھتے ہیں

یہ آیت کا مدلول ہی نہیں اور وقوعاً بھی صحیح نہیں۔ تخلف مشاہد ہے البتہ خشیت کے لئے علم شرط ہونے کی وجہ سے لازم ہے اور یہی مدلول ہے آیت کا۔ غرض یہ تو ممکن ہے کہ علم ہو اور خشیت نہ ہو مگر یہ ممکن نہیں کہ خشیت ہو اور علم نہ ہو۔ خواہ وہ علم درس سے حاصل نہ ہوا ہو۔ آخر جب کسی خوف کی چیز کو جانتا ہی نہیں اس کا علم ہی نہیں تو خوف کس چیز سے ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے تقریر کا کہ علم خشیت کی شرط ہے اس کی علت نہیں۔ جب یہ بیان ہو رہا تھا طلبہ منہ تک رہے تھے کہ یہ کیا بیان ہو رہا ہے بعد وعظ کے بعض طلبہ نے کہا کہ ہم تو بڑی غلطی میں مبتلا تھے میں نے کہا تم کیا بعضے بڑے بڑے علماء اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ علم صحیح دل میں ڈال دیتے ہیں۔

(۲۰۷) بزرگوں سے مشورہ میں برکت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کسی کا توکل بمعنے ترک اسباب ظنیہ کا ارادہ ہو تو بدون اپنے بزرگوں کے مشورہ کے عمل نہ کرنا چاہئے۔ میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا کہ جب کچھ کرنے کا ارادہ کیا اپنے بزرگوں سے ضرور مشورہ کر لیا۔ کبھی بزرگوں کے بدون شریک کئے ہوئے کوئی کام نہیں کیا اس میں حکمت بھی ہے اور برکت بھی۔ اور بعض اہل طریق ترک اسباب اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ تعلقات سے قلب کے لئے فراغ چاہتے ہیں سو یہ بھی اپنی تجویز سے مشکل ہے اس کا بھی غیب ہی سے سامان ہو جاتا ہے جس کے لئے حق تعالیٰ چاہتے ہیں فارغ کر دیتے ہیں یہ بھی ان کی عطاء ہے خود کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مولانا اسی موقع کے لئے فرماتے ہیں

گر گریزی برامید راحتے ہم ازانجا پیش آید آفتے

ہیچ کنجے بے درد بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

لیکن اکثر بزرگوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی برکت سے ضروری فراغ کی دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں میدہد یزدان مراد متقیں

(۲۰۸) اصلاح وتربیت کی تدابیر سخت نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ مجھ کو سخت مشہور کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آخر

کیا سختی کرتا ہوں۔ نفس کو تو اپنی صفات کا علم حضوری ہوتا ہے پھر مجھ سے یہ علم کیوں غائب ہے البتہ اگر اصلاح اور تربیت کی تدابیر اور تجاویز کا نام سختی ہے سو یہ مقصود تو بدون عرفی سختی کے غیر ممکن ہے۔

(۲۰۹) اپنی رائے سے عمل کرنا مناسب نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس طریق میں محض اپنی رائے پر عمل کرنے سے راستہ طے نہیں ہو سکتا اس میں سخت ضرورت ہے کسی کامل کے سر ہونے کی اور بدون کسی کامل کی رائے کے اپنی رائے سے عمل کرنا مناسب نہیں۔ اور آپ جو کہہ رہے ہیں کہ کتابوں میں سب کچھ ہے تو میں یہ آپ کو بتلائے دیتا ہوں کہ کتاب سمجھنا بھی طبیب ہی کا کام ہے مریض کا کام نہیں۔ آخر طب کی کتابوں سے علاج کیوں نہیں کر لیتے جو وہاں مانع ہے وہی یہاں سمجھو۔ اس میں اور اس میں فرق کیا ہے وہ طب جسمانی ہے۔ یہ طب روحانی ہے وہی تشخیصات تجویزات اس میں ہیں وہی تشخیصات اور تجویزات اس میں۔ اس ہی لئے میں اس پر ایک خاص تفریع کرتا ہوں وہ یہ کہ مشائخ کے یہاں جو ذکر و شغل مراقبہ وغیرہ معمول ہیں یہ سب تدابیر کے ذریعہ میں ہیں مقصود نہیں البتہ مقصود کے معین ہیں اس سے آگے اس کا درجہ نہیں تو جیسے طبیب جسمانی کی تدابیر مباحہ کو کوئی عاقل خواہ وہ مقلد ہو یا غیر مقلد بدعت نہیں کہتا اسی طرح طبیب روحانی شیخ کامل اہل حق کی تدابیر مباحہ کو کوئی بدعت نہیں کہہ سکتا۔ باقی کسی کو اہل طریق سے عناد اور بغض ہی ہو تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

(۲۱۰) حضرت حکیم الامتؒ کے قرض کے کچھ واقعات

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جس وقت کانپور سے آیا کچھ مقروض تھا۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دعاء کے لئے عرض کیا حضرت نے دعاء کے علاوہ شفقت کی راہ سے استفسار فرمایا کہ مدرسہ دیوبند میں ایک تدریس کی ملازمت ہے اگر کہو تحریک کروں۔ مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکم تھا کہ اگر کبھی کانپور سے دل برداشتہ ہو تو اور کہیں تعلق مت کرنا تھانہ بھون میں قیام کرنا تا کہ اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچے۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کا یہ ارشاد ہے لیکن اگر آپ

حکم دیں تو میں اس کو بھی حضرت ہی کا حکم سمجھوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ حضرت کے دو حکم ہیں ایک مقدم ایک موخر تو میں پہلے کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ سمجھوں گا باقی اس وقت تو مقصود دعاء کرانا تھا یہ سن کر حضرت پر ایک حالت طاری ہوگئی اور فرمایا کہ نہیں نہیں اگر حضرت کا حکم ہے تو خلاف نہ کرنا چاہئے اور میں دعاء کروں گا چنانچہ بحمد اللہ قرض ادا ہوگیا۔

اسی سلسلہ میں ترک ملازمت مدرسہ کانپور کے واقعہ کا ذکر فرمایا کہ میں کانپور میں نہایت دل چسپی سے رہتا تھا جب حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کبھی کانپور سے دل برداشتہ ہو تو اور کہیں تعلق مت کرنا وطن ہی میں رہنا۔ بہت خوش ہوا کہ حضرت نے حکم جازم نہیں دیا دل برداشتگی پر معلق فرمایا سو میں کیوں دل برداشتہ ہوں گا مگر مجھ کو معلوم نہ تھا کہ جب حضرت کا دل وطن کی اقامت کو چاہتا ہے تو حسب قول مولانا ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں   می دہد یزداں مراد متقیں

ضرور دل برداشتہ ہوگا چنانچہ چند ہی روز میں بلا کسی سبب ظاہری کے قیام کانپور سے وحشت ہوئی اور وطن کا عزم کیا لیکن یہ اندیشہ تھا کہ مدرسہ نہ ٹوٹ جاوے اس لئے میں نے اس کے بقاء واستحکام کا خاص انتظام کیا وہ یہ کہ اول قلت آمدنی مدرسہ کے بہانہ سے تنخواہ چھوڑی پھر اپنا لقب مدرس اول سے سرپرست مدرسہ رکھا اور مدرس دوم کو مدرس اول بنایا اور میں مدرسہ کا جو انتظامی کام مدرس اول ہونے کی حالت میں کرتا تھا وہ جدید مدرس اول کے سپرد کیا اور میں نے کہا کہ دستخط میرے نام کے ہوا کریں۔ انتظامی کام اس طرح چلتا رہا پھر خیال ہوا کہ میرے جانے سے میرے اسباق متعلقہ میں خلل نہ پڑے۔ مدرسہ میں طلبہ کی ایک جماعت ایسی تھی کہ جن کی کتابیں ختم ہونے والی تھیں ان کے اسباق اپنے متعلق کر لئے کیونکہ ان کی کتابیں ختم ہونے کے بعد ان اسباق کا سلسلہ ہی بند ہو جاوے گا جب کتابیں ختم ہوگئیں میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ میں رخصت پر وطن جا کر چندے آرام کروں گا۔ اور یہ سب انتظام سب سے مخفی کر کے اور کام کے سب شعبوں کو بدون اپنے دخل کے چلتا ہوا دیکھ کر مطمئن ہو کر وطن روانہ ہوگیا وطن کا اتنا اشتیاق تھا کہ جس وقت گاڑی چھٹی تو اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جیل خانہ سے چھٹی ملی۔ پھر وطن پہنچ کر مدرسہ کی خبریں منگاتا رہا جب ہر پہلو سے مطمئن ہوگیا

تب مدرسہ میں لکھ بھیجا کہ اب نہ آؤں گا اور حافظ کا یہ شعر لکھ دیا۔

ازقال وقیل مدرسہ حالے دلم گرفت یک چند نیز خدمت معشوق می کنم

اسکے بعد میں نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو سب واقعہ لکھ دیا حضرت نے مجھ کو لکھا کہ کانپور والوں کا بھی حق ہے وہاں آتے جاتے رہنا چنانچہ مدت تک آنا جانا بھی رہا پھر سفر ہی منقطع ہو گیا۔

(۲۱۱) صوفیاء اطباء اور شعراء کی صحبت کا اثر

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل ڈاکٹر اور طبیبوں نے کچھ مرکبات ایجاد کی ہیں اور اپنی اصطلاحات میں ان کے مختلف نام رکھ لئے ہیں تاکہ دوسری جگہ نہ مل سکیں اور اس میں معمولی معمولی چیزوں کی قیمت بڑی بڑی لیتے ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس میں ہے کیا۔ فرمایا کہ میرے بھائی منشی اکبر علی مرحوم کے ملنے والے ایک ڈاکٹر تھے ان کی ایک بچی بیمار ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا انہوں نے ایک چھوٹی سی شیشی دوا کی دی اور غالباً بارہ آنہ اس کی قیمت لی پھر بعد میں بھائی مرحوم کو تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ چونے کا پانی تھا اور اس میں کوئی اور چیز بھی نہ تھی۔ بھائی مرحوم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ کیا ملنے کا یہی حق ادا کیا اس پر جواب دیا کہ ہمارا تو پیشہ ہی یہ ہے اور یہ بھی اقرار کیا کہ چونے کا پانی تھا اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ اپنے کسی استاذ الاستاذ سے نقل فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو دین کا بنانا ہو اور دنیا سے کھونا ہو تو اس کو درویشوں کے سپرد کر دے اور اگر دنیا کا بنانا ہو دین سے کھونا ہو تو طبیبوں کے سپرد کر دے ان کو اکثر دوا کی تجویز میں بھی اور بعض کو اس کی تجارت میں بھی حلال وحرام و جائز و ناجائز کی احتیاط نہیں رہتی اور اگر دونوں سے کھونا ہو تو شاعروں کے سپرد کر دے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت ایک صورت رہ گئی کہ اگر دونوں کا بنانا ہو۔ فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔

۱۶ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(۲۱۲) حضرت شیخ اکبرؒ کی شان

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ لوگ مجھ کو سخت بتلاتے ہیں محض

اس لئے کہ اصلاح کے باب میں غلطیوں پر روک ٹوک کرتا اور متنبہ کرتا ہوں۔ فلاں صاحب دریا آبادی بہت رحمدل ہیں بعض غلطیوں پر تسامح کی رائے دیتے تھے۔ میں نے ان کو شیخ اکبر کا رسالہ آداب الشیخ والمرید دکھلایا۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو آپ سے بھی بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ ہی دیکھ لیجئے کہ میں سخت ہوں یا نرم کہنے لگے کہ ان کے مقابلہ پر تو آپ بہت نرم ہیں اسی سلسلہ میں اسی رسالہ کے تعلق سے فرمایا کہ میں پہلے یہ سمجھتا تھا کہ شیخ اکبر پر عارف ہونے کی شان شیخ ہونے کی شان پر غالب ہے مگر اس رسالہ میں اس قدر آداب طریق کے لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زبردست شیخ اور تربیت میں منتظم ہیں اور بڑے اہتمام سے تربیت واصلاح کا کام فرماتے ہیں۔ باقی آج کل تو زیادہ دکانداری رہ گئی ہے یا جود کاندار نہیں ان کے یہاں محض اوراد اور وظائف ہیں بہرحال اصلاح مقصود ہے۔ یہ تو شیخ کے ذمے مرید کے حقوق ہیں۔ اور کچھ نذرانہ اور ہدیہ دے دیا مرید کے ذمے شیخ کے حقوق ہیں چلو چھٹی ہوئی۔ انا اللہ

(۲۱۳) خلاصہ مسلک حضرت حکیم الامتؒ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب میرے دوست کہہ رہے تھے کہ رنگون میں حاجی محمد یوسف صاحب نے میرے مسلک کے متعلق کہا کہ اس کی تمام تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں بھی راحت سے رہو اور وہاں بھی۔ واقعی میرے تمام مسلک اور تعلیم کا خلاصہ بیان کر دیا۔ عجیب حکمت کی بات کہی حالانکہ لکھے پڑھے نہ تھے اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں حکمت عطا فرما دیں۔ کچھ لکھنے پڑھنے پر موقوف نہیں جیسے ایک عامی شخص سے ایک حکمت کی بات سنی ہوئی اور یاد آئی۔ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا تیسرا درجہ تھا اس میں کچھ گاؤں کے لوگ آپس میں بیٹھے ہوئے تحریکات حاضرہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے سب اپنی اپنی کہہ رہے تھے ایک شخص خاموش حقہ پی رہا تھا۔ جب سب کچھ کہہ چکے تب اس نے کہا کہ بھائی تم سب کہہ چکے ایک بولا ہاں کہہ چکے۔ تو کہہ کیا کہتا ہے کہنے لگا کہ ہماری سمجھ میں تو یہ آیا ہے ایک رہو اور نیک رہو۔ پھر تمہارا (گالی دے کر کہا) کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ دیکھ لیجئے دو جملوں میں

شریعت کے تمام احکام سیاسیہ کا خلاصہ بیان کر گیا اگر یہ کسی مولانا یا مجتہد کا کلام ہوتا تو تحسین کا شور مچ جاتا کہ لب لباب ہی بیان کر دیا یہ بیچارہ ایک گاؤں کا تھا اس کی کچھ بھی کوئی قدر نہیں کرتا۔ بعض لوگ سلیم الطبع اور فہیم ہوتے ہیں ایک مرتبہ میں لکھنؤ گیا ہوا تھا۔ یکہ میں سوار ایک طرف سے گزر رہا تھا دیکھا کہ ایک مقام پر کچھ لوگ جمع ہیں باجا بج رہا ہے۔ میں نے یکہ والے سے پوچھا یہ کیسا ہنگامہ ہے۔ کہا کہ یہ کمپنی ہے اس میں تماشہ ہوتا ہے معلوم ہوا تھیٹر تھا۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم بھی تماشہ دیکھا کرتے ہو کہا کہ جی ہاں میں بھی دیکھا کرتا ہوں۔ میں نے کہا کیوں اپنا پیسہ فضول برباد کرتے اور گنہگار ہوتے ہو کہنے لگا اجی پہلے سن تو لو۔ میں ایک غریب آدمی ہوں جو کچھ کماتا ہوں اس میں کا ایک حصہ آمدنی کا بچاتا ہوں اس کو خرچ نہیں کرتا جب اس کی مقدار کافی ہو جاتی ہے۔ اس سے چاندی یا سونا خرید کر زیور بنوا کر بیوی کو پہنا کر اس کو دیکھ لیتا ہوں۔ یہ میرا تماشہ اور تھیٹر ہے۔ مجھ کو یہ سن کر بڑا ہی تعجب ہوا کہ لکھنؤ جیسی لہو ولعب کی جگہ میں ایسا سلیم الطبع شخص بھی موجود ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی تیرا تھیٹر اور تماشہ سب سے بڑھا ہوا ہے ایک تو روزانہ دیکھنے میں آتا ہے پھر بلا فیس نئی فیس کچھ دینا ہی نہیں پڑتی۔ پھر اپنے قبضہ میں اور کوئی گناہ نہیں۔ ہر طرح جائز۔ بعض فطرتیں ہی سلیم ہوتی ہیں۔ اس کی اس بات سے بڑا ہی جی خوش ہوا۔

(۲۱۴) اہل باطل کے پاس وافر سرمایہ تبلیغ ہے

ایک مولوی صاحب سے بسبیل گفتگو حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قادیانی شب و روز بہکانے ہی کے سر رہتے ہیں۔ ہر ہر شخص اپنے عقائد اور مذہب کی تبلیغ جدا جدا کرتا ہے۔ ان اہل باطل کے پاس وقت اور سرمایہ تبلیغ کے لئے کافی ہے۔ اہل حق بیچاروں کے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ ان کے پاس سرمایہ اور سب میں بڑی بات یہ ہے کہ ان میں غفلت بھی ہے کسی کام کی طرف توجہ نہیں۔ بیداری نہیں۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر لوگ ان کے کسی بات پر معتقد ہو جاتے ہیں۔ ان کی کوئی بات بھی تو قابل کشش کے نہیں۔ خصوصاً ان انگریزی خوانوں کو زیادہ قادیانی ہوتے سنا اور دیکھا یا تو ان کے دماغوں کی یہ حالت ہے کہ اللہ پر اعتقاد نہیں رسول پر اعتقاد نہیں احکام اسلام پر ہزاروں شبہات اعتراضات۔ اور یا معتقد ہوئے تو

قادیانی کے بجز اس کے کچھ نہیں کہ مسخ ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں میں پہلے ہی سے ایمان نہیں ہوتا اگر یہ قادیانی بھی نہ ہوتے تب بھی ایمان سے کورے ہی تھے فرق صرف اتنا تھا کہ ایمان کا نہ ہونا پہلے مخفی تھا اس سے ظاہر ہو گیا اور کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ پھر ان کے شغف تبلیغ کی ایک حکایت بیان کی کہ میں جس وقت کانپور میں تھا ایک شخص مجھ سے آ کر ملا میں نے پوچھا آپ کیا کام کرتے ہیں کہا کہ میں دابتہ الارض کے محکمہ میں ملازم ہوں۔ اول مرتبہ میں تو میں سمجھا ہی نہیں تھا حیرت ہوئی کہ یہ کونسا نیا محکمہ اضافہ ہوا ہے۔ بعد میں سمجھ میں آیا کہ یہ قادیانی ہے ریل کو دابتہ الارض کہتا ہے۔ ریلوے کے محکمہ میں گاڈ تھا۔ مجھ کو بڑی نفرت ہوئی کہ ان لوگوں میں تہذیب بھی نہیں جواب میں بھی شرارت ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھ کو تبلیغ کی۔ پھر ان کی عملی تبلیغ کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ یہاں قصبہ کی پولیس میں ایک قادیانی سب انسپکٹر تھا وہ اپنا شکار کیا ہوا اور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کیا ہوا لوگوں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ مجھ کو معلوم ہوا وہ میرے پاس بھی کبھی کبھی آیا کرتے تھے آدمی مہذب تھے میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ آپ اپنے ہاتھ کا ذبح ہوا شکار قصبہ میں کسی کو نہ بھیجا کریں اس کا کھانا ہم لوگوں کو جائز نہیں۔ میں یہ گمان کرتا تھا کہ شاید میرے اس کہنے کے بعد خفا ہو جائیں اور خیال کریں کہ ہم کو کافر کہا مگر بظاہر تو برا مانا نہیں باطن کا حال اللہ کو معلوم ہے اور مجھ سے وعدہ کیا کہ بہت اچھا اب کبھی ایسا نہ ہوگا۔ مطلب اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہ بھی ہے کہ تہذیب بھی کوئی چیز ہے اہل باطل اکثر تو بدتہذیب ہوتے ہیں مگر یہ تھانہ دار معلوم نہیں کس طرح ان کے پھندے میں پھنس گئے ظاہراً تو مہذب اور طبیعت کے سلیم معلوم ہوتے تھے ورنہ اکثر لوگ تو شریر ہی ہوتے ہیں ہر وقت دل میں شرارت ہی بھری رہتی ہے۔

۱۷ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(۲۱۵) دفینہ کی تلاش قناعت کے منافی ہے

ایک نو وارد صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا حضرت والا نے پرچہ ہاتھ میں لیتے وقت دریافت فرمایا کہ پہلے یہ تو بتلایئے کہ آپ کہاں سے آئے۔ اور غرض آنے کی کیا ہے عرض کیا کہ فلاں مقام سے آیا ہوں۔ اور زیارت کی غرض سے حاضر

ہوا۔ حضرت والا نے پرچہ کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ جو پرچہ میں لکھا ہے میں تو ان کاموں کو جانتا نہیں اور آپ نے پہلے ہی صاف بات کیوں نہ کہہ دی کہ اس کام کو آیا ہوں۔ زیارت کو بھی کیوں بدنام کیا۔ کیا ایسی باتوں میں تم لوگوں کو کچھ مزا آتا ہے۔ جو کام آپ نے پرچہ میں لکھا ہے یہ کام عاملوں کا ہے۔ ہاں میں دعاء کروں گا دعاء سے انکار نہیں میرے بہت سے دوست جن سے خصوصیات کے تعلقات ہیں ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہیں جیسی پریشانی آپ نے پرچہ میں لکھی ہے ان کا مجھ پر زیادہ حق ہے اگر ایسے عملیات مجھ کو معلوم ہوتے تو وہ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ اور میاں ان خزینوں اور دفینوں کی بدولت بہت لوگ تباہ و برباد ہوگئے تم کہاں اس چکر میں پڑے ہو کس نے بہکا دیا۔ کیوں وقت اور روپیہ برباد کرتے پھرتے ہو دفینہ تو کیا ملے گا جو کچھ پہلے سے پاس ہے وہ بھی دے بیٹھو گے۔ یہ سن کر وہ صاحب السلام علیکم کر کے چل دیئے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ زیارت کو آئے تھے۔ کہتے تھے کہ زیارت کو آیا ہوں۔ جب دفینہ کا پتہ نہ چلا خود بھی غائب ہوگئے۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں خود اپنے دفن کا وقت قریب ہے مگر دفینہ کے نکالنے کی فکر میں پھر رہے ہیں بس حب دنیا قلب میں بھری ہے۔ توکل قناعت جو ایک ایمان والے کی شان ہے اس کا لوگوں میں نام و نشان نہیں رہا جس کو دیکھو دنیا کی جستجو اور تلاش میں۔ ہاں بقدر ضرورت فکر معاش کی ممانعت نہیں مگر یہ صورت کہ دفینے ڈھونڈتے پھریں بالکل توکل اور قناعت کے منافی ہے۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ نرمی کا برتاؤ کرو۔ نرمی تو یہ تھی کہ ان کو دفینہ نکالنے کے وظائف بتلا دیتا تو یہ خوش ہو جاتے۔ نہیں بتلایا خفا ہو کر چلے گئے شکایت کرتے پھریں گے۔ بھلا کس طرح تمام مخلوق کو راضی رکھ سکتا ہوں اور ایسے بدفہموں کا تو ناراض ہو کر جانا ہی مناسب ہے اور ان سے جا کر کہے گا اور ایسے بدفہم یہ سن کر نہ آئیں گے نجات ہوگی۔

(۲۱۶) انتشار اور انتظار کی تکلیف میں فرق

ایک صاحب نے حاضر ہو کر کھڑے ہی کھڑے تعویذ کی درخواست کی حضرت والا نے فرمایا کہ میاں بیٹھ کر کہو جو کہنا ہو۔ کھڑے ہو کر کہنے سے دوسرے کے قلب پر بار ہوتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اپنے سب کام چھوڑ کر پہلے ہمارا کام کرو۔ کیا تم نے دیکھا نہ تھا کہ میں

دوسرے کام میں مشغول تھا اس سے فارغ ہو جانے پر کام ہو سکتا تھا۔ لوگوں کی خصلتیں ایسی بگڑی ہیں سمجھتے ہیں کہ اپنی فرصت کے وقت دوسرے کو بھی فرصت ہوگی یہ فرما کر حضرت والا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے (ایک خاص مضمون کو تلاش کتابوں میں فرما رہے تھے) پھر اس سے فارغ ہو کر فرمایا کہ بعض کام ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ہو سکتا ہے اور اس کے درمیان میں دوسرا کام ہو نہیں سکتا۔ اب مقامات مقصودہ پر نشانات بنا دیئے ہیں۔ اب دوسری طرف توجہ کرنے سے انتشار نہ ہوگا ہاں انتظار ہوگا کہ اس کام سے فارغ ہو کر اس کو کرنا ہے۔ یہ بھی تو بات ہے کہ انتشار کی حالت میں دوسرا کام ہوتا بھی نہیں جس کو کام کرنا کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو تکلیف انتشار کی ہوتی ہے وہ انتظار کی نہیں ہوتی۔ اور یہ تو میرا احسان ہے کہ میں اپنے کام چھوڑ کر درمیان میں دوسروں کے کام کر دیتا ہوں ورنہ جب میں اس وقت کام کر رہا تھا صاف کہہ دیتا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں۔ آخر کچہری میں جاتے ہیں گھنٹوں انتظار میں رہتے ہیں۔ پھر بعض اوقات اس پر بھی کام نہیں ہوتا۔ تاریخ ہو جاتی ہے دوسری بار جاتے ہیں پھر تاریخ تیسری بار جاتے ہیں پھر تاریخ اور یہاں ایک منٹ کا انتظار بھی بار ہے تقاضے کی ہیئت بناتے ہیں آخر جس کے پاس جائے اور اس سے اپنا کام بھی لے تو اس کی راحت اور فرصت کا بھی خیال کرنا چاہئے۔ خصوصاً ان تعویذ گنڈوں کے بارے میں تو میں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حکم سے مجبور ہوں۔ حضرت نے یہ فرما دیا تھا کہ جو آ جایا کرے اس کو تعویذ وغیرہ دے دیا کرنا ورنہ مجھ کو تو ان تعویذ گنڈوں سے وحشت ہوتی ہے اور طبیعت الجھتی ہے۔ دوسرے اس کام میں پڑنے سے دوسرے کام نہیں ہو سکتے۔ اس طرف اگر متوجہ ہوا جائے تو عوام کا ایک اژدہام ہو جائے جو کسی وقت بھی فرصت نہ لینے دے اور سب کام بند ہو جائیں۔

۱۸ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز جمعہ

(۲۱۷) اصلاح و تربیت کے لئے شیخ کامل کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصلاح اور تربیت کا باب بڑا ہی نازک اور باریک مسئلہ ہے اس کے لئے ماہر فن کی ضرورت ہے۔ بدون ماہر فن کے طالب ہزاروں فضولیات کا شکار بنا رہتا ہے نہ راہ پاتا ہے اور نہ مطلوب اور مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ غیر مطلوب۔ غیر

مقصود میں ساری ساری عمریں خراب اور برباد ہو جاتی ہیں اور حقیقت کا پتہ تک نہیں چلتا۔ غرض کہ شیخ کامل کے سرپر ہونے کی ضرورت ہے وہ اس راہ کا واقف ہوتا ہے وہ ہر شخص کی حالت کے مطابق تعلیم کرتا ہے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکتا کیونکہ ہر ایک کی طلب جدا۔ مذاق جدا۔ قوت جدا۔ فہم جدا۔ عقل جدا۔ جب ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ ہوتا ہے تو بعض لوگ جو ایسا کرتے ہیں کہ ایک خط میں دو شریک ہو کر اپنے حالات لکھ دیتے ہیں ان کی غلطی ثابت ہو گئی اسی لئے میں لکھ دیتا ہوں کہ الگ الگ خط میں حالات لکھو تب جواب دوں گا اس پر مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ مزاج میں درشتی ہے۔ اصولی بات کو مزاج کی درشتی سمجھتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ تین نقطے اس میں سے الگ کر دو یعنی درتی ہے۔ اختلاف معاملہ کی وجہ سے اس کی ایسی مثال ہے کہ اگر ایک قبر میں چند مردے دفن کر دیئے جائیں تو کیا منکر نکیر ایک ہی ساتھ سب سے سوال و جواب کریں گے۔ یا جدا جدا۔ ظاہر ہے کہ چونکہ ہر شخص کے ساتھ اس کی حالت کے مناسب جدا معاملہ ہے اس لئے دونوں یکے بعد دیگرے سوالات کریں گے بس ایسا ہی یہاں سمجھنا چاہئے بلکہ میرا تو اصلاحی گفتگو کے علاوہ دوسری گفتگو میں بھی یہی معمول ہے کہ ایک وقت میں مخاطبت ایک ہی شخص سے کرتا ہوں۔ اگر چند آدمی خطاب کرنا چاہیں میں کہہ دیتا ہوں کہ گفتگو کے لئے ایک صاحب کو منتخب کر لیا جائے۔ پھر دوسرے خواہ ان کی مدد کریں مگر مجھ سے ایک ہی صاحب خطاب کریں۔ یہ بالکل خلاف اصول ہے کہ ایک داہنے سے بول رہا ہے ایک بائیں سے ایک سامنے سے ایک پیچھے سے خواہ مخواہ انتشار ہوتا ہے ہر چیز قاعدہ اور اصول ہی سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا کہ منکر نکیر کے سوال پر استطراداً ایک حکایت یاد آئی۔ اس پر ایک مفید تفریع بھی ذہن میں آ گئی اس کو بیان کرتا ہوں ایک شخص نے ایک مولوی صاحب سے وعظ میں سنا کہ قبر میں اس طرح عذاب ہوتا ہے اس طرح دو فرشتے منکر نکیر سوال کرتے ہیں اس کو خیال ہوا کہ دیکھنا چاہئے ایک روز یہ شخص قبرستان میں پہنچا اور ایک شکستہ قبر میں چادر اوڑھ کر لیٹ گیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ اتفاق سے ایک سپاہی کا اس قبرستان کے پاس سے گزر ہوا جو گھوڑی پر سوار تھا۔ یہاں پہنچ کر گھوڑی کے بچہ پیدا ہو گیا۔ اب سپاہی پریشان تھا کہ گھوڑی کا بچہ گاؤں تک کس

طرح لے جاؤں۔ ادھر ادھر کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کہ ایک قبر میں سے کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی۔ اور سانس کی بھی آواز معلوم ہوئی۔ سپاہی لوگ ڈرتے کم ہیں قبر کے پاس جا کر دیکھا تو ایک شخص چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ سپاہی نے ڈانٹ کر کہا کون لیٹا ہے۔ باہر نکل باہر آ۔ اس سپاہی نے ایک چابک اس کے رسید کیا اور کہا کہ یہ گھوڑی کا بچہ گردن پر رکھ اور گاؤں تک پہنچا گھوڑی کا بچہ لاد کر گاؤں تک لے گیا اس سپاہی نے غریب سمجھ کر دو آنہ پیسے دے دیئے۔ اپنے گھر آیا اور مولوی صاحب کے پاس پہنچا سلام کے بعد کہا کہ مولوی جی تم نے چھوٹی سی بات کو اس قدر طول دے دیا۔ میں آج ہی امتحان کر کے آ رہا ہوں۔ میں قبرستان میں پہنچا اور ایک قبر میں لیٹ گیا وہاں فرشتے وغیرہ کچھ بھی نہیں آئے۔ مزاحاً فرمایا کہ نہ منکر آئے نہ معروف۔ نہ سوال نہ جواب۔ نہ دوزخ کی کھڑکی نہ جنت کی نہ سانپ نہ بچھو۔ صرف ایک بہت ہی ہلکا سا قصہ ہوا وہ یہ کہ ایک سپاہی آتا ہے وہ ایک ڈانٹ دیتا ہے۔ پھر باہر نکلنے کو کہتا ہے باہر آ جانے پر ایک چابک مارتا ہے گو اس سے تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ قابل تحمل ہے۔ آدمی برداشت کر سکتا ہے پھر ایک گھوڑی کے بچے کو گردن پر رکھوا کر گاؤں تک لے جاتا ہے اور دو آنہ پیسے دیتا ہے۔ بس اتنا واقعہ ہے جس کو تم نے اس قدر بڑھا رکھا اور لوگوں کو ڈرا رکھا ہے پھر تفریعاً فرمایا کہ یہ تو ایک ہنسی کی حکایت ہے لیکن اس کی ایک نظیر ہے وہ یہ کہ جیسے اس شخص نے عذاب قبر اور سوال و جواب کی تفسیر سمجھی۔ ایسے ہی آج کل کے عقلاء قرآن کو اپنے زمانہ کے واقعات سے منطبق کر کے قرآن حدیث کی تفسیر کرتے ہیں جس کی حقیقت اس سے کم نہیں جیسا اس شخص نے قبر کے معائنہ کو سمجھا۔

(۲۱۸) تجربہ اور عقل میں فرق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تجربہ اور چیز ہے عقل اور چیز ہے۔ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ آج کل لوگ ناواقفیت کی وجہ سے دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جو سخت دھوکہ اور غلطی ہے۔ دیکھو ویسرائے کو شاید یہ بھی خبر نہ ہو کہ گیہوں کس موسم میں بویا جاتا ہے تو اس کو قلت تجربہ کہیں گے نہ کہ قلت عقل۔ اور گاؤں کا جاہل کاشتکار جانتا ہے تو کیا اس کو یہ کہا جائے گا کہ یہ ویسرائے سے بھی زیادہ عاقل ہے ہرگز نہیں۔ ایسے ہی یہاں

سمجھ لیجئے کہ علماء کو دنیا کی بعض باتوں کا تجربہ نہیں ہوتا۔ تجربہ نہ ہونے کو قلت عقل کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اور میں معترض صاحب سے ہی پوچھتا ہوں کہ آپ کو کپڑا بننا آتا ہے کپڑا سینا آتا ہے۔ کپڑا رنگنا آتا ہے۔ کپڑا دھونا آتا ہے جواب میں یہی کہا جائے گا نہیں تو پھر اس سے لازم آوے گا کہ ایک جولاہا ایک درزی ایک نیل گر ایک دھوبی کے برابر بھی آپ کو عقل نہیں۔ اس کا جو جواب تم ہم کو دو گے وہی ہماری طرف سے خیال کر لیا جائے۔

(۲۱۹) حضرت حکیم الامتؒ کا لباس پر اعتراض کا جواب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض عقل کے دشمن یہ سمجھتے ہیں کہ جس کا لباس انگریزی کوٹ پتلون ہیٹ ہو وہ تو قابلیت رکھتا ہے اور جو سادہ اور شرعی لباس رکھتا ہو وہ کم عقل ہوتا ہے گویا لباس قابلیت وعدم قابلیت کا معیار ہے۔ اس کا ایک واقعہ ہے وہ یہ کہ میں ایک مرتبہ بمعیت اور علماء کے شملہ میں مدعو کیا گیا۔ اپنی یہی سادہ وضع تھی۔ کرتا۔ ٹوپی۔ پائجامہ۔ نہ عمامہ نہ چوغہ نہ پٹکا بعد نماز جمعہ میں بیان کرنے کو کھڑا ہوا تو ایک صاحب نے کرنل عبدالمجید خاں سے جن کے نام سے وعظ کا اعلان شائع ہوا تھا کہا کہ یہ آپ کے علماء کا لباس کیسا ہے جیسے پاخانہ سے نکل کر آئے ہوں انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اس وقت تو بیان شروع ہو گیا وعظ کے بعد کہئے۔ جب وعظ ہو چکا اب وہ صاحب کچھ نہیں بولتے۔ کرنل صاحب نے کہا اب کہئے کیا کہتے تھے۔ کہنے لگے میری حماقت تھی میں سمجھا تھا جیسا لباس ہوتا ہے ویسی ہی لیاقت ہوتی ہے مگر بیان سن کر اپنی حماقت کا علم ہوا۔ یہ بات میرے کان میں بھی پہنچی تھی۔ اتفاق سے ایک دوسرے جلسہ میں بھی میری ہی تقریر تھی جب میں تقریر پر کھڑا ہوا تو میں نے کہا کہ صاحبو مجھ کو معلوم ہوا کہ بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ واعظوں کو اچھا لباس قیمتی پہن کر وعظ کہنا چاہئے تا کہ لباس سے واعظ کی وقعت ہو اور اس کی وقعت سے وعظ کی وقعت اور اس سے سامعین پر اثر ہو۔ میں نے کہا کہ بہت اچھی نیت سے یہ رائے دی گئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ قیمتی لباس آئے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ بدون بڑی رقم کے تو آ نہیں سکتا۔ اب یہ رقم کہاں سے آئے سو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو باتفاق ہمارے تمہارے ہاں ناجائز ہے۔ تمہارے نزدیک تو عقلاً ہمارے نزدیک شرعاً وہ یہ کہ ہم وعظ کے بعد یہ اعلان

کریں کہ صاحبو فلاں اسٹیشن پر ہمارا بیگ اٹھ گیا ہماری مدد کرو۔ اور دوسری صورت جو آپ کے نزدیک جائز اور ہمارے نزدیک شرعاً ناجائز وہ یہ ہے کہ ہم بڑے بڑے عہدے حاصل کریں جن کی بڑی بڑی تنخواہ ہو سو یہ دونوں صورتیں تو ہم اختیار کر نہیں سکتے اب صرف ایک تیسری صورت رہ گئی وہ یہ کہ ہر جگہ کے مسلمان خاص علماء کے وعظ کہنے کے لئے قیمتی وردی بنا کر رکھ لیں اور وعظ کہنے کے وقت وہ وردی واعظ کو پہنا دی جایا کرے اب میں منتظر ہوں کہ وہ کون صاحب ہیں جو اس کا انتظام کریں گے اور اگر ایسا نہ کریں تو پھر ایسی رائے دے کر ڈوب مریں پھر کسی نے دم نہیں مارا۔ اور اسی سلسلہ میں شملہ ہی کا ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ وہاں کے بعض معزز ین تعلیم یافتہ صاحبوں نے مولانا انور شاہ صاحب سے کہ وہ بھی اسی سفر میں تھے اعجاز قرآن پر بیان کرنے کی فرمائش کی چنانچہ بیان کیا گیا مضمون غامض تھا وہ لوگ بھی نہیں سمجھے پھر اس پر اعتراض کیا گیا کہ ایسے بیان سے کیا نفع جب سمجھ میں ہی نہیں آیا یہ بیان تو مدرسہ دیوبند میں بیٹھ کر کرنا تھا اس کا جواب بھی وعظ میں میں نے ہی دیا کہ شاہ صاحب نے جو ایسا بیان کیا ہے وہ اضطراراً نہیں کہ سہل بیان پر قادر نہیں بلکہ ایک مصلحت سے قصداً بیان کیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ آج کل مدعیان علم بہت زیادہ پیدا ہوئے ہیں اور اجتہاد کا دروازہ کھل گیا ہے حتیٰ کہ انگریزی پڑھ پڑھ کر قرآن وحدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر علوم میں دخل دینے لگے ہیں تو شاہ صاحب نے دکھلا دیا کہ تم اہل علم کے کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے چہ جائیکہ قرآن وحدیث میں اجتہاد کر سکو۔ بتلایئے اس بیان سے کیا یہ نفع تھوڑا ہوا کہ تم کو اپنے جہل پر اطلاع ہوگئی۔ سب شرمندہ ہو گئے مجھ کو جاہلوں کا علماء پر اعتراض کرنا بھی ناگوار ہوتا ہے اس لئے بھی یہ جواب دیا گیا اسی سلسلہ میں کہ علماء پر عوام کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ایک قصہ اور بیان فرمایا کہ قصبہ بگرہ میں ایک مدرسہ کا جلسہ تھا وہاں کے منتظمین نے پنڈال بنایا جس میں روپیہ زیادہ صرف کیا اور علماء کی آمد پر جھنڈیوں سے استقبال کا سامان کیا اس پر دیوبند کے مہمان علماء نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور واپس چلے گئے۔ اس پر ایک قصبہ کے رہنے والے نے میرے سامنے اعتراض کیا کہ جس وقت مدرسہ دیوبند میں لیفٹیننٹ گورنر آیا تھا اس کی آمد پر ایسے ہی تکلفات کئے گئے تھے حیرت کی بات ہے کہ ہم اگر علماء کا اکرام

کریں وہ تو ناجائز اور انگریز کا اکرام جائز۔ میں نے کہا کہ ضیف کا جو اکرام ہوتا ہے اس ضیف کے مذاق کے موافق ہوتا ہے وہاں مہمان ایک انگریز تھا ان کا مذاق یہی ہے وہ اسی کو اکرام سمجھتے ہیں اور یہاں مہمان علماء تھے ان کا یہ اکرام نہ تھا بلکہ اہانت تھی۔ میرا جواب سن کر وہ معترض کہنے لگے کہ خوب تاویل کی ہے۔ میں نے کہا خواہ تاویل ہی ہو مگر یہ دیکھ لو کہ معقول ہے یا نہیں کہنے لگے کہ بات کے معقول ہونے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ سوال بھی معقول ہے مگر تمہارا علماء پر اعتراض کرنا اپنی حد سے نکلنا ہے۔

(۲۲۰) عورتوں سے بیعت میں ایک ضروری شرط

ایک صاحب سے بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ آپ تو اپنی ہی کہہ رہے ہیں۔ اصلاح کے طریق میں میاں بیوی کے ساتھ بھی ایک معاملہ نہیں ہوسکتا ان کی بھی جدا جدا طریق سے اصلاح کی جاوے گی اس لئے کہ مردوں کے مناسب اور شرائط ہیں جو شدید ہیں اور عورتوں کے لئے وہ شرائط نہیں۔ عورتوں کی اصلاح بمقابلہ مردوں کے ان کے مذاق اور فہم کی سہولت کی رعایت رکھتے ہوئے کی جاتی ہے اور یہی تفاوت بیعت میں ہے کہ مردوں کے ذرا زیادہ شرائط ہیں۔ عورتوں کے لئے اتنے شرائط نہیں۔ ہاں طلب دونوں جگہ ضروری دیکھی جاتی ہے۔ البتہ ایک شرط عورت کے لئے زیادہ ہے وہ یہ کہ خاوند سے بیعت یا تعلیم کی اجازت حاصل کرلیں اگر خاوند بطیب خاطر اجازت دے دیتا ہے بیعت کر لیتا ہوں ورنہ نہیں۔ اس شرط میں بڑی حکمتیں اور مصالح ہیں۔

(۲۲۱) غیر واجب کو واجب سمجھنا بدعت ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بیعت کو عام لوگوں نے اس قدر مقصود بالذات بنا رکھا ہے کہ مثل فرض وواجب کے سمجھتے ہیں مگر باوجود اس کے علماء اہل حق جس طرح دوسری بدعتوں کو منع کرتے ہیں اور ان کی اصلاح کرتے ہیں اس طرح اس کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے کہ اس طالب کا کیا عقیدہ ہے۔ اور یہ بیعت کو کیا سمجھتا ہے جہاں کوئی آیا اور جھٹ بیعت کرلیا۔ کیا یہ بدعت نہیں کہ غیر واجب کو واجب سمجھا جاتا ہے اور کیا یہ بدعت کی تعریف میں داخل نہیں۔ اس معاملہ میں تو خصوصیات کے ساتھ سب میں ڈھیلا پن ہو رہا ہے صرف ایک میرے یہاں

ڈھیلا پن ہے بیائے مجہول۔ سو ویسے ہی بدنام بھی ہوں کہ بدخلق ہے سخت ہے۔

(۲۲۲) متعارف خوش اخلاقی کی برکات

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کی خوش اخلاقی متعارف کے یہ برکات ہیں کہ ساری عمر یہ لوگ جہل میں مبتلا رہتے ہیں اور روک ٹوک سے جہل کا علاج ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے لکھا کہ بے روزگاری کی وجہ سے پریشان ہوں کوئی مجرب وظیفہ بتلا دو۔ میں نے لکھ دیا کہ اگر مجرب کی قید نہ ہوتو بتلا دیتا پھر خط آیا کہ مجھ سے گستاخی اور غلطی ہوئی ویسے ہی بتلا دیجئے دیکھئے سیدھے ہو گئے عقیدہ درست ہو گیا ساری عمر کے لئے جہل سے نجات مل گئی۔ اگر میں متعارف خوش اخلاقی کا برتاؤ کرتا اور کوئی وظیفہ لکھ دیتا وہ اس کو مجرب سمجھتا اور ثمرہ مرتب نہ ہونے پر جو مفاسد پیدا ہوتے وہ ظاہر ہیں کہ آیات الٰہیہ کے متعلق بھی عقیدت میں خرابی پیدا ہوتی کہ کلام الٰہی میں بھی اثر نہیں اور مجھ کو پھر اس شکایت کی اطلاع کرتا اور میں اس وقت حقیقت بتلاتا سو میں نے پہلے ہی معاملہ ختم کر دیا یہ نفع ہے اس طرز میں۔

(۲۲۳) ہر کام طریقہ سے ہوتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہر کام طریقہ ہی سے ہوسکتا ہے بدون طریقہ ہمیشہ گڑ بڑ رہتی ہے۔ میں نے جس قدر اصول اور قواعد مقرر کئے ہیں ان میں بڑے مصالح اور حکمتیں ہیں اور بہت سے تجربوں کے بعد یہ اصول مقرر کئے ہیں دیکھو طبیب سے علاج کراتے ہو اس کے تمام اصول اور قواعد کی پابندی کرتے ہو مثلاً وہ کہتا ہے کہ ہر مریض کا قارورہ جدا شیشی میں لاؤ تم نے یہ کیا کہ تمام خاندان کے قاروروں کو ایک گھڑے میں جمع کر کے طبیب کے پاس لے گئے اب بتلاؤ کہ طبیب کیا خاک تشخیص کرے گا۔ جیسے ہمارے قصبہ کے ایک طبیب کے پاس ایک گاؤں کا شخص قارورہ کا گھڑا بھر کر سامنے سے آ رہا تھا ایک صاحب نے جو طبیب کے پاس بیٹھے تھے دور سے دیکھ کر کہا کہ حکیم جی آج تو رس آیا ہے نیشکر کا موسم تھا حکیم جی نے کہا کہ میری قسمت میں رس کہاں موت ہوگا۔ واقعی اس نے آ کر کہا اجی حکیم جی سارا کنبہ پڑا ہے میں نے کہا کہ الگ الگ کہاں (کرورہ) لے جاؤں سب کا ایک

گھڑے میں جمع کرلایا۔ حکیم صاحب بھی تھے ظریف ایک نسخہ لکھ کردے دیا کہ لو یہ دوائیں لے جاؤ اور ایک بڑے پتیلے میں پکا کر سب کو ایک پیالہ بھر بھر کر پلا پلا دینا۔ لے کر چلا گیا۔ شاید کسی موسم کا مرض ہوگا۔ مگر یہاں تو ایسا علاج بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ مرض مشترک نہیں۔

(۲۲۴) چاپلوسی کا نام اخلاق نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعضے لوگ یہاں پر آتے ہیں محبت اور عقیدت کا دعویٰ کرتے ہیں اور باہر جا کر بدنام کرتے ہیں یہ طالب ہیں۔ اصل میں قلوب میں طریق کی قطعاً عظمت اور احترام نہیں۔ ایک شخص ہمارے پڑوس میں رہتے ہیں وہ کالکا ریلوے میں ملازم ہیں وہ رخصت پر آئے تھے۔ بیان کرتے تھے کہ کالکا سے ایک شخص یہاں پر آئے تھے ان کی کسی غلطی پر مواخذہ کیا گیا انہوں نے واپس جا کر فلاں بابو صاحب سے کہا کہ وہاں اخلاق بالکل نہیں۔ بابو صاحب نے جواب دیا کہ تم اب تک ایسوں ہی سے ملے ہو جو تمہارے ساتھ اپنے اغراض کو وابستہ سمجھتے ہیں اور جس شخص کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو وہ تو صفائی کا معاملہ رکھے گا واقعی سمجھ کی بات کہی۔ آج کل چاپلوسی کا نام اخلاق رکھا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں آنے والوں کی جوتیاں سیدھی کیا کروں۔ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا کروں۔ غلامی کرانا چاہتے ہیں سو میری کونسی غرض ہے کیا میں نے بلایا تھا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک تو رشوت خوار اہل کار ہوتا ہے اور ایک غیر رشوت خوار دونوں میں ضرور فرق ہوگا۔ اور میں تو شروع میں سختی نہیں کرتا بڑی رعایت سے کام لیتا ہوں مگر جب کوئی اپنی غلطی کی تاویلیں اور سخن پروری کرتا ہے اپنی ہی ہانکے چلا جاتا ہے تو طبیعت کا تغیر لازم اور اس کے ساتھ لہجے میں تغیر لازم ہوگا۔ یہ ہے اصل میرے بدنام کرنے کی مگر میں ایسے بدفہموں کی وجہ سے اپنے طرز کو نہیں بدل سکتا۔

(۲۲۵) حضرت مولانا شہیدؒ پر اعتراض کا اصل سبب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ابھی تھوڑا زمانہ گذرا پرانے لوگوں کو دیکھا کہ باوجود اختلاف مسلک کے ایک دوسرے کا ادب اور احترام رکھتے تھے اب ایک دم ایسا انقلاب ہوا

ہے کہ اپنے برابر والوں کا تو کیا ادب کریں گے چھوٹے اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتے اسی وجہ سے خیر و برکت رخصت ہوگئی میرے ماموں صاحب جو حیدرآباد دکن میں تشریف رکھتے تھے۔ مسلک میں ان کا ہم لوگوں سے اختلاف تھا صاحب سماع بھی تھے بلکہ اس میں بھی کسی قدر غلو کا درجہ ہو گیا تھا۔ ان ماموں صاحب نے اپنے ایک مرید کو لکھا کہ دیکھو اشرف علی کا مسلک ہم سے جدا ہے اس لئے اس سے مت ملنا لیکن گستاخی بھی نہ کرنا اب اس واقعہ سے سمجھ لیجئے کہ کیسے لوگ تھے کہ باوجود اختلاف مسلک کے جو درجہ خلاف تک پہنچا ہوا تھا مرید کو کیا حکم دیا۔ یہ ماموں صاحب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے تو معتقد تھے مگر حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے خاص دلچسپی نہ تھی مگر مولانا شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بیحد معتقد تھے۔ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص نے اپنی ساری عمر کا حصہ اور اپنی عزت اپنی راحت سب دین کے واسطے وقف کر دیا۔ ان پر یہ لوگ اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کی روٹیوں میں کھنڈت پڑ گئی۔ سبحان اللہ کیسی حق بات کہی۔

(۲۲۶) اصلاح و تربیت وظائف سے نہیں ہوتی

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے۔ عجیب باتیں لکھی ہیں جن کے نہ سر ہے نہ پیر۔ معجون مرکب ہے۔ یہ سب رسمی مشائخ کی تعلیمات کے برکات ہیں۔ طریق سے ان چیزوں کو کیا واسطہ ان مشائخ کا نداروں نے فن سے عدم واقفیت کی بناء پر لوگوں کو وظیفے بتلا بتلا کر حقیقت کو مخفی کر دیا ہے کیا اصلاح و تربیت کہیں وظائف سے ہوا کرتی ہے۔ یہ اصلاح کا کام تو طبیب اور مریض کا سا معاملہ ہے اگر طبیب کسی مریض کو بجائے نسخے اور تدبیر کے وظیفہ بتلا دے تو اس سے علاج کو کیا تعلق۔ اسی طرح یہاں پر سمجھ لیا جاوے۔

(۲۲۷) کوڑ مغزی کا کوئی علاج نہیں

فرمایا کہ ایک صاحب کا پہلے خط آیا تھا کچھ ایسی ہی بے جوڑ باتیں لکھ کر لکھا تھا کہ حضور والا میرے لئے کچھ فرمائیں۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ پہلے تم کچھ لکھو میں جواب دوں گا اس پر پھر آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ پہلے آپ ہی کچھ فرمائیں۔ اب فرمایئے اس کی کیا تاویل

کروں اس کوڑ مغزی کا کیا علاج۔ میں نے اب بھی رعایت ہی کا جواب لکھا ہے اب بھی ضابطہ نہیں برتا میں نے لکھا ہے کہ طبیب پہلے کچھ کہا کرتا ہے یا مریض۔ اس کے جواب میں اگر گڑ بڑ کی تو ضابطہ سے کام لوں گا اس واقعہ کو دیکھ کر معترض حضرات فیصلہ کریں کہ کس کے اخلاق کا خراب ہونا لازم آتا ہے اور اس قسم کی بدفہمی کی باتیں زیادہ تر انگریزی خوان کرتے ہیں اس لئے ان سے استغناء ہی کا برتاؤ ہونا چاہئے یہ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے رجوع کرنے کو ملا نے غنیمت سمجھتے ہیں یہ لوگ اکثر مغرور ہوتے ہیں مشکل سے ان کا دماغ درست اور سیدھا ہوتا ہے ویسے کہاں قبضہ میں آتے ہیں۔ اگر سب اہل علم اس طرز کو اختیار کرلیں تو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ بہت جلد ان لوگوں کے دماغ سیدھے ہو جائیں ایسے بددماغوں کو منہ نہ لگایا جائے۔ یہ اہل علم اور دین کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں۔

(۲۲۸) رسمی درویشی کا انجام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن مشائخ کے یہاں رسوم کا غلبہ ہے وہاں ساری عمر لوگ جہل ہی میں مبتلا رہتے ہیں جہل سے نجات نہیں ہوتی اس کا سبب وہی رسمی درویشی ہے اور یہاں پر بحمد اللہ حقیقی درویشی ہے میں تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ طبیعت میں غلبہ طالب علمی ہی کا ہے حقیقی درویشی یہی ہے میں اس نعمت پر بڑا خوش ہوں کہ اللہ نے بزرگان سلف اور اپنے اکابر کے مسلک پر عمل کی توفیق عطا فرمائی گو اصل نہ ہو نقل ہی سہی۔ یہ بھی حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

(۲۲۹) نعمت ادب پر اظہار تشکر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو نہ ایسا علم ہے نہ اس درجہ کا عمل ہے البتہ ایک چیز ہے جو خدا تعالیٰ نے دی ہے خواہ اس کو کوئی دعویٰ بھی سمجھ لے وہ ایک چیز یہ ہے کہ مجھ میں ادب ہے یہ خدا کی بڑی نعمت ہے جو مجھ کو عطاء فرمائی گئی ہے۔ کسی مشرب کسی مسلک کے اللہ اللہ کرنے والے ملے مجھ سے سب خوش رہے اور سب نے دعائیں دیں۔ میں غیر مسلک کے اللہ اللہ کرنے والوں سے بھی ملا ہوں۔ گو اعتقاد سے نہ ملتا تھا مگر ادب سے ملتا تھا۔ اعتقاد اور چیز ہے ادب اور چیز ہے۔ ادب میں سب کا کرتا ہوں باقی اعتقاد یہ جس سے ہے اس سے ہے۔

(۲۳۰) ہم وطنوں کو مرید نہ کرنے کا سبب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب ہم وطن مرید ہونے آئے تھے۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں ہم وطنوں کو مرید نہیں کرتا ویسے خدمت کو میں آدھی رات موجود ہوں باقی ہم وطنوں کے مرید کرنے کے بہت بُرے نتائج ہیں۔ یہ تو بھائی بن کر دوست بن کر رہیں۔ یہی اچھا ہے۔ آگے بڑھنے میں خرابی ہے۔

۱۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(۲۳۱) ایک صاحب کے خلوص کا امتحان

ایک نو وارد صاحب نے حاضر ہو کر حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت میں پہلے پولیس میں ملازم تھا۔ زمانہ ملازمت میں میں نے لوگوں سے رشوت لی جو حقوق العباد میں سے ہے اور میرے ذمہ ہے اب مجھ کو کیا کرنا چاہئے، فرمایا اپنی یاد سے اہل حقوق کی ایک فہرست بناؤ اور اپنی وسعت کو لکھو کہ ایک دم ادا کرنے پر قدرت ہے یا نہیں تب حکم شرعی بتلاؤں گا۔ پھر فرمایا حقوق العباد کو تو لوگوں نے دین کی فہرست ہی سے نکال دیا۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس کا خیال کرتے ہیں۔ ایک راجپوت میرے پاس آتے جاتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ چودھری اپنی اصلاح کرو۔ کہا کہ نماز میں پڑھوں۔ روزہ میں رکھوں۔ رنڈیوں میں میں نہیں جاتا۔ تھیٹر میں نہیں دیکھتا۔ پھر اصلاح اپنی کس بات کی کروں میں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی چوری بھی کی ہے۔ کہا کہ جی ہاں چوری تو کی ہے۔ میں نے کہا کہ کیا یہ قابل اصلاح نہیں ہے۔ کہا کہ میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ جتنی چوریاں کی ہیں سب کی فہرست بناؤ اور سب سے معاف کرا کے آؤ کہا کہ اگر کوئی اس اقرار پر پکڑوا دے میں نے کہا کہ جاؤ مجمع میں مت کہو پھر کوئی نہیں پکڑوا سکتا۔ فہرست تیار کرا کر میرے پاس لائے۔ میں نے کہا کہ ایک اور بات کرنا ہوگی جن جن سے معاف کراؤ فہرست پر ان کے دستخط بھی کراؤ اور وہ یہ لکھ دیں کہ ہم نے معاف کر دیا اور پھر وہ دستخط مجھ کو دکھلانے ہونگے بیچارے معاف کرانے گئے سب نے معاف کر دیا اور خوشی سے معاف کیا۔ منجملہ ان چوریوں کے ریل میں ایک ہندو کی پانچ سو روپیہ

نقد کی چوری کی تھی۔ نوٹ چرائے تھے اس نے معافی میں یہ الفاظ لکھے کہ میں حسبۃً للہ معاف کرتا ہوں مجھ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ یہ سب اس شخص کی خلوص نیت کی برکت ہے ورنہ ہندو ایک پیسہ بھی معاف نہیں کر سکتا چہ جائیکہ پانچ سو روپیہ۔ میں نے کہا کہ بھائی یا تو یہ تمہاری کرامت ہے یا میری یا دونوں کی تھوڑی تھوڑی اس کے بعد میں نے کہا کہ اب مجھ کو یہ کیسے یقین ہو کہ یہ دستخط معافی کے صحیح ہیں آج کل جعل سازی بہت چل رہی ہے۔ کہا کہ جو صورت آپ فرمائیں۔ میں نے کہا میرے اطمینان کی صورت یہ ہے کہ تم لفافے خرید کر لاؤ اور فہرست میں جتنے نام ہیں سب کے نام میں جوابی خط لکھوں گا کہ اس شخص نے تم سے معافی چاہی یا نہیں اور تم نے معاف کیا یا نہیں۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر لفافے خرید کر لا دیئے تو یہ سچے ہیں نہ لائے تو جھوٹے وہ لفافے خرید کر لے آئے میں نے کہا کہ اب ضرورت نہیں مجھ کو اطمینان ہو گیا۔ اور یہ لفافے تم خرید کر لائے ہو تم غریب آدمی ہو تم سے بیکار ہیں اب ان کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ کہا کہ مجھ کو خود بھی ضرورت رہتی ہے میں نے تجارت کا سلسلہ کر رکھا ہے۔ اب انتقال ہو گیا اگر آدمی آخرت میں سرخرو ہو جائے تو سلطنت کی بھی کیا حقیقت ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طریق میں قدم رکھتے ہی خدا معلوم کیا ہوگا۔ بھائی کچھ بھی نہ ہوگا ذرا قدم رکھ کر تو دیکھو فضل ہی فضل ہوگا۔ ہر قدم پر سہولت ہی سہولت نظر آئے گی۔

(۲۴۲) بے فکری کا مرض عام

ایک نو وارد صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ نہ تم اپنی کہہ سکتے ہو نہ دوسرے کی سمجھ سکتے ہو۔ اس حالت میں تم سے کلام کرنا ہی عبث ہے۔ جب تم اپنا تعارف کرانے پر قادر نہیں ادھر ادھر کی ہانک رہے ہو آئندہ ہی کیا تم سے امید رکھی جائے کہ تم کچھ کرو گے۔ میں ایسے شخص سے تعلق پیدا کرنا نہیں چاہتا چلو یہاں سے اس پر ان صاحب نے اپنا پورا تعارف کرا دیا اور جو حضرت والا نے دریافت فرمایا نہایت معقول جواب دیا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اب اتنی جلدی کیسے سمجھ آ گئی اور کہاں سے آ گئی جب سے گڑبڑ کر رہے تھے وہی بات ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ لوگوں میں بے فکری کا مرض ہے۔ اب طبیعت کو فکر ہوئی۔ دل اور دماغ سب اپنا کام کرنے لگے بدون چابک تو گھوڑا بھی کام نہیں دیتا پھر ان سے فرمایا اب

وطن پہنچ کر خط و کتابت سے سب معاملہ طے کرنا۔ یہاں جب تک رہنا ہو مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کرنا خاموش مجلس میں بیٹھے رہا کرنا۔ عرض کیا کہ ایسا ہی ان شاء اللہ ہوگا۔

(۲۳۳) نفس کی چالاکیاں اور مکاریاں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل نفوس میں اس قدر شرارت پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ چالاکیوں اور مکاریوں سے کام نکالتے ہیں۔ جھنجانہ ایک قصبہ ہے وہاں ایک مسجد بن رہی تھی اس کیلئے چندہ جمع ہو رہا تھا۔ وہاں کے ایک واعظ صاحب دہلی سے پانچ سو روپیہ زکوٰۃ کا لائے غریب مؤذن سے کہا (ذرا ترکیب دیکھئے) کہ میاں تم مسجد میں کچھ نہیں دیتے اس نے کہا کہ حضرت میں غریب آدمی ہوں میرے پاس کیا ہے کہا کہ اگر اللہ تجھے دس روپیہ دے تو مسجد میں دیدے کہا جی ہاں دیدوں پھر بیس کو پوچھا اس کا بھی یہی جواب دیا اسی طرح پچاس کو سو کو یہاں تک کہ پانچ سو کو پوچھا وہ سب پر یہی کہتا رہا خالی بات ہی تو تھی کہہ دینا کیا مشکل تھا اخیر میں اس کو پانچ سو روپیہ دے کر کہا کہ لے یہ اللہ نے تجھے یہ دیا ہے تو اس کو مسجد میں دیدے اس نے لے کر مجبور ہو کر دیدیا مگر بیچارے کے دل پر کیا گذری ہوگی کیا اس نے آزادی سے دیا یا طیب خاطر سے دیا ایسے ہی لوگوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند — حق را بسجودے و نبی را بدرودے

(۲۳۴) ایک عالم کا قابل اضاعت مضمون

فرمایا کہ ایک مضمون آیا ہے۔ ایک عالم کا لکھا ہوا ہے میں نے اس مضمون کو کہیں کہیں سے دیکھ کر جواب میں لکھا ہے کہ یہ قابل اشاعت نہیں بلکہ قابل اضاعت ہے۔ یہ تو کل لکھا تھا آج اتنا اور بڑھا دیا ہے کہ یہ قابل اخفاء یہ اس خیال سے کہ بعض مرتبہ اپنے لکھے ہوئے مضمون کو اس پر محنت ہونے کی وجہ سے ضائع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ میں نے اس کی بھی رعایت کی ہے ان کو اہل سمجھ کر لکھ دیا ورنہ ہر شخص کو ایسا نہیں لکھا جاتا۔

(۲۳۵) نفس کا ایک زبردست کید

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں ایک نقشبندی کو چپ کیا تھا

طالب علمی کی شوخی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا ذکر جہر علی الاطلاق منع ہے۔ بے سوچ کہہ دیا کہ جی میں نے کہا تو اذان بھی آہستہ کہا کرو چپ ہو گئے کچھ نہ بن پڑا حالانکہ اس کا بھی جواب تھا کہ بعض مستثنے بھی ہیں۔ ذکر خفی اگر خلوص سے ہو جلی سے افضل ہے لیکن اگر خلوص نہیں بلکہ اس میں نفس کی شرارت ہو کہ اگر کسی روز آنکھ نہ کھلے تو شیخ صاحب کی کرکری نہ ہوگی سب سمجھ لیں کہ وہ تو ہمیشہ ذکر خفی کرتے ہیں آج بھی ایسا ہی ہوا ہوگا پتہ نہ چلے گا اور یہ نفس کا بڑا زبردست کید ہے تو ایسے شخص کے لئے جلی ہی افضل اور علاج ہے۔ ایک نقشبندی کو ایک چشتی نے عجیب لطیف جواب دیا۔ نقشبندی نے کہا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم ذکر جہر کرتے ہو مطلب یہ تھا کہ اس میں ریا ہے یہاں تک کہ ہم تک خبر پہنچ گئی۔ چشتی نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم ذکر خفی کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ سننا تو مشترک رہا تو پھر اس میں بھی ریا ہوگئی۔ دونوں میں فرق ہی کیا ہوا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات فرمائی کسی شخص کو ذکر جہر بتلایا کہنے لگا کہ اس میں تو ریا ہوگئی۔ فرمایا کہ جی ہاں جہر میں تو سب کو معلوم ہے کہ لا الہ الا اللہ۔ لا الہ الا اللہ۔ الا اللہ الا اللہ کر رہا ہے اس میں تو ریا ہوگی۔ اور خفی میں جب گردن جھکا کر آنکھ بند کر کے بیٹھو گے لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم لوح وقلم کی سیر کر رہے ہیں یا عرش وکرسی کی۔ اس میں ریاء نہ ہوگی۔ واقعی یہ حضرات حکیم ہیں خوب نبض پہچانتے ہیں۔ مگر یہ باتیں محض کتابیں پڑھنے سے نصیب نہیں ہوتیں۔ کسی کامل کی صحبت کی برکت سے نصیب ہوسکتی ہیں۔

(۲۳۶) مبتدی کے لئے ایک ضروری کام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مبتدی کو چاہئے کہ محبت اور ادب تو سب سے رکھے لیکن اعتقاد ایک ہی سے رکھے۔ مختلف جگہ اعتقاد پیدا کرنے سے شبہات اور تشویشات کا دروازہ کھل جائے گا۔ پھر ان شبہات سے یہ حالت ہوگی۔ شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا۔

وجہ یہ کہ ابتداء میں جوش ہوتا ہے۔ بس اسی میں رہے گا کہ اس سے کچھ لے لیا اس سے کچھ لے لیا اس تشویش میں مقصود ہاتھ نہ آئے گا اس لئے اتباع کا تعلق ایک ہی چاہئے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جس سے تعلق کیا جائے وہ اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل اور اکمل ہو بلکہ خواہ افضل اکمل نہ ہو لیکن فن سے واقف ہو اور طالب کو اس سے مناسبت ہو۔ اور اصل

اعظم اس طریق میں مناسبت ہی ہے۔ پھر افضل غیر افضل کی تفتیش کے فضول ہونے پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ کیرانہ میں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے پاس بیٹھے ہوئے تھے دل میں خیال کرنے لگے کہ معلوم نہیں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مرتبہ بڑا ہے یا حافظ ضامن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا حضرت اس خطرہ پر مطلع ہوئے فرمایا کہ ایسا خیال بہت بری بات ہے تمہیں اس سے کیا مطلب کہ کون بڑا اور کون چھوٹا ہے۔ بادل کے دو ٹکڑے ہیں ایک چھوٹا ایک بڑا مگر تمہارا گھڑا بھر دینے کو تو دونوں کافی ہیں۔ اور ایسے موقع پر حضرت اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

پیش اہل دل نگہ وارید دل　　　تا نباشید از گمان بد خجل

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عجیب شان تھی۔ حضرت کی شان کو دیکھ کر بے ساختہ یہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　　نیک بیں باشی اگر اہل دلی

مرد حقانی کے پیشانی کا نور　　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذیشعور

حضرت حجتہ اللہ فی الارض آیت اللہ فی الارض تھے۔ اور حضرت گو اصطلاحی عالم نہ تھے مگر آپ کے موہوب علوم ایسے تھے۔

بینی اندر خود علوم انبیا　　　بے کتاب و بے معید و اوستا

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ جیسے شخص یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو حضرت سے اعتقاد علوم ہی کی وجہ سے ہے۔ اور ظاہری تحصیل نہ ہونا یہ زیادہ کمال کی دلیل ہے ورنہ اگر حضرت اصطلاحی عالم ہوتے اور پھر یہ تحقیقات ہوتیں تو کوئی کمال نہ تھا وہ علمی استعداد کا ثمرہ سمجھا جاتا اور اب باوجود اصطلاحی عالم نہ ہونے کے اس قدر حقائق کا ظہور یہ حضرت کے کمال کی صریح دلیل ہے اور تمام کرامتیں اس کرامت پر قربان ہیں۔ واقعی حضرت اس فن کے امام تھے مجتہد تھے۔ محقق تھے۔ مجدد تھے حضرت کے فیض سے مدتوں کا مردہ طریق زندہ ہوگیا۔ والحمدللہ۔

(۲۳۷) اصلی کرامتیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ

کے پاس زیادہ نہیں رہا جو میرے جذبات کے علم کا ذریعہ ہو سکتا تھا مگر باوجود اس کے حضرت کا مبصر ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ندوہ والوں نے میری کچھ شکایات حضرت سے کیں کہ وہ ہماری مخالفت کرتا ہے حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس میں تو مادہ ہی مخالفت کا نہیں۔ بھلا حضرت کو میرے جذبات کی کیا خبر تھی۔ لیکن حقیقت حال کو تحریر فرمادیا۔ لوگ کرامتوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اصلی کرامتیں یہ ہیں۔

(۲۳۸) محض ملفوظات رٹنا کافی نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کام کرنا چاہیے۔ محض بزرگوں کے قصے اور سوانح عمری جمع کرنے سے کیا حاصل۔ میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں جمع کرنے کا خیال ہے اگر حضرت کو کچھ یاد آجاوے ارشاد فرمادیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی تم نے ایسی بات کا سوال کیا کہ ہم نے اس نظر سے کبھی حضرت کو دیکھا ہی نہیں۔ واقعی خوب ہی فرمایا۔ اسی طرح ملفوظات کے یاد کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اکثر تو اس سے وہی غرض ہوتی ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

حرف درویشاں بدزدو مرد دوں ۔۔۔ تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

محض ملفوظات یاد کرنے کی جب خود خالی ہو بالکل ایسی مثال ہے جیسے کسی قلعہ کے چہار طرف خندق ہے جو میلوں چلی گئی ہے اور چہار طرف سے قلعے کو گھیرے ہوئے ہے مگر پانی میں باہر کی محتاج ہے اس میں اپنا پانی نہیں بلکہ نہر یا کنوئیں کی محتاج ہے اور ایک قلعہ کے اندر کوئیاں ہے جو طولاً بھی اور عرضاً بھی چھوٹی ہے مگر اس کے اندر سے پانی جوش مارتا ہے وہ باہر کی محتاج نہیں تو خود وہ کام اور اعمال کرنے چاہئیں کہ خود اس کی زبان سے ملفوظات نکلنے لگیں نقل کی حاجت نہ رہے گو برکت وافادہ کے لئے نقل کا بھی مضائقہ نہیں۔ یہ ہے کام کی بات کہ کام میں لگو۔

(۲۳۹) اسوہ حسنہ کی مثال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام عمل کا نمونہ ہیں مخلوق کے لئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک

درزی کو اچکن کا کپڑا دیا کہ اس کو سی دو۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی نمونہ بھی دیا کہ اس کے موافق سی دو۔ یا یہ کہ نمونہ نہیں دیا۔ سو بدوں نمونہ کے اگر اس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم تنسیخ کرتا ہے تو زیادہ مجرم نہیں لیکن نمونہ دینے کے بعد اگر گڑ بڑ کرتا ہے تو سخت مجرم ہے اور بجائے کسی مزدوری اور کسی انعام کے لتاڑ پڑے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے انبیاء کو عمل کا نمونہ بنایا ہے کہ اس طرح عمل کیا کرو جیسا یہ کرتے ہیں۔ آخر میں پوچھتا ہوں کہ انبیاء کی بعثت کا کوئی راز اور حکمت ہے یا نہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ میاں بجائے انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کے آسمان سے پرچے برسا دیتے اور ان میں سب احکام لکھ دیتے۔

(۲۴۰) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بالکل ہر طرح سے کامل پیدا فرمایا ہے ظاہراً بھی باطناً بھی حتیٰ کہ خوبصورتی بھی کامل عطاء فرمائی گئی تھی۔ اور ہمارے حضور ﷺ تو اس قدر جامع تھے کہ اگر کسی کو حضور ﷺ کے کمالات بھی نہ معلوم ہوں تو صورت ہی دیکھ کر کشش ہوتی تھی۔ اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضور ﷺ کے غلاموں کی صورت دیکھ کر اہل نظر کو کشش ہوتی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری بریلی ایک جلسہ میں شریک ہوئے تھے ان کو ایک غالی بدعتی کے ایک مرید نے دیکھ کر ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ مولانا خلیل احمد صاحب ہیں۔ کہا ان کو وہابی کہتے ہیں۔ کیا وہابی کی صورت پر ایسا نور ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ ہرگز وہابی نہیں ہو سکتے لوگ فضول ان کو بدنام کرتے ہیں۔ اب بتلائیے کہ اس نے مولانا کی کونسی کرامت دیکھی تھی یا کونسے علوم ظاہرہ یا باطنہ دیکھے یا سنے تھے محض صورت ہی تو دیکھی تھی۔ صورت دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنا پڑا واقعی حق کا نور کب چھپتا ہے۔ اس کی یہی حالت ہوتی ہے اسی کو فرماتے ہیں اور خوب ہی فرماتے ہیں۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بین باشی اگر اہل دلی

مولوی ابوالحسن صاحب کاندھلوی نے اس کا عجیب ترجمہ کیا ہے اور خوب ہی کیا ہے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذیشعور

اوراس کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے　　　تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گورا آدمی حسین ہوتا ہے محض غلط ہے بعض کالا اس قدر حسین ہوتا ہے کہ اس کے چہرہ سے نگاہ ہٹانے کو جی نہیں چاہتا وہ ایک ذوقی چیز ہے اس کی کشش بھی ذوقی ہی چیز ہے۔

(۲۴۱) حضرت حکیم الامتؒ کے شافی جوابات

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے بطور شکایت کہا کہ خواہ کسی خط کے کتنے ہی صفحات ہوں مگر جواب میں تمہاری ایک ہی سطر ہوتی ہے۔ یعنی کون سا مشکل کام ہے اس میں وقت ہی کیا صرف ہوتا ہے میں نے کہا کہ یہ تو آپ نے دیکھا کہ ایک سطر ہوتی ہے اور یہ نہ دیکھا کہ سارا پڑھنا پڑھتا ہے اور اس ایک سطر میں اس خط کے تمام مضامین سے تعرض ہوتا ہے۔ ایک اور صاحب نے مجھ سے کہا کہ جواب شافی نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ کافی بھی ہوتا ہے کہا کہ کافی تو ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ بس تو شافی بھی ہوتا ہے گووافی یعنی کثیر المقدار نہ ہو۔

۱۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(۲۴۲) اہل باطل کے اعتراضات کا راز

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان اہل باطل کے پاس اپنا تو کوئی ذخیرہ ہوتا نہیں جس میں مشغول ہوں۔ بیٹھے ہوئے دوسروں پر نکتہ چینی اور اعتراضات کیا کرتے ہیں ہمیشہ ہی سے ان اہل باطل کا یہی رویہ چلا آرہا ہے اب بھی جو موجود ہیں اسی طرح اپنے بڑوں کی تقلید کررہے ہیں۔ ابھی قادیانیوں نے اخبار پیغام صلح میں کچھ اعتراضات شائع کئے ہیں۔ دو اعتراض تو پرانے ہیں۔ ایک بہشتی زیور پر اس میں شرقی غربی میاں بیوی کا مسئلہ ہے۔ اور ایک حفظ الایمان پر کہ حضور ﷺ کے علم کو نعوذ باللہ بہائم اور مجنون کے علم سے تشبیہ دی ہے۔ ان اعتراضوں کا تو دوبارہ اعادہ کیا ہے۔ اور دو اعتراض نئے ہیں ایک میری تفسیر بیان القرآن پر کہ اس میں عملیات لکھ دیئے اور اس سے اس کو نقش سلیمانی بنادیا اور ایک شم الطیب پر جو مفتی الٰہی بخش صاحب کا رسالہ ہے

جس کو میں نے نشر الطیب کا جزو بنا دیا ہے۔ ان اعتراضوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ معترض محض جاہل ہے۔ دوسروں کے اقوال کو میری طرف منسوب کیا ہے اس لئے کہ بہشتی زیور کا مسئلہ تو فقہاء کا لکھا ہوا ہے اور نشر الطیب میں مفتی الٰہی بخش صاحب کا مضمون ہے اور تفسیر بیان القرآن پر تعویذ اور عملیات کے اضافہ مطبع والوں کا کام ہے۔ ہاں حفظ الایمان کی عبارت البتہ میری ہے مگر وہ بالکل صاف ہے لفظ ایسا میں مطلق بعض غیوب کا علم مراد ہے نہ کہ علم نبوی۔ اس (لفظ ایسا) سے بیوقوف معترض لوگ حضور ﷺ کا علم مراد لیتے ہیں۔ اگر ذرا بھی اردو پڑھے ہوئے ہوں تو معلوم ہو۔ اب میں اس میں کیا مشغول ہوں ایک تو قیل وقال کرنا اپنے مذاق کے خلاف ہے اور دوسرے یہ کہ کس سے خطاب کروں سمجھے گا کون۔ نہ ان کا مقصود سمجھنا ہے بلکہ مقصود اعتراض کرنا ہے اب کون ان کوڑ مغزوں کے ساتھ قیل وقال کر کے اپنی تضییع اوقات کرے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اپنی نصرت کرتے ہوئے حجاب سا معلوم ہوتا ہے اگر نفس مسائل پر قطع نظر میری نسبت سے اعتراض کرتے تو جواب کو جی بھی چاہتا اور اس وقت وہ دین کی نصرت ہوتی۔

(۲۴۳) ایک مولوی صاحب کا پادری کو انجیل پڑھانے کے متعلق سوال کا جواب

فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایک عیسائی پادری مجھ سے انجیل پڑھنا چاہتا ہے وہ انجیل عربی میں ہے ایک گھنٹہ یومیہ پڑھانے کے چالیس روپیہ ماہوار دینا چاہتا ہے ابھی میں نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا جیسے حضرت والا فرمائیں عمل کروں میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ پادری کی ایسی نوکری سے دل کو نفرت ہوتی ہے۔ فتوے کون دے۔

(۲۴۴) عقل صحیح کا مقتضاء

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عقل صحیح کا مقتضاء ہر حال میں عدل ہے اور وہ منحصر ہے شریعت میں تو ہر حال میں جو حکم شریعت کا ہو اس کے ماتحت رہ کر آدمی کو رہنا اور کام کرنا چاہئے شریعت کو اپنے مصالح کے تابع نہیں بنانا چاہئے۔ باقی نہ لڑائی فی نفسہ مقصود ہے نہ صلح بلکہ ہر چیز کا موقع اور وقت شریعت سے معلوم کر کے عمل کرے صلح اور لڑائی سب اللہ کی رضا

کے واسطے ہونا چاہئے مقصود اصلی ہر مسلمان کے کام سے خدا کا راضی کرنا ہے۔

(۲۴۵) تیرہ سو مسائل کا قرآن وحدیث سے استنباط

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سرسری نظر سے آیات قرآنی سے جس قدر مسائل سلوک کے مستنبط کئے گئے ہیں ان کی فہرست تیار کرا رہا ہوں۔ تیرہ سو کے قریب نمبر مسائل کے ہو چکے ہیں ابھی اور باقی بھی ہیں اور بعض مکرر بھی ہیں۔ اگر تصوف کوئی حق چیز نہیں تو اس کے اس قدر مسائل قرآن سے کیسے مستنبط ہو گئے۔ اس کے بعد جس قدر مسائل سلوک کا حدیث سے استنباط کیا گیا ہے اس کی فہرست تیار کرانے کا ارادہ ہے۔ ذرا معترضوں کی آنکھیں تو کھلیں (یہ فہرست بشکل ایک رسائل کے ہے اس کا نام عنوانات التصوف ہے) اصل یہ ہے کہ ان معترضین نے قرآن وحدیث کو سمجھا ہی نہیں اس لئے یہ فن مردہ ہو چکا تھا اب اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب کئی صدیوں کے لئے زندہ ہو گیا اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی برکت ہے آپ کے فیوض باطنی کے ثمرات ہیں۔

(۲۴۶) بعد نماز عصر مصلی پر مصافحہ سے اظہار ناگواری

ایک صاحب نے بعد نماز عصر مصلی ہی پر حضرت والا سے مصافحہ کرنا چاہا فرمایا تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کیا میں مصلی سے نہ اٹھتا کیوں اس قدر عجلت ہے کیا کوئی وقت میری فرصت یا راحت کا رہا ہی نہیں۔ عرض کیا قصور ہوا فرمایا پہلو ہٹو یہاں سے۔ اگر قصور ہوا تو اب کیوں چھاتی پر کھڑے ہو۔

۲۰ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(۲۴۷) مدعی عامل بالحدیث کا حال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ غیر مقلدین کا فرقہ بھی باستثناء بعض اس قدر گستاخ ہے کہ میرے پاس ان لوگوں کے متعدد خطوط بیعت کی درخواست کے لئے آئے میں صرف اتنا ہی پوچھ لیتا تھا کہ تم تقلید کو کیسا سمجھتے ہو تو اکثر جگہ سے صاف یہی جواب لکھا ہوا آتا تھا کہ ہم تقلید کو شرک سمجھتے ہیں۔ میں لکھ دیتا تھا کہ میں مقلد ہوں اور تم اس کو شرک سمجھتے ہو تو پھر مشرک سے بیعت ہونا کہاں جائز ہے۔ عقل مند بیعت بھی ہونا چاہتے ہیں اور جس سے

بیعت ہوں اس کو مشرک بھی سمجھتے ہیں کچھ اصول اور حدود ہی نہیں اس قدر گستاخ ہیں الا ماشاء اللہ۔ اور جاہلوں کی تو شکایت ہی کیا بعضے مولوی اپنی کتابوں میں لکھ گئے کہ تقلید حرام ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مقلدین جس قدر ہیں سب کو حدیث سے بعد ہے خصوصاً حنفیہ کو سب سے زیادہ ہی بعد ہے۔ فرمایا کہ بس قرب تو حدیث سے جناب ہی کو تھا۔ ان کے عامل بالحدیث ہونے پر تعجب ہے کونسی قسم کے عامل بالحدیث ہیں۔ اردو میں خطبہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اس میں حدیث کو نہیں دیکھتے۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا مجموعہ خطب اس لئے نہیں خریدتے کہ اس میں اردو میں خطبہ پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ جب سنت پر عمل نہ ہوا تو یہ فرقہ بھی بدعتی ہی ہوا مگر ان کو یہ بھی خبر نہیں۔

(۲۴۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دور سے تو روایات سن کر لوگ مجھ سے گھبراتے ہیں مگر جب پاس آ کر رہتے ہیں اس وقت انس ہوتا ہے۔ میری تعلیم کا خلاصہ اخلاق کے بارے میں صرف یہ ہے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ پس اصل یہی ایک بات ہے اور سب سے بڑی ہے اور باقی سب اس کی فرع ہیں۔ مثلاً معاملہ صاف رکھو۔ بات صاف کہو۔ یہ میری تعلیم کا خلاصہ ہے جس سے لوگ گھبراتے ہیں وجہ یہ کہ لوگ اس کے عادی نہیں رہے۔ رسوم کا غلبہ ہو گیا حقائق مٹ گئے۔ اس لئے یہ باتیں لوگوں کو نئی معلوم ہوتی ہیں اس لئے وحشت ہوتی ہے ایک صاحب یہاں پر آئے تعلیم یافتہ تھے۔ دور سے سفر کر کے آئے روپیہ اور وقت صرف کیا۔ میں نے پوچھا کس غرض سے آنا ہوا۔ جواب میں کہتے ہیں۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** میں نے کہا کہ میں ان رموز کے سمجھنے سے قاصر ہوں سمجھ نہیں سکا مگر میں نے یہ مواخذہ نرم لہجہ میں کیا۔ یہاں سے واپس جا کر میرے ایک دوست مولوی صاحب سے کہا کہ میں تو شان فاروقی سمجھ کر گیا تھا یعنی اس کا طالب تھا وہاں تو شان عثمانی ہے یعنی مجھ کو نافع نہیں ہوئی۔ مجھ کو سن کر تعجب ہوا کہ کیا الٹی بات کہی۔ کیا نرمی سے مواخذہ کرنا شان فاروقی کے خلاف ہے۔ اتنی کسر ضرور رہی کہ میں نے ان کو مارا نہیں۔ یہ شان عثمانی تھی مجھ کو اس سے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہئے تھا۔ اب بتلایئے جب یہ نرمی سے راضی نہیں ہوتے تو راضی رکھنے کا پھر کون سا طریق ہے۔ اب ہر شخص سے مجھ کو پوچھنا چاہئے کہ کہو بھائی

شان فاروقی کا برتاؤ چاہتے ہو یا شان عثمانی کا۔ بھلا ایک شخص تمام دنیا کے مذاق کی کہاں تک رعایت کر سکتا ہے اس لئے وہی مناسب ہے جو اپنی سمجھ میں آئے پچاس مختلف آدمی تو ایک کو راضی رکھ سکتے ہیں مگر ایک آدمی مختلف پچاس کو راضی نہیں رکھ سکتا۔

(۲۴۹) ہاتھ میں تسبیح رکھنے سے نفس مردہ نہیں ہوتا

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جہاں کسی نے ہاتھ میں تسبیح لے لی اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کا نفس مردہ ہوگیا یعنی بے حس ہوگیا بے غیرت ہوگیا۔ نہ خوشی کی بات سے اس کو خوشی ہوتی ہے نہ رنج کی بات سے رنج ہوتا ہے۔ نہ ناگوار بات ناگوار ہوتی ہے اس کو اینٹ پتھر مٹی سمجھتے ہیں۔ آج کل لوگ درویشی اسی کو سمجھتے ہیں۔ خوب کان کھول کر سن لو اگر طالب علمی کا نام درویشی ہے تو میں درویش ہوں اور اگر کسی اور چیز کا نام درویشی ہے تو میں درویش نہیں ہوں۔ پھر اس خیال سے یہاں مت آؤ۔ اور جگہ دنیا میں بہت درویش ہیں جو تمہاری اطاعت فرمانبرداری اور غلامی کریں گے۔ یہاں تو نہ دوسروں کو اپنا تابع بنایا جاتا ہے نہ خود کسی کا تابع بنا جاتا ہے بلکہ اصول صحیحہ کا خود بھی متبع ہوں اور دوسروں کو بھی ان کا متبع بنانا چاہتا ہوں۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو یہاں نہ آؤ کہیں دوسری جگہ جاؤ جہاں کا طرز پسند ہو۔

(۲۵۰) آج کل موکدہ سنتوں کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو علاوہ فرضوں کے موکد نمازیں بجائے مسجد کے اگر گھر پر پڑھا جائے کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ فرض کے علاوہ جو نمازیں ہیں ان کے متعلق سلف میں یہی معمول تھا کہ گھر پر پڑھتے تھے اور فی نفسہ اسی میں فضیلت ہے۔ مگر ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی کہ وہ موکد نماز کی منکر ہوئی اس وقت سے مسجدوں میں موکد نمازوں کا اہتمام شروع کیا گیا تاکہ اس جماعت کی طرح دوسروں پر ترک سنن کا شبہ نہ ہو۔ اب اس عارض کی وجہ سے فضیلت اسی میں ہے کہ موکد سنت کو مساجد میں پڑھا جاوے۔

(۲۵۱) دیہات میں نماز جمعہ کا حکم

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جن دیہات میں جمعہ جائز نہیں اگر وہاں پر خوف

فتنہ سے جمعہ پڑھ لیا جائے کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ جہاں خوف فتنہ ہو وہاں تو اس سے زیادہ کی بھی اجازت ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خوف فتنہ جان کے اندیشہ کو کہتے ہیں یعنی جہاں مار پیٹ کا اندیشہ ہو باقی محض زبانی سب وشتم کو فتنہ نہیں کہتے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے اور آج کل ایسا فتنہ کہ کوئی دوسرے کو مارے پیٹے مشکل سا معلوم ہوتا ہے اور یوں کوئی بزدل ہی بن جائے اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔

(۲۵۲) عرفی احتیاطی ظہر بے اصل ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جہاں قصبات یا شہروں میں جمعہ فرض ہے وہاں پر ظہر احتیاطی پڑھ لینا کیسا ہے۔ فرمایا جہاں جمعہ فرض ہے وہاں ظہر احتیاطی پڑھنا کیا معنے اور جہاں جمعہ صحیح نہیں ہے وہاں ظہر پڑھنا فرض ہے۔ عرفی ظہر احتیاطی محققین کے نزدیک بے اصل ہے۔

(۲۵۳) دارالحرب کی دو قسمیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دارالحرب کے معنی دارالکفر ہیں۔ لیکن پھر اس دارالحرب کی دو قسمیں ہیں ایک دارالامن ایک دارالخوف۔ دارالامن میں بہت احکام مثل دارالاسلام کے ہوتے ہیں۔ سو ہندوستان دارالحرب ہے لیکن ہے دارالامن۔ اس لئے زیادہ تر معاملات میں یہاں دارالاسلام ہی کے احکام پر عملدرآمد ہوگا۔

(۲۵۴) تصوف کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر مقلد ہی کیا تصوف کو تو بہت کم لوگ سمجھے یہ جتنا سہل اور آسان تھا اسی قدر اس کو مشکل چیز بنا دیا حقیقت سے بہت دور جا پڑے اب مدتوں کے بعد خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تصوف بے غبار ہوا ہے اگر حق تعالیٰ کسی کو عقل کامل اور فہم سلیم نصیب فرمائیں تو تصوف کا ہر ہر مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت نظر آئے گا اس کے بعد گڑبڑ کرنا اور نہ سمجھنا عدم واقفیت کی دلیل ہے۔

(۲۵۵) مصلح سے مناسبت پیدا کرنے کی ضرورت

ایک نو وارد صاحب مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ایک اور صاحب نے جن کو حضرت والا

سے کسی قدر بے تکلفی کا درجہ حاصل تھا ایک فقہی مسئلہ پوچھا حضرت والا نے جواب دے دیا۔ ان نو وارد صاحب نے بھی اسی سلسلہ میں عرض کیا کہ میں بھی کچھ فقہی مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اب میں اس کام کا نہیں رہا مسائل زیادہ یاد بھی نہیں۔ میں خود دوسرے علماء سے مسائل پوچھ کر عمل کرتا ہوں۔ یہاں پر مفتی صاحب ہیں ان سے مسائل پوچھئے یا کہیں اور کسی جگہ کے علماء سے۔ عرض کیا کہ کچھ تجوید کے متعلق پوچھ سکتا ہوں فرمایا کہ یہ قاری کا کام ہے قاری سے پوچھا جائے۔ میں قاری بھی نہیں۔ اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں جھوٹ نہیں۔ نہ میں تواضع کرتا ہوں نہ تکبر کرتا ہوں۔ میرا مذہب تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے سچ بولنا چاہئے۔ پھر اس کو خواہ کوئی تواضع سمجھے یا تکبر۔ میں تو صرف ایک کام کا ہوں اس کو بھی نہیں چھپاتا اس سے بھی آپ کو میرے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جائے گا وہ یہ ہے کہ میرے پاس آ کر خاموش بیٹھے رہیں جو میں کہوں وہ سنا کریں۔ نہ دوبارہ پوچھیں نہ تکذیب کریں نہ تصدیق کریں جو بات دل کو لگے اور اس میں اپنی آخرت کا نفع سمجھیں عمل کر لیں ورنہ اختیار ہے اور یہ جو میں اس وقت کہہ رہا ہوں یہ بھی سچ ہے اس کو بھی چاہے کوئی تکبر سمجھے۔ اور خاموش بیٹھے رہنے کی جو میں نے صورت تجویز کی ہے۔ یہ اس طریق میں بڑی نافع چیز ہے۔ زیادہ قیل وقال سے طبیعت مردہ ہو جاتی ہے درمیان میں دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور یہ خاموش رہنے کی قید اس وقت تک ہے جب تک کہ طریق سے اور مصلح سے مناسبت نہ پیدا ہو۔ اور مناسبت کے بعد تو بولنا زیادہ نافع ہے۔ چنانچہ جن سے بے تکلفی اور مناسبت ہے وہ بولتے ہیں وہ مجھے جانتے ہیں میں ان کو جانتا ہوں۔ اگر بولنے کو اور مسائل پوچھنے کو جی چاہتا ہے تو ایسی مناسبت پیدا کرو۔ اور بے تکلف بناؤ۔

(۲۵۶) شیطان خواب میں انبیاء علیہم السلام کی شکل میں نہیں آ سکتا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔ شیطان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں آ نہیں سکتا۔ فرمایا کہ واقعی شیطان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نہیں آ سکتا اور نہ کسی اور نبی کی شکل میں شیطان متشکل ہو سکتا ہے۔ عرض کیا اگر صحابہ میں سے کسی کو خواب میں دیکھے مثلاً حضرت سیدنا

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان حضرات کی صورت میں شیطان آ سکتا ہے۔ فرمایا مشہور قول پر سوائے انبیاء علیہم السلام کے سب کی شکل میں آ سکتا ہے۔

(۲۵۷) فہم کی قلت پر اظہار افسوس

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل فہم کی بڑی ہی قلت ہے۔ ایک صاحب کی حماقت ملاحظہ ہو آخر کہاں تک تاویلات کروں کوئی حد بھی ہے مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ بدخلق ہے۔ ان خوش اخلاقوں کی حرکات کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ظالم کے تو ہر قول و فعل کی تاویل کی جاتی ہے اور مظلوم کے کسی قول فعل کی تاویل نہیں ہوتی۔ ان صاحب نے ختم کے متعلق مجھ سے بذریعہ خط معمول پوچھا تھا۔ میں نے لکھ دیا کہ ایک آنہ روز پر دعاء ہوتی رہتی ہے۔ یہ معمول ہے۔ اس میں یہ نفع ہے کہ جو مساکین اللہ اللہ کرنے والے یہاں پر رہتے ہیں ان کی امداد ہو جاتی ہے اور اہل غرض کو دعاء کرانے میں سہولت ہوتی ہے آج صبح ان صاحب کا منی آرڈر آیا ہے کوپن میں لکھتے ہیں کہ حسب الحکم روپیہ روانہ کرتا ہوں۔ ذرا اس بدفہمی کو ملاحظہ کیجئے۔ کیا میں حکم دیتا پھرتا ہوں کہ یہاں پر روپیہ بھیجا کرو۔ میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ حکم نامہ دکھلایئے۔ یہ چیزیں ہیں اختلاف کی جن پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بہت نیک نامی کی بات کی ہے دیکھئے غرض اپنی اور حکم کا بھتان مجھ پر۔ تہذیب تو رہی ہی نہیں۔ اسی طرح ایک صاحب نے مدرسہ کے لئے دوسو روپیہ کی رقم بھیجی اور لکھا کہ گذشتہ رمضان المبارک میں بھی میں نے مدرسہ کے لئے دوسو روپیہ کی رقم بھیجی تھی مدرسہ کی رسید نہیں پہنچی۔ امسال پھر دوسو روپیہ مدرسہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ امسال اگر مدرسہ کی رسید نہ پہنچی تو آئندہ سال میں رقم بھیجنا بند کر دوں گا میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ تم آئندہ سال سے بند کرو گے میں اسی سال سے بند کرتا ہوں۔ رسید وہ دے جو تحریک کرے اگر ہم پر اعتماد ہو اور ایماندار سمجھو بھیج دو اگر ایماندار نہ سمجھو اور اعتماد نہ ہو مت بھیجو۔ یہاں پر مدرسہ ہی اللہ کے نام پر ہے نہ کسی سے تحریک نہ کسی کو ترغیب۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر مدرسہ چلے گا کیسے۔ اجی صاحب نہ چلے گا بند کر دیں گے مگر ان شاء اللہ مانگیں گے نہیں۔ اور مدرسہ نہ رہنے کے وقت دین کی کسی اور خدمت میں لگ جائیں گے جو اپنے سے ہو سکے گی۔

(۲۵۸) فکر اور غور سے کام لینے کی ضرورت

ایک نو وارد صاحب نے حاضر ہو کر ایک پرچہ پیش کیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ یہ تو کوئی راز کی بات نہ تھی زبانی کہہ سکتے تھے یہ بھی فضول بات ہے کہ جو بات زبانی کہہ سکتے ہیں اس کے لئے پرچہ لکھا گیا۔ حدود کی قطعاً رعایت نہیں۔ فکر اور غور سے کام لینے کی عادت ہی نہیں رہی جو جی میں آیا کر لیتے ہیں خواہ اس سے کسی کو اذیت پہنچے یا راحت۔ کچھ فکر نہیں۔ اور میں فکر کے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بس یہی لڑائی ہے۔ اور میں نے تم کو ابھی پہچانا نہیں۔ عرض کیا کہ ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں فرمایا کیا اس گاؤں کا یا تمہارا کوئی نام نہیں اس پر خاموش رہے۔ فرمایا کہ یہ دوسری اذیت کی بات شروع کی کہ جواب ندارد۔ پھر فرمایا یہ پرچہ لو اور پیچھے ہٹ کر بیٹھو۔ جب تم کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں تو کام کیسے ہوگا۔ خدمت لینے کا یہ طریقہ نہیں۔

(۲۵۹) علماء کو ظاہری شان وشوکت سے رہنا مناسب نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہماری عزت تو اسی میں ہے کہ حجروں میں بیٹھیں اور جو کچھ ہو سکے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہیں۔ اور ہم کو ایسی غریبانہ وضع سے رہنا چاہئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی آ کر رات کو ہم کو جگا سکے۔ چاہے اس جگانے والے سے ہم لڑ ہی پڑیں مگر وہ اس کی جرات کر سکے اور علماء کو ظاہری شان وشوکت سے رہنا مناسب نہیں اس لئے کہ غریب مسلمان استفادہ نہیں کر سکیں گے میں تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔

(۲۶۰) ڈاک خانہ اور بینک کے سود کا حکم

ایک صاحب نے ڈاک خانہ اور بینک کے سود کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا کہ یہ مسئلہ علماء میں مختلف فیہ ہے میری رائے اس کے خلاف ہے۔ میں ڈاک خانہ اور بینک کے سود کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کسی طبیب نے کسی خاص مریض کو کسی خاص تدبیر کے ساتھ سنکھیا کھانے کو بتلا دیا تو اس کا عام اشتہار تھوڑا ہی دیا جاوے گا کہ سب سنکھیا ہی کھایا کریں اگر ایسا کیا تو ہلاکت کا سبب ہوگا۔ ایک

صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب کا (جن کا نام طفل کی تصغیر ہے) یہ فتویٰ ہے۔ بطور لطیفہ کے فرمایا کہ لڑکوں کی بات کا کیا اعتبار اس تصغیر کے معنی چھوٹے بچے کے ہیں۔

(۲۶۱) سرپرستی دراصل خدمت کا نام ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایسی سرپرستی سے فائدہ ہی کیا۔ سرپرستی کوئی عہدہ تھوڑا ہی ہے ایک خدمت ہے جب وہ لوگ خدمت لینا نہیں چاہتے تو پھر میں کیوں خادم بنوں مجھ کو تو اور ہی مشاغل سے فرصت نہیں۔

(۲۶۲) ضیاع وقت پر اظہار افسوس

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کام کی اس قدر کثرت ہے کہ مجھ کو لوگوں سے لڑنا پڑتا ہے کیونکہ وہ آ کر فضول وقت خراب کرنا چاہتے ہیں مجھ کو ناگوار ہوتا ہے۔ ان ہی کاموں میں ایک کام یہ ہے جو وعظ چھپتے ہیں ان کو خود دیکھتا ہوں ان پر نظر ثانی کرتا ہوں اس میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔ ایک ڈاک کا کام ہے وہ بہت بڑا کام ہے۔ غرض باوجود تصنیفات کی کمی کے دوسرے کام پھر بھی ایسے ہی ہیں کمی کچھ نہیں۔

(۲۶۳) روک ٹوک کا اصل مقصد

ایک نووارد صاحب حاضر ہوئے حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے۔ عرض کیا فلاں مقام سے پوچھا کتنے روز قیام ہوگا۔ عرض کیا کہ دو روز فرمایا کہ اگر پہلے مجھ کو معلوم ہو جاتا اور خط میں آپ لکھ دیتے کہ دو روز قیام ہوگا تو میں یہ مشورہ دیتا کہ آنے کی تکلیف نہ کی جاوے محض دو روز کے لئے اتنی بڑی رقم اتنا بڑا سفر اور اس قدر وقت صرف کیا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ صرف آپ لوگوں کا ہوتا ہے اور دل میرا کڑھتا ہے۔ اگر خط میں اس کا بھی مشورہ کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا آپ کے کان میں مشورہ تو پڑ جاتا اس کے بعد آپ کو اختیار رہتا۔ یہ آپ کی ہی مصلحت سے کہہ رہا ہوں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ مجھ کو لوگ سخت بدنام کرتے ہیں۔ میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی ادنیٰ تکلیف سے میرا دل دکھتا ہے۔ ہاں بے اصول باتوں پر روک ٹوک ضرور کرتا ہوں اس میں بھی میری کوئی مصلحت نہیں۔ انہیں کی مصلحت ہے۔ چنانچہ

بڑا حصہ روک ٹوک کا اس لئے ہوتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔ اور مسلمانوں کا یہ مذہب ہونا چاہئے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ۔۔۔ کسے را با کسے کارے نباشد

اس میں میری کون سی غرض اور مصلحت ہے۔

۲۱ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(۲۶۴) حضرات صحابہؓ کی بے تکلفی اور محبت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون معظم ہوگا مگر خود صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے تکلف رہتے تھے۔ صحابہؓ نے محبت اور بے تکلفی کو جمع کر کے دکھلا دیا۔ اور آج کل کی جو تہذیب ہے بالکل خلاف سنت ہے۔ اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل کی تہذیب تعذیب ہے اور یہ واقعہ ہے کہ جتنا جس چیز میں سنت سے بعد ہوگا اس میں ظاہری بھی کلفت ہوگی باطنی بھی۔ مگر ایسی بے تکلفی بھی نہیں چاہئے کہ بڑوں کے ساتھ درجہ مساوات کا پیدا ہو جائے ہر چیز کے حدود ہیں اب تو حقائق پر رسوم کا غلبہ ہے اور قریب قریب اس میں سب کو ابتلاء ہے۔

(۲۶۵) تشویش مانع اثر ہوتی ہے

ایک دیہاتی شخص نے آ کر تعویذ مانگا اور یہ نہیں کہا کہ کس چیز کا تعویذ۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ میاں پوری بات کہو ادھوری بات کو تو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ عرض کیا کہ اوپرے اثر کا تعویذ چاہئے فرمایا کہ بدوں کہے اور بتلائے ہوئے میں کس چیز کا تعویذ دیتا۔ جاؤ اب تو دل برا کر دیا پاؤ گھنٹہ کے بعد آ کر پوری بات کہنا تب تعویذ دوں گا۔ تم کو یاد تو رہے گا کہ ادھوری بات سے دوسرے کو تکلیف ہوا کرتی ہے۔ دوسرے یہ ایک مسئلہ ہے اس فن کا کہ جب تک عامل میں انشراح اور بشاشت نہ ہو تعویذ میں اثر نہیں ہوتا۔ لوگوں کو اس کی خبر نہیں مسمریزم کی طرح قوت خیالیہ کو اس میں بھی دخل ہے اس لئے تکدر یا تشویش مانع اثر ہوتی ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مسمریزم میں بھی قوت خیالیہ کو دخل ہے اور

بزرگوں کے تصرف میں قوت خیالیہ کو دخل ہے۔ ان دونوں میں فرق کیا ہوا۔ فرمایا کہ ذات میں تو فرق نہیں اغراض میں فرق ہے جیسے کشتی کا فن ہے کہ دشمن کے پچھاڑنے کے واسطے ہے۔ یہ تو مشترک ہے۔ پھر اگر اس سے دوست کو پچھاڑا جائے تو اور حکم ہے اور دشمن کو پچھاڑا جائے اور حکم ہے یہ دونوں میں فرق ہے۔ باقی حقیقت دونوں جگہ ایک ہے۔

(۲۶۶) آجکل کی خوش اخلاقی

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کل خوش اخلاقی کے یہ معنے سمجھے جاتے ہیں کہ دوسرے کا تابع ہو جائے مگر دوسروں کی اصلاح کا کام سپرد ہوتے ہوئے میرا خوش اخلاق ہونا مشکل ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ میری بد اخلاقی دوسروں کی خوش اخلاقی کا مقدمہ ہے۔ ہاں مامون رشید کا مذہب اسی متعارف خوش اخلاقی کا تھا۔ چنانچہ یحییٰ ابن اکثم جو بخاری کے شیخ ہیں مامون رشید کے یہاں مہمان ہوئے شب کو کسی ضرورت سے مامون رشید نے اپنے غلام کو آواز دی یا غلام یا غلام۔ اول تو کوئی بولا نہیں لیکن چند بار کی آواز دینے کے بعد ایک غلام تڑتڑاتا ہوا اپنے بستر سے اٹھا اور کہنا شروع کیا کہ شب کو بھی آرام نہیں کرنے دیتے۔ دن بھر تو کاموں میں مشغول رہتے ہیں شب کو بھی یا غلام یا غلام۔ مار دو غلاموں کو پھانسی دیدو غلاموں کو ذبح کر دو غلاموں کو سنکھیا دیدو غلاموں کو۔ رات کو بھی چین نہیں حضرت یحییٰ ابن اکثم کو غصہ آ گیا اور مامون رشید سے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین ان غلاموں کے اخلاق آپ نے خراب کر رکھے ہیں۔ عجیب جواب دیا کہا کہ اگر ان کے اخلاق درست کروں تو پہلے اپنے اخلاق خراب کرنے پڑتے ہیں سو میری جوتی کو غرض پڑی ہے کہ میں ان کے لئے اپنے اخلاق خراب کروں۔ سو مصلح کبھی خوش اخلاق مشہور ہو ہی نہیں سکتا بد اخلاق ہی مشہور ہوگا۔ علاوہ اس کے ایک وجہ میری زیادہ بدنامی کی یہ بھی ہے کہ اور کسی جگہ میں اصلاح اور تربیت کے ذیل میں روک ٹوک محاسبہ معاقبہ ہے ہی نہیں محض اوراد اور وظائف کو طریق سمجھ رکھا ہے اور کیفیات کو ثمرہ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اعمال طریق ہیں اور رضاء حق مقصود ہے۔

(۲۶۷) نفس پروری کے احکام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے جو مجھ سے بے تکلف تھے کہا کہ آپ نفس

پروری بہت کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو صغریٰ ہے اور کبریٰ کہاں ہے کہ نفس پروری حرام ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر اذن شرعی کے اندر اندر ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ یہ تو ضابطہ کا جواب ہے باقی اپنے مذاق کے موافق جواب یہ ہے کہ میں نفس کشی کا دعویٰ کب کرتا ہوں بلکہ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ میرے متعلق فلاں مولوی سے پوچھو وہ کہا کرتا ہے کہ اس کا عمل رخص پر ہے۔ میں نے اس شخص کے متعلق کچھ لکھا تھا مگر اس میں اس کا نام نہیں لکھا تھا کہ رسوائی نہ ہو صرف یہ لکھ دیا تھا کہ اس کے وطن کا پتہ اس شعر کے بعض الفاظ کے تھوڑے تغیر سے لگ جائے گا وہ شعر یہ ہے۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں　　　کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اور وہ تغیر غنہ سے اقلاب ہے۔

(۲۶۸) تاویل نفسانی اور شیطانی کا اثر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے ایک انگریزی خوان کی غلطی پر خط سے متنبہ کیا تھا ان لوگوں کے اخلاق بھی عجیب ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ کیا مجھ کو معاف کر سکتے ہیں میں نے لکھا کہ یہ تو استفسار ہے معافی کی درخواست نہیں ہے۔ کیا جس سے معافی چاہا کرتے ہیں اس سے پوچھا بھی کرتے ہیں کہ معاف کرو گے یا نہیں۔ اس پر جواب میں لکھا کہ وہ استفسار نہ تھا بلکہ معافی کی درخواست ہی تھی۔ میں نے لکھا کہ جب میں اس قدر کوڑ مغز ہوں کہ دونوں کے مفہوم میں بھی فرق نہ کر سکا اور نہ سمجھ سکا ایسے شخص سے تعلق پیدا کرنا ہی فضول ہے اس لئے کہ اس سے کوئی امید نفع کی نہیں اس پر ٹھیک جواب آیا جس سے معلوم ہوا کہ دماغ سیدھا ہو گیا لکھا ہے کہ فی الحقیقت مجھ سے غلطی ہوئی اور یہ تاویل نفسانی اور شیطانی تھی اور یہ اثر ہے اس منحوس انگریزی تعلیم کا جو میرے دماغ میں خناس بھرا ہے للہ معاف فرمائے۔ اب بتلایئے کہ یہ باتیں قابل اصلاح ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اصلاح کے طریق سے اصلاح ہو سکتی ہے نہیں تو پھر تعلق کا رکھنا اور تربیت کا التزام ہی بیکار ہے۔

(۲۶۹) ایک صاحب کا عجیب وغریب طریق سے علاج

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تربیت کا فن بہت ہی نازک ہے ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ کرنا پڑتا ہے ایک نو عمر خان صاحب یہاں پر آئے تھے چند روز قیام کر کے وطن واپس

ہو گئے وطن پہنچ کر لکھا کہ مجھ میں کبر کا مرض ہے۔ میں نے ان کے اس زمانہ قیام میں ان کی طبیعت اور عقل وفہم کا اندازہ کر لیا تھا نہایت سلیم الطبع آدمی ہیں۔ میں نے لکھا کہ اس ہی مضمون کو پانچ مرتبہ پانچ خطوط میں لکھ کر میرے پاس بھیج دو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مرض کا ازالہ ہو جائے گا۔ میں ان کی سلامت طبع سے سمجھ گیا تھا کہ یہ بار بار کا لکھنا ہی ان کے لئے بڑا مجاہدہ ہے۔ چنانچہ پانچ مرتبہ لکھا بحمد اللہ مرض کا ازالہ ہو گیا۔ اب یہ بات کونسی کتاب میں لکھی تھی۔ اس طریق میں اور برزخ میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے وہاں ہر مردے سے حساب کتاب جدا۔ معاملہ جدا۔ اسی طرح اس طریق میں ہے کہ ہر شخص سے جدا حساب کتاب۔ جدا معاملہ سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکا جاتا۔ طبیب اور مریض کا سا معاملہ ہے۔ ہر شخص کا مزاج جدا۔ مرض جدا قوت جدا۔ اگر دو مریض جو ظاہراً ایک ہی مرض کے مریض ہوں طبیب حاذق کے پاس آتے ہیں تو وہ اسباب مرض کے اختلاف سے دونوں کے لئے جدا جدا تجویز کرتا ہے اس ہی لئے ضرورت ہے کہ شیخ فن تربیت میں کامل ہو۔

(۲۷۰) فن طریق میں راہزن اشیاء

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں سب سن لیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس طریق میں دو چیزیں طالب کے لئے راہزن اور سم قاتل ہیں۔ ایک تاویل اپنی غلطی کی۔ اور دوسرے اپنے معلم پر اعتراض۔

(۲۷۱) بزرگوں کے جوابات عجیب ہوتے ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آئے دن عنایت فرما میری تصانیف پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں جس کو میں اپنے لئے رحمت سمجھتا ہوں اس لئے کہ میں جو کام ہزاروں روپے صرف کر کے بھی نہ کرا سکتا تھا یعنی تالیفات کی تنقیح وہ عنایت فرماؤں کہ بدولت مفت ہو رہا ہے۔ ان اعتراضات میں جو بات قابل قبول ہوتی ہے میں اس کو قبول کر لیتا ہوں۔ اور ترجیح الراجح میں اس کی اشاعت کر دیتا ہوں۔ خدانخواستہ کوئی ضد تھوڑا ہی ہے۔ اگر کوئی نیک مشورہ خیر خواہی سے دے مجھے کوئی ناگواری نہیں ہوتی بلکہ اس شخص کی دل میں اور وقعت اور

عظمت ہوتی ہے کہ اس کو دین کی فکر ہے۔ خیال ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تہذیب سے خطاب کرے گو بدتہذیبی سے بھی خطاب کرنے میں نیک بات کو تو قبول کرلوں گا۔ لیکن اس کی بدتمیزی اور بدتہذیبی پر ناگواری ضرور ہوگی۔ اور یہ تو دین کی خدمت ہے سب مسلمانوں کا فرض ہے اس کی خدمت کرنا۔ مگر آج کل تو اکثر منشاء اعتراض کا محض بغض وعداوت اور حسد ہوتا ہے۔ نہ خود سمجھیں نہ سمجھاویں۔ یہی حالت ہے ان معترضین کی جو حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کی حقیقت ایک مثال سے سن لیجئے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کا ایک عجیب جواب نقل فرمایا بزرگوں کے جواب بھی عجیب ہوتے ہیں۔ عام مناظرین کا ذہن وہاں تک پہنچتا بھی نہیں۔ مولانا محدث سے ایک مولوی صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان میں اس عنوان سے ایک عبارت لکھی ہے کہ اگر خدا چاہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سینکڑوں بناڈالے اور یہ محاورہ میں صیغہ تحقیر کا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر ہے کہ بناڈالے۔ حضرت مولانا محدث نے فرمایا کہ یہ فعل کی تحقیر ہے۔ مفعول کی نہیں۔ یعنی بناڈالنے کی تحقیر ہے کہ ان کو سہل ہے کہنے لگے کہ حضرت یہ تو تاویل ہے۔ فرمایا بہت اچھا اگر تاویل ہے جانے دیجئے یہ حضرات عجیب شان کے تھے کسی فضول بات کے پیچھے نہ پڑتے تھے۔ درپے نہ ہوتے تھے۔ عجیب اتفاق کہ دو تین ہی روز کے بعد یہ معترض مولوی صاحب مولانا سے عرض کرنے لگے کہ حضرت مشکوٰۃ شریف۔ ترمذی شریف تو آپ نے چھپوا دیں اب تو بیضاوی شریف چھپواڈالئے۔ مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب یہ وہی ڈالنا ہے جس سے مولانا شہید پر فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اب بتلاؤ اس سے بیضاوی شریف کی تحقیر ہوئی۔ اور کلام اللہ اس کا جزو ہے اور کل کی تحقیر مستلزم ہے جزو کی تحقیر کو اور قرآن پاک کی تحقیر کفر ہے اس وقت ان مولوی صاحب کی آنکھیں کھلیں۔ عرض کیا کہ حضرت واقعی اس کا مطلب تو خود میرے ہی ذہن میں تھا کہ چھپواڈالنے سے ہرگز بیضاوی شریف کی تحقیر مقصود نہ تھی بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ کے پاس سامان موجود ہے آپ کو چھپوا دینا آسان ہے۔ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک بہت بڑا

اعتراض یہ تھا۔ اس کی حقیقت مولانا کے جواب سے واضح ہوگئی ایسے ہی کل اعتراضات کی حالت ہے مگر یہ جتنے اہل باطل ہیں وہ حسد میں اندھے ہوجاتے ہیں۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(۲۷۲) ایک مجذوب کے قول کی شرح

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کے ستانے پر مظلوم اگر ظالم کو کچھ کہہ سن لے تو اس پر سے انتقام کم ہوجاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کسی نے چوری کی آپ نے بددعاء کی حضور نے فرمایا کہ تمہاری اس بددعا سے اس کے انتقام میں تخفیف ہورہی ہے۔ ایک مجذوب کا قول ایک بزرگ نے نقل کیا کہ جو تمہیں ستاوے نہ بدلہ لو اور نہ صبر کرو۔ شرح اس کی یہ ہے کہ نہ پورا بدلہ لو اور نہ بالکل درگذر کرو۔ مطلب یہ کہ کچھ تھوڑا سا بدلہ لے لو کچھ برا بھلا کہہ لو۔ اس کا مبنی بھی شفقت ہے کہ صبر سے وبال پڑے گا اور پورا بدلہ لینے سے تکلیف ہوگی۔ اور اصلی مذاق تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ کفار کے لئے بددعاء کرنے کو عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بددعاء نہیں کروں گا مجھ کو حق تعالیٰ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور جہاں اس کے خلاف ہے وہاں کسی خاص حکمت پر مبنی ہے۔

(۲۷۳) شجرہ اور ثمرہ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے یہاں تو شجرہ کی رسم ہے نہیں ایک مرتبہ فلاں مولوی صاحب نے بہت سے شجرے چھپوا کر بھیج دیے میں نے واپس کر دیے کہ میں کہاں حفاظت کروں گا۔ ایک شخص نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا تھا کہ ایک شجرہ بھی بھیج دو۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ گو کوئی ثمرہ نہ ہو۔

(۲۷۴) خان صاحب بریلوی کے متعلق کبھی انتقام کو نہ سوچا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں خان صاحب نے ہمیشہ مجھ کو گالیاں دیں مگر کبھی قلب میں وسوسہ بھی انتقام کا نہیں آیا البتہ ان کے متعلق میں یہ شعر ضرور پڑھا کرتا ہوں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ۔۔۔ تڑپے ہے مرغ قبلہ آشیانہ میں

اگر ہمارے مخالف کے ساتھ کوئی ردو کدح کرے ہمیں کوئی مسرت نہیں۔ ہمارے بزرگوں کا یہی مسلک تھا یہی مشرب تھا۔ مسرت اس سے ہوتی ہے کہ آدمی اپنے کام میں لگے۔

(۲۷۵) خریداری اور قرض میں فرق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نوٹ سے سونا چاندی نہیں خرید سکتے اور چیزیں خرید سکتے ہیں۔ ہاں نوٹ سے قرض دے سکتے ہیں۔ خریداری اور چیز ہے۔ قرض اور چیز ہے دونوں میں فرق ہے۔ نوٹ حوالہ سے مال کا خود مال نہیں ہے تو جس عقد میں حوالہ جائز نہیں نوٹ دینا بھی جائز نہیں اور جس میں حوالہ جائز ہے نوٹ دینا بھی جائز ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں بھوپال کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ بھوپال میں چونکہ اسلامی ریاست ہے وہاں کے صراف تک جائز ناجائز سے واقف ہیں۔ ایک مسلمان صاحب بھوپال میں ایک صراف کی دکان پر گئے۔ اور کوئی چیز چاندی سونے کی ادھار خریدنا چاہا۔ اس نے کہا کہ اس طرح پر تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں۔ آگے جواز کی صورت بتلا دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا انتظام فرمایا تھا یہ حکم دیدیا تھا کہ فقیہ کے سوا کوئی بازار میں نہ بیٹھے۔ یہ روایت موطا امام مالک میں ہے آپ نے اس قانون سے سارے ملک کو اور بازاروں کو مدرسہ بنا دیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ سب لوگ لین دین کے مسائل سے واقف ہو جائیں۔ اس کی یہ صورت تجویز کی تھی عجیب تدبیر ہے۔

(۲۷۶) عوام کو تشقیق کے ساتھ جواب نہ دینا چاہیے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ غالباً علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عوام کو تشقیق کے ساتھ جواب نہ دیا جائے۔ واقعی کام کی بات فرمائی اس میں اندیشہ ہے کہ وہ مفید شق کا دعویٰ کر بیٹھے گا۔ جیسے طبیب سے کوئی پوچھے کہ اگر دموی مرض ہے تو کیا نسخہ اور صفراوی مرض ہے تو کیا نسخہ یہ واہیات سلسلہ ہے جو صورت اور حال موجود ہے اس کا سوال ہو اور اسی پر جواب ہو اسی میں تحفظ ہے۔

(۲۷۷) ہندوؤں اور انگریزوں کی نجاست

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انگریزوں کی نجاست کی تو روایت ہے جو سنی ہوئی ہے کہ یہ

حرام چیزیں استعمال کرتے ہیں مگر اس پر بھی نفرت ہے اور ہندوؤں کے نجاست کی روایت ہے جو اپنی آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے مگر اس سے نفرت نہیں کرتے۔ مجھ کو تو ان سب کے یہاں کی اشیاء کے استعمال سے نفرت ہے۔ لیکن میں دین میں تحریف کرنا نہیں چاہتا جن شرائط اور قیود کے ساتھ شریعت نے جواز کا حکم دیا ہے جائز سمجھتا ہوں خواہ وہ انگریزوں کے یہاں کی چیز ہو یا ہندوؤں کی یہاں کی کسی چیز میں حدود سے تجاوز نہ ہونا چاہیے جیسا کہ تحریک کے زمانہ میں حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے فتوے دیئے گئے۔

(۲۷۸) مسائل کا معلوم کرنا فرض ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر واقعات کی حقیقت نہ معلوم ہو تو شریعت میں عفو ہے۔ اور حقیقت معلوم ہونے پر اگر مسائل معلوم نہ ہوں تو پھر معاف نہ سمجھا جاوے۔ مسائل کا معلوم کرنا فرض ہے۔

(۲۷۹) سالک کے تحقیقات فن کو حاصل کرنے کی مثال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگ مریض بن کر اصلاح کرانے تھوڑا ہی آتے ہیں۔ طبیب بن کر یا طبیب بننے کی نیت سے آتے ہیں۔ فن کی تحقیقات کرنا شروع کر دیتے ہیں اس کے حکم اور لم و اسرار کی جستجو کرتے ہیں کس قدر حماقت ہے۔ اگر اس طرح فن آ جایا کرتا تو آج دنیا میں ایک بھی غیر طبیب نظر نہ آتا مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ طبیب کم ہیں غیر طبیب زیادہ ہیں۔ ایسے ہی اس طریق اصلاح میں سمجھ لو ہر شخص مصلح نہیں بن سکتا کسی کی جوتیاں سیدھی کرو اور سیدھی کرنا کیا معنی جوتیاں کھاؤ۔ ناک رگڑو۔ (دماغوں سے خناس کو نکلوا لو اپنے کو کسی کے سپرد کرو اس پر بھی اگر کچھ مل جائے تو فضل خداوندی سمجھو۔ لیکن گھر بیٹھے بٹھلائے کہ نہ کچھ کرنا پڑے نہ کچھ دھرنا اور سب کچھ بننا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی کیمیا گر کے پاس جا کر یہ چاہے کہ کچھ کرنا دھرنا تو پڑے نہیں اور کیمیا بنانا آ جائے۔ وہ یہی کہے گا پہلے یہ تو معلوم کیا ہوتا کہ مجھ کو بھی اسی طرح کیمیا بنانی آئی ہے جس طرح تو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب ایک عالم ہے مسند پر بیٹھا ہوا تکیہ لگائے

علوم بیان کر رہا ہے ایک شخص عامی بے لکھا پڑھا جائے کہ مجھ کو بھی علوم بتلا دو سکھا دو۔ وہ کہے گا کہ جا دس برس کسی مدرسہ میں جا کر استادوں کی جوتیاں سیدھی کر۔ جوتیاں کھا۔ ڈنڈے اور رول کھا۔ پیر دبا سارا سارا دن محنت کر۔ ساری ساری رات چراغ کے سامنے آنکھیں سینک راتوں کی نیند اپنے پر حرام کر۔ تب کہیں یہ چیز میسر ہو گی تو صاحب کام تو کام ہی کے طریق سے ہوتا ہے بدوں جدوجہد اور سعی و کوشش کے کسی چیز کا حاصل ہونا دشوار ہے۔

(۲۸۰) علوم اور مصنوعات میں فرق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگ بوجہ جہالت کے صنائع کو علوم سمجھتے ہیں۔ ان کو تو علوم کہنا بھی جائز نہیں۔ علوم اور چیز ہیں۔ مصنوعات اور چیز ہیں۔ آج کل جو لوگ مادیات میں ترقی کر رہے ہیں ان کو علوم کی تو ہوا بھی نہیں لگی۔ علوم کی دولت تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دی ہے اور ان کے اندر وہ چیز ہے جس سے یہ ترقی یافتہ قومیں محروم ہیں وہ نور ایمان ہے اس دولت کے سامنے تمام ترقیاں اور دولتیں وحکومتیں گرد ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی ضرورت نہیں حاجت نہیں۔ اس نور ایمان کی حفاظت کرو۔ خصوصاً اس وقت کہ ایسا پر فتن زمانہ ہے کہ ایمان ہی کے لالے پڑ رہے ہیں لیکن اس پر بھی اگر مسلمان سنبھلیں اور خواب سے جاگیں اور اپنے ایمان اور اعمال کی حفاظت کریں اور خدا کو راضی رکھنے کی فکر کریں تو میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ تمام عالم سر کے بل انکے قدموں پر آ پڑے اور یہ علوم مادیہ سب واہیات اور خرافات نظر آنے لگیں۔ مگر افسوس ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھ کر خود مسلمان گداگری کرتے پھرتے ہیں۔ ان کو خبر نہیں کہ ان کے اندر کیا دولت اور کیا نعمت خدا نے رکھی ہے اس کی قدر کرو۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور کون ذریعہ ہے یقین دلانے کا اور کس طرح دل میں ڈال دوں کہ ہمارے یہاں بحمد اللہ کچھ نہ ہونے پر سب کچھ ہے اور دوسروں کے یہاں سب ہونے پر بھی کچھ بھی نہیں کیونکہ ان کے پاس بظاہر دنیا ہے جس کو تم ہونا سمجھتے ہو مگر یہ فانی ہے کچھ نہیں اور تمہارے پاس بظاہر دنیا نہیں جس کو نہ ہونا سمجھتے ہو لیکن ایک چیز ایسی ہے کہ وہ سب کچھ ہے اور وہ ایمان ہے کیونکہ وہ باقی ہے اسی پر مدار ہے اور بازار آخرت میں یہی سکہ

چلے گا وہاں پر تم مالا مال نظر آؤ گے اور یہ دوسرے لوگ خالی ہاتھ اس وقت اس کی قدر ہوگی۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

(۲۸۱) مزاج میں تیزی اور غصہ کا علاج

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک لڑکا ہے اس کے مزاج میں تیزی اور غصہ بہت ہے اس کے لئے ایک تعویذ دیدیجئے گا۔ فرمایا اس کا کیا تعویذ ہوتا کسی حلیم شخص کی صحبت میں رکھنے کی ضرورت ہے اس تدبیر سے تو امید بھی ہے کہ کمی واقع ہو جائے۔ اگر اس کا کوئی تعویذ ہوتا تو پہلے لکھ کر اپنے باندھتا اب پیرانہ سالی کی اقتضاء کی وجہ سے تو کچھ غصہ کم ہوا ہے مگر اب بھی ہے۔

(۲۸۲) علماء کو مقدمہ میں شہادت نہ دینا چاہیے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولویوں کو نہیں چاہئے ایسے قصوں اور جھگڑوں میں پڑنا ان کو تو یہ چاہئے کہ دو جگہ رہیں مسجد اور گھر ایسے قصوں میں پڑنے سے اپنے اصلی کاموں سے رہ جاتے ہیں۔ امام محمد صاحب سے منقول ہے کہ علماء کو کسی مقدمہ میں شہادت نہیں دینی چاہئے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ علماء کو کسی کی دعوت نہیں کھانی چاہئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان چیزوں سے تعلقات یا خصومات پیدا ہوتے ہیں اور علماء کے ساتھ سب مسلمانوں کا یکساں تعلق ہونا چاہئے۔

(۲۸۳) مسلمان اور ہندو کا فرق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جتنے ذہین آدمی ہیں ان کے خیالات میں اجتماع نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ بنگالیوں اور ہندوستانیوں میں ذکر و شغل کے بعض آثار میں فرق ہوتا ہے۔ ایک صاحب بہت ناز سے کہنے لگے کہ آپ کے اور حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں بنگالیوں کی بڑی قدر ہے وہ فوراً کامیاب ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے بعض آثار کو کامیابی قرار دیا۔ میں نے کہا کہ ان کے یہاں جمود ہے۔ اور تمہارے یہاں حرکت ہے ان کو جس کام میں لگا دیا جاتا ہے لگے رہتے ہیں اور تم کو ایک حال پر قرار نہیں۔ یہی فرق ہے مسلمان اور ہندو میں۔ ایک مسلمان کے بچے کو دکان پر

بٹھا یئے نہیں بیٹھ سکتا اس کی یہ کیفیت رہتی ہے الم ترانھم فی کل وادیھیمون ایک ہندو کے بچے کو بٹھا یئے معتکف ہوئے بیٹھا رہے گا اس کی یہ کیفیت رہتی ہے یعکفون علیٰ اصنام لھم۔ یہی فرق دونوں کی مشق حساب کی حالت میں ہے۔ ہندو کا بچہ سو سوالات نکال کر بھی سانس نہ لے گا اور مسلمان کا بچہ زائد سے زائد دو چار سوال نکالے گا اور گھبرا جائے گا۔ یہی فرق ذہین آدمی اور غیر ذہین میں سمجھ لیا جاوے ذہین آدمی کا ذہن ہر وقت حرکت میں رہتا ہے اس لئے جو ثمرات یکسوئی پر مرتب ہوتے ہیں وہ ان کو کم حاصل ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ نہ ایسی ذہانت مقصود ہے نہ ایسے ثمرات۔

(۲۸۴) مسئلہ اختیاری اور غیر اختیاری

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ طریق تو بہت سہل چیز ہے مگر لوگوں نے خود سخت بنا رکھا ہے۔ فضول اور غیر مقصود چیزوں کو اس میں ٹھونس کر سخت کر لیا حالانکہ اب اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ نے تمام سلوک کے مراحل کو آسان کر دیا۔ مگر اب بھی اگر لوگ دشواریوں ہی کا شکار بنیں تو اس کا کیا علاج۔

(۲۸۵) اعمال کی روحانی کیفیات

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اعمال بڑی چیز ہیں۔ احوال میں کیا رکھا ہے اعمال میں جو کیفیات ہیں وہ نہایت ہی لطیف ہیں محسوس نہیں ہوتی اور یہ روحانی کیفیات ہوتی ہیں جو اعمال سے پیدا ہوتی ہیں اور احوال اکثر نفسانی ہوتے ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعمال میں جو کیفیات ہوتی ہیں ان میں سکون ہوتا ہے اور احوال نفسانی میں ایک قسم کا زور شور ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ محسوس ہوتے ہیں وہ محسوس نہیں ہوتے لیکن اصل چیز اعمال ہی ہیں مگر چونکہ اُنکے ثمرات باطنی لطیف ہوتے ہیں اور محسوس نہیں ہوتے اس لئے سالک یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوا اسی باب میں حضرت مولانا گنگوہی نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ اگر تمام عمر کے مجاہدات و ریاضات کے بعد یہ سمجھے کہ مجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا بشرطیکہ اعمال میں خلل نہ ہو کیونکہ اس حالت

میں اس کی کیفیات روحانی ہیں جو حقیقی کمالات ہیں۔ دوسرے یہ سمجھنا علامت ہے فنا کی جو منتہی ہے سلوک کی ایک شخص نے مجھ کو لکھا تھا کہ اتنا زمانہ ذکر و شغل کرتے ہوئے ہو گیا لیکن کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ میں نے لکھا کہ یہ یوم عید ہے جس میں یہ خیال ہے کہ مجھ کو حاصل نہیں اور وہ یوم ماتم ہوگا جس روز یہ خیال ہوگا کہ مجھ کو کچھ حاصل ہے۔

(۲۸۶) آجکل کے مصنوعی بزرگ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بزرگ ہم کو بگاڑ گئے کوئی اور پسند ہی نہیں آتا۔ بس یہ رنگ ہو گیا۔

ہمہ شہر پرز خوباں منم و خیال ماہے   چہ کنم کہ چشم بدخوں کند بہ کس نگاہے

خصوصاً آج کل تو مصنوعی لوگ زیادہ ہیں جو بزرگی کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں وہ تو کیا پسند آتے جبکہ واقع میں بھی اگر بزرگ ہوتے پسند نہ آتے اب اگر کوئی پوچھے کہ ان بزرگوں میں کیا چیز تھی جو اوروں میں نہیں سو اس چیز کا کیا نام بتلادیں وہ چیز تو اس شعر کا مصداق ہے۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست   بسیار شیوہ ہاست بتاراں کہ نام نیست

وہ ایک ذوقی چیز ہے اور ذوقیات کی یہ شان ہوتی ہے۔

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد   بندہ طلعت آن باش کہ آنے دارد

(۲۸۷) محبت الٰہی کے بغیر کوئی چیز نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو ایسے طالب رہ گئے ہیں کہ ایک صاحب نے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو آپ یہ بتلادیں کہ مجھ میں اس طریق کی اہلیت بھی ہے یا نہیں اگر ہے تو میں اس کام میں لگوں ورنہ اور کام کروں میں نے لکھا کہ اگر کوئی شخص کسی بازاری عورت سے یہ کہے کہ بی یہ بتلادے کہ تو مجھ کو مل بھی جاوے گی اگر اس کی امید ہو تو میں کوشش کروں ورنہ کسی اور کام میں لگوں وہ اس پر ایک دھول لگائے گی کہ نالائق یہ بات بھی کوئی مجھ سے پوچھنے کی ہے جب وہ اس سوال کو گوارا نہیں کرسکتی تو کیا خدا تعالیٰ کی محبت کا حق اس سے بھی کم ہے۔ خوب فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہراو اولیٰ بود

(۲۸۸) نفع کا مدار مناسبت پر ہے

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس ہی لئے اب میری یہ رائے ہوگئی ہے جو تجربہ سے بھی بحمد اللہ مفید ثابت ہو چکی ہے کہ یہاں پر چند روز خاموشی کے ساتھ رہو مکاتبت مخاطبت کچھ نہ کرو اس میں طرفین کی راحت ہے اور خصوصاً طالب کی مصلحت زیادہ ہے وہ یہ کہ اس طریق میں مدار نفع کا مناسبت پر ہے اور اس صورت میں مناسبت سہولت سے پیدا ہونے کی امید ہے۔

(۲۸۹) طبیعت کو ذکر اللہ کی طرف لانے کی ضرورت

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میری طبیعت ذکر کی طرف نہیں آتی۔ میں نے لکھا ہے کہ خود نہیں آتی یا لانے سے بھی نہیں آتی۔ اس قسم کی غلطیوں میں اکثر لوگوں کو ابتلاء ہے بہت لوگ لکھتے ہیں کہ نماز کو جی نہیں چاہتا۔ ذکر میں جی نہیں لگتا مزا نہیں آتا میں صرف ایک سوال کرتا ہوں کہ پھر اس میں دینی ضرر کیا ہے جو چیز اختیاری ہے یعنی اعمال اس پر تو قدرت ہے وہ کرتے رہو اس کا کوئی آج تک جواب نہیں دیا۔

(۲۹۰) اصول وحدود کی پابندی میں خیر و برکت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو کام اصول اور حدود کے ماتحت ہوگا وہ کام چاہے دین کا ہو یا دنیا کا ہمیشہ اس میں خیر اور برکت ہوگی۔ یہ اور جو کام اصول اور حدود سے خارج کئے جاتے ہیں ان میں ہمیشہ بے برکتی ہوتی ہے۔ آج کل اکثر مسلمانوں میں اسی چیز کی کمی ہے۔

۲۳ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(۲۹۱) ریل کس لحاظ سے سبب رحمت ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر خانقاہ میں بجلی کی روشنی اور پانی کا نل لے لیا جاوے تو بڑا آرام ہو جائے۔ فرمایا کہ اب ہی کونسی تکلیف ہے۔ میں نے تو بجلی کا گھر میں لینا بھی پسند

نہیں کیا اکثر حوادث جو اس بجلی کی بدولت واقع ہوئے ہیں وہ نہایت ہی عبرتناک ہیں بلکہ جتنی نئی چیزیں ہیں سب خطرناک ہیں۔ دیکھئے ریل کس قدر ضرورت کی چیز ہے مگر جب تک آدمی اس کے اندر ہوتا ہے موت کے منہ میں ہوتا ہے میں تو جس زمانہ میں سفر کرتا تھا جب تک ریل سے اتر نہ لیتا تھا برابر موت کا مراقبہ رہتا تھا اس اعتبار سے سبب رحمت بھی ہے کہ موت کو یاد دلاتی ہے۔

(۲۹۲) ہر کام کے حدود

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں۔ اگر دوستی ہوگی وہ حدود سے باہر دشمنی ہوگی وہ حدود سے باہر۔ جب حدود ہی نہیں تو ایسا شخص ظاہر ہے کہ سخت خطرناک ہوگا۔ ایک سندھی مولوی صاحب کی یہ رائے تھی کہ ہندوؤں کے ساتھ شرکت کرنی چاہئے مجھ سے بھی انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ میں نے کہا ہندوؤں کے ساتھ شریک ہونے میں دنیا کا تو ضرر معلوم نہیں کیا ہوگا مگر دین کا ضرر تو کھلا ہوا ہے۔ اس لئے کہ ان کا تو کوئی دین نہیں مذہب نہیں اگر تم نے دین حق پر عمل کیا تو شرکت کیسی اور اگر شرکت کی تو دین کہاں وجہ یہ ہے کہ وہ جو تجویز کریں گے وہ دنیا کے مصالح کے ماتحت ہوگا وہ اپنی اغراض پورا کرنے کے لئے جو صورت بھی نافع سمجھیں پاس کر دیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ مثلاً میں ایک مسئلہ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ عین قتال کے وقت حکم ہے کہ اگر مقابل زبان سے کلمہ پڑھ دے تو ہاتھ روک لو اب بتلایئے اس صورت میں دوسری قوم کے ساتھ کیسے نباہ ہوگا اور یہاں سے ایک اور مستقل فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام کے حق اور خدائی مذہب ہونے کی یہ بھی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ اتنا بڑا ہتھیار دوسروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ کیونکہ اگر کوئی دشمن اسلام مسلمانوں کو کافی ضرر پہنچانے کے بعد جب مسلمانوں میں انتقام کی قدرت دیکھے فوراً منافقت سے دھوکہ دینے کے لئے کلمہ پڑھ لے تو ان کا تو کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور وہ مسلمانوں کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا مذہب دنیا میں ہے جو اتنا بڑا حربہ مخالف کے ہاتھ میں دے دے اگر دوسرے مذہب والوں کے یہاں یہ مسئلہ ہوتا تو وہ مذہب اب تک فنا بھی ہو چکتا۔ یہ مسلمانوں ہی کی شان ہے کہ باقی ہیں کسی انسان کے

ایجاد کئے ہوئے مذہب میں ایسا مسئلہ قیامت تک نہیں ہوسکتا۔ انسان کبھی اپنے گروہ کو ایسی تعلیم نہیں دے سکتا ہے ایسی تعلیم خدا ہی کی ہوسکتی ہے کہ جو یہ جانتے ہیں کہ اگر دشمنوں نے دھوکہ بھی دیا تو پھر بھی غالب کر دینا ہمارے قبضہ قدرت میں ہے۔

(۲۹۲) جملہ کفار دشمن اسلام ہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کافر جتنے ہیں سب اسلام کے دشمن ہیں کوئی گورا ہو یا کالا۔ دونوں سانپ ہی ہیں بلکہ گورے سانپ سے کالا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے اگر گورے سانپ کو گھر سے نکال بھی دیا تو کالا ڈسنے کو موجود ہے جس کا ڈسا ہوا زندہ ہی رہنا مشکل ہے۔

(۲۹۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت اپنے بزرگ یاد آتے ہیں اگر وہ حضرات اس زمانہ میں ہوتے تو وہ قصہ سامنے آجاتا کہ کسی شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا تھا کہ صحابہ میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ فرق یہ ہے کہ اگر تم اس کو دیکھتے تو مجنوں سمجھتے اور وہ تم کو دیکھتے تو کافر سمجھتے اور تم پر جہاد کرتے اور کسی کی کیا شکایت کی جائے اب تو ان بزرگوں ہی کے متوسلین کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اس جماعت سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ پہلے زمانوں میں بھی انقلاب ہوتا تھا مگر بتدریج اور اس زمانہ میں ایک دم انقلاب ہوگیا۔ ان واقعات کو دیکھ دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوتا ہے۔

(۲۹۴) ہر کام میں حفظ حدود

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا یہی بڑا کمال ہے آج کل اکثر مشائخ اور علماء میں اسی کی کمی ہے کہ کوئی چیز ان کے یہاں اپنے درجہ پر نہیں رہی لیکن یہاں پر بحمد اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے ہر چیز اپنے اپنے درجہ پر ہے اور یہ میں کوئی فخر سے نہیں کہہ رہا بلکہ ایک نعمت خداوندی کا اظہار کر رہا ہوں فخر کی اس میں کون سی بات ہے۔

(۲۹۵) اشاعت حق کے لئے ضرورت جہاد

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک فاضل فلسفی نے یورپ کے شبہ سے متاثر ہوکر مجھ سے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے۔ میں نے کہا کہ اشاعت حق ضروری ہے اس لئے اس کے موانع کا

ارتفاع بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ کفار مغلوب ہو کر رہیں۔ اس کی صورتیں ہیں یا جزیہ دیں اس سے بھی مغلوب ہی سمجھے جائیں گے یا اگر جزیہ نہ دیں تب ان سے قتال ہوگا۔ پس یہ جہاد ہے۔ کہنے لگے کہ اگر صلح کرلیں تب بھی مانع مرتفع ہوسکتا ہے۔ میں نے کہا کہ صلح کرنے سے مغلوب نہ ہونگے کیونکہ جب چاہیں صلح توڑ دیں۔ سو جو مقصود ہے کہ مغلوب ہو کر رہیں وہ مقصود صلح سے حاصل نہیں ہوسکتا اس جواب سے ان کو بہت تسلی ہوئی۔

۲۳ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(۲۹۶) اعتدال سے طرفین کو راحت

ایک صاحب کی چند بدعنوانیوں پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک اور صاحب نے اسی طرح مجھ کو ستایا تھا۔ میں نے مکاتبت مخاطبت کو بند کر دیا تھا پھر کچھ دنوں کے بعد درخواست کی کہ خط سے خیریت معلوم کرنے اور دعاء کرا لینے کی اجازت ہو جائے۔ میں نے کہا کہ اس کا ایک مسودہ تیار کر کے اس پر میرے دستخط کرا لو۔ اور ہر خط کے ساتھ میرا وہ دستخطی منظور شدہ مسودہ بھیجا کرو۔ کیوں صاحب کیا یہ سختی ہے جس میں ان کی مراد بھی پوری ہوگئی اور میں بھی اذیت سے بچ گیا۔ اس میں کونسی سختی کی بات ہوئی سختی تو یہ تھی کہ میں قطعاً خط بھیجنے سے منع کر دیتا اور نرمی یہ تھی کہ جو چاہو لکھا کرو۔ میں نے اوسط کا درجہ رکھا۔ اب طرفین کو راحت ہے۔

(۲۹۷) بدفہمی کی گرم بازاری

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بدفہمی کا اس قدر بازار گرم ہے جس کو دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے فہم ہی رخصت ہو گیا الا ماشاء اللہ۔ ایک شخص نے بذریعہ خط دریافت کیا تھا کہ ختم میں دعاء کرانا چاہتا ہوں اس کا کیا معمول ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ ایک آنہ روز کا معمول ہے۔ اس پر ختم کے مد میں بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجا اور کوپن میں عقلمند لکھتے ہیں کہ حسب الحکم یہ رقم بھیجتا ہوں میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ حکم نامہ دکھلاؤ۔

(۲۹۸) چند افراد کو آداب مجلس کی تعلیم

ایک نو وارد صاحب جگہ ہوتے ہوئے مجلس سے بہت دور بیٹھے۔ حضرت والا نے

دریافت فرمایا کہ اس قدر دور بیٹھنے میں کیا مصلحت ہے جبکہ قریب میں جگہ ہے۔ آپ لوگوں کو تو احساس نہیں ہوتا مگر اس میں میری بدنامی ہے۔ ناواقف دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ لوگوں کو اس قدر مرعوب کر رکھا ہے کہ کوئی پاس بھی نہیں جا سکتا۔ پھر جو آنے سے مقصود ہے کہ کوئی بات ہو تو سنیں وہ دور بیٹھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا اور اذان مجھ سے دی نہیں جاتی۔ بات یہ ہے کہ رسوم نے حقائق پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب آئے وہ بھی دور ہی بیٹھے۔ فرمایا کہ یہ بھی اس ہی بلا میں مبتلا آئے کیا کوئی بدفہمی کا مدرسہ ہے جہاں تعلیم پایا کرتے ہیں کہاں تک کہوں۔ ایک صاحب نے جو پہلے سے مجلس میں بیٹھے تھے ان صاحب کو اشارہ سے پاس آ کر بیٹھ جانے کو کہا اس پر وہ صاحب قریب آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت والا نے کچھ آواز سن کر دریافت فرمایا کہ کن صاحب نے ان کو قریب بیٹھ جانے کو کہا جن صاحب نے اشارہ کیا تھا انہوں نے عرض کیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا۔ فرمایا یہاں پر اس کی بھی اجازت نہیں کہ ایک دوسرے کو کچھ کہے۔ تم نے ان سے بڑھ کر حماقت کی تم کو میری تنبیہ میں جوڑ لگانے کی کونسی ضرورت تھی۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ اس طرز میں بہت سے مفاسد ہیں۔ مصلحت کے بالکل خلاف ہے۔ ان چیزوں پر لوگوں کی نظر نہیں جاتی کس کس شخص کی اور کس کس بات کی اصلاح کی جائے۔ اگر کہتا ہوں تو سخت اور بدخلق مشہور ہوتا ہوں۔ صبر کرتا ہوں اور نہیں کہتا تو یہ جانور کے جانور ہی رہتے ہیں۔

۲۴ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ

(۲۹۹) خوش اخلاقی کا نتیجہ

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ مجھ کو سخت کہا جاتا ہے ذرا ان کی طلب کا حال ملاحظہ فرمائے لکھتے ہیں کہ بیس برس کا عرصہ ہوا میں حضورؐ سے مرید ہوا تھا اس وقت سے اس وقت تک دوسرے کاموں میں مشغول رہا۔ اب ذکر و شغل کا شوق شروع ہوا ہے۔ یہ مضمون ہے طالب صاحب کا۔ اب بتلایئے میں اپنے ان تجربوں کو کس طرح مٹا دوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب خوش اخلاقی کرو۔ یہ خوش اخلاقی ہی کا نتیجہ ہے اب دیکھو درست ہو جائیں گے۔ بیس برس کا کھایا اگل دیں گے۔

(۳۰۰) حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں ہر آنے والے کو نفع

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں پر تو کوئی چھوڑا نہیں جاتا۔ کان ضرور کھول دیئے جاتے ہیں۔ بحمد اللہ یہاں سے کوئی محروم نہیں جاتا کچھ لے کر ہی جاتا ہے چاہے خفا ہی ہو کر جائے مگر جاتا ہے لیکر کورا نہیں جاتا۔ میں نہ تقویٰ سکھاتا ہوں نہ طہارت نہ مجاہدہ نہ ریاضت ہاں یہ سکھاتا ہوں کہ دوسرے کو اذیت نہ پہنچاؤ اگر اللہ کے حقوق میں کمی ہو جائے وہ بڑے کریم ہیں رحیم ہیں بخش دیں گے مگر ان کے بندوں کو مت ستاؤ۔ یہ سخت بات ہے۔

(۳۰۱) غلط سوال کر کے مسئلہ پوچھنے پر عتاب

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت میرا ایک بے جمع کا شریک ہے۔ فرمایا کہ بے جمع کا شریک ہے ہم نہیں سمجھے۔ صاف کہو۔ عرض کیا کہ تجارت میں میرا ایک شریک ہے روپیہ میرا۔ جان کی محنت اس کی۔ فرمایا اب پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ عرض کیا کہ وہ نقصان کا بھی ذمے دار ہوگا یا نہیں۔ فرمایا کہ جب شریک ہوئے تھے کیا شرط ٹھہری تھی۔ عرض کیا کہ میں نے شرکت کے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ نقصان کا ذمہ دار میں ہوں۔ فرمایا کہ پھر کیوں شبہ ہوا کیا مال میں نقصان ہو گیا۔ عرض کیا کہ مال میں تو نقصان نہیں ہوا۔ کچھ رقم میرے ہاتھ سے کھوئی گئی۔ فرمایا یہ بات اور بھی عجیب ہے بیان اس طرح سے کیا گیا کہ جس سے میں یہ سمجھا کہ مال میں نقصان ہو گیا۔ یہ ہیں وہ باتیں جن پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے اور وہم کا الزام لگایا جاتا ہے اگر کھود کرید نہ کروں تو ان صاحب نے دھوکا دینے میں کیا کسر رکھی تھی اب غلط سوال پر مسئلہ بتلاتا تو میرے جواب کو اپنے اس واقعہ پر منطبق کر لیتے جو ان کے ذہن میں تھا کہ میرے ہاتھ کی کھوئی ہوئی چیز پر یہ مسئلہ بتلایا ہے۔ اس کو ہر جگہ ہانکتے پھرتے۔ کیوں بھائی پہلے ہی صاف بات کیوں نہیں کہی تھی۔ اس میں کونسا راز تھا۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ فرمایا اس کو غلطی کہتے ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کی نفس کی شرارت ہے۔ میں تم لوگوں کی نبض خوب پہچانتا ہوں۔ بزرگ لوگ تمہارے دھوکوں میں آجاتے ہیں میں طالب علم ہوں۔ یہاں اللہ کے فضل سے یہ باتیں اینچ پینچ کی نہیں چلتیں۔ تم لوگوں کو سوائے تکلیف دینے اور ستانے کے کچھ نہیں آتا۔

ہر حرکت تمہاری موجب ایذا ہے کوئی بات بھی ڈھنگ کی نہیں۔ اب بتلایئے کہ کیا یہ حرکت قابل تغیر مزاج نہیں یہ شخص کتنا بڑا دھوکا دینا چاہتا تھا۔ مسئلہ پوچھتا ہے تجارت کی شرکت کا۔ اور نقصان ہے اپنی ہاتھ کی رقم کھوئی ہوئی کا یہ شرارت نہیں تو اور کیا ہے ایسی بات پر مزاج میں تغیر ہوتا ہی ہے۔ پھر کہنے کے طریق پر کہا بھی جاتا ہے۔ اب خوش اخلاقی کر کے اس کے آگے ہاتھ جوڑوں پاؤں پکڑوں۔ اس کی تعریف کروں۔ نامعقول چل یہاں سے جو کچھ پوچھنا ہے لکھ کر لایا لکھوا کر لا۔ تیرا کچھ اعتبار نہیں۔ ایسے بدفہم آدمی سے کیا امید کہ مسئلہ صحیح یاد رکھے گا۔ صورت تو دیکھو خضر جیسی اور یہ دھوکے بازی شرم نہیں۔ دین کے اندر دھوکہ دینا چاہتا ہے۔

۲۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز جمعہ

(۳۰۲) بڑی نعمت اور راحت مناسبت ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مولوی صاحب نے زیادہ تنخواہ پر جانا پسند نہیں کیا فرمایا کہ مجھ کو یہ بات بہت پسند ہے۔ اجی روپیہ تو ہے ہی ضرورت کی چیز مگر بڑی نعمت راحت اور مناسبت ہے۔ معلوم نہیں نئی جگہ میں جا کر مناسبت ہو نہ ہو۔ راحت ملے نہ ملے۔ اس لئے پرانی ہی جگہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ میں جس زمانہ میں کانپور تھا پچاس روپیہ تنخواہ تھی آگرہ سے خط آیا کہ ہم سو روپیہ یا دو سو روپیہ دیں گے۔ میں نے ان کے جواب میں مشورہ لکھ بھیجا کہ ایسے شخص کو بلا کر ملازم رکھو جو دوسری جگہ نوکر نہ ہو۔ اگر کسی نوکری کرتے ہوئے کو بلا کر ملازم رکھا تو تم سو دو گے اور اگر کہیں سے اس کو دوسو کی جگہ پر بلایا گیا تو وہاں چل دے گا ایسے بھگوڑے کا کیا اعتبار پھر ہنس کر فرمایا کہ میرا تو کام بنا ہی نہ تھا میں نے مشورہ دے کر دوسروں کی بھی راہ ماردی۔ خصوصاً اس زمانہ میں تو پرانی جگہ کو چھوڑنا ہی نہیں چاہیے اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے ہر جگہ مناسبت اور موافقت کا پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔

(۳۰۳) برکت خلوص پر موقوف ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ امراء میں خلوص کی اکثر کمی ہوتی ہے۔ ہاں فلوس کی فراوانی ہوتی ہے اور برکت موقوف ہے خلوص پر۔ میں تو امراء سے کہا کرتا ہوں کہ جہاں تم

ہزاروں روپیہ صرف کر کے مساجد اور مدارس بناتے ہو ایسے کام کرنے کے وقت کسی غریب سے بھی دو چار پیسے مانگ کر اپنی اس رقم میں برکت کے لئے شامل کر لیا کرو۔ غرباء کے پیسہ میں بوجہ خلوص کے بڑی برکت ہوتی ہے۔اس کو امراء محسوس نہیں کرتے حالانکہ محسوس کرنے کی چیز ہے۔

(۳۰۴) فن تصوف کا احیاء

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس فن سلوک کا احیاء کیا ہے۔ مدتوں سے یہ فن مردہ ہو چکا تھا اور اب تو ماشاء اللہ اس قدر صاف ہو گیا ہے کہ فن کا کوئی جز و اشتباہ یا خفا میں نہیں رہا۔ مزاح کے طور پر فرمایا گو لوگ خفا ہیں سو ہوا کریں میں جب کبھی کوئی مضمون لکھ کر حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو سناتا فرمایا کرتے کہ بھائی تم نے میرے سینے کی شرح کر دی۔ کیا بتلاؤ میرے پاس عبارت نہیں۔ تم نے عبارت میں ادا کر دیا۔ حضرت کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کو فنا کئے ہوئے ہیں مٹائے ہوئے ہیں۔ یہی باتیں اپنے بزرگوں کی دیکھیں اور سنیں وہی پسند ہیں۔ یہ آج کل کے نئے نئے ڈھونگ پسند نہیں نہ نظروں میں سماتے ہیں۔

(۳۰۵) بدفہم لوگوں کو بیعت کرنے سے نفع کی توقع نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں بیعت میں وسعت کو پسند نہیں کرتا اس کا کوئی نتیجہ نہیں سوائے اس کے کہ بدفہم اور کم عقل لوگوں کی بھرتی ہو جائے۔ کوئی فوج تھوڑا ہی بھرتی کرنا ہے دو چار آدمی فہیم ہوں ان سے ہی تعلق کافی ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کے چار بیٹے ہیں اور چاروں لائق اور ایک شخص کے ایک درجن ہیں لیکن سب مہمل۔ سو وہ تو اور الٹے وبال جان ہونگے بجز رنج کوفت کے اور کیا نتیجہ ہوگا۔

(۳۰۶) حضرت حکیم الامت ؒ کے سلف کے مذاق پر ہونے پر امیر شاہ خاں مرحوم کی تصدیق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو اسی کو خدا کا بہت بڑا فضل اور بڑی نعمت سمجھتا ہوں کہ

اپنے بزرگوں کے مسلک پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائی۔ مجھ کو علی گڑھ ایک جلسہ میں مدعو کیا گیا تھا امیر شاہ خان صاحب بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ کوئی تمہاری کسی بات کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی کسی بات کو۔ میں تو صرف ایک بات دیکھ رہا ہوں کہ کوئی بات اپنے بزرگوں کے مسلک اور مذاق کے خلاف تو نہیں۔ سو میں نے کوئی بات خلاف نہیں دیکھی۔ اس پر میرا جی بڑا خوش ہوا اس لئے کہ وہ قریب قریب اپنے سب بزرگوں کی صحبت میں رہے ہوئے تھے۔

(۳۰۷) موقع اشتباہ میں احتیاطی ظہر پڑھنا چاہیے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اشتباہ کے موقع پر احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر پڑھیں کیونکہ جہاں جمعہ فرض ہے وہاں ظہر کی نماز پڑھنے سے وقتی فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جہاں ظہر فرض ہے وہاں جمعہ پڑھنے سے وقتی فرض ذمہ رہتا ہے اس لئے احتیاط ظہر ہی پڑھنے میں ہوئی۔

۲۶ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(۳۰۸) وقف قبرستان میں بالشت بھر جگہ زائد از ضرورت لینا جائز نہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے بھائی کی قبر قبرستان میں نشیب کے موقع پر ہے بارش کے ایام میں اس پر پانی کا گزر ہوتا ہے اگر اس کے چہار طرف حفاظت کی نیت سے ایک ایک بالشت اونچی پختہ بندش کرادی جائے تو کیا حکم ہے۔ دریافت فرمایا کہ وہ قبرستان وقف ہے یا کسی خاص شخص کی مملوک ہے۔ سب کے احکام جدا جدا ہیں مشترک احکام نہیں۔ اگر وقف ہے تو ایک بالشت بھی جگہ قبر سے زائد لینا جائز نہیں۔ اس کے متعلق بڑے نازک احکام ہیں جب ہزاروں کے لئے وقف ہے تو ایک آدمی ضرورت سے زائد کیسے اس میں تصرف کر سکتا ہے اور اگر کسی خاص شخص کی یا خاص جماعت کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت پر موقوف ہے بشرط عدم مانع۔ اور یہ سب احکام عقل کے موافق ہیں شریعت مقدسہ نے ہم کو آزاد نہیں چھوڑا۔ کوئی عمل کر کے دیکھے ہماری ہی مصلحتوں اور ضرورتوں کا انتظام فرمایا ہے اگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا قصور ہے۔

(۳۰۹) ہدیہ کے اصول وضوابط

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل مدرسہ والے چندہ لینے میں اور مشائخ علماء ہدیہ لینے میں بہت بیباک ہیں نہ دوسرے کی تکلیف کا خیال رکھتے ہیں اور نہ اپنی اور دین کی ذلت کا۔ بالکل دہ دردہ معاملہ ہو رہا ہے۔ میں بحمد اللہ ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں۔ ہدیہ میں لیتا ہوں مگر ان دو باتوں کا خیال رکھتا ہوں کہ ایک تو دینے والے کو تکلیف نہ ہو۔ دوسرے اپنی اور دین کی ذلت نہ ہو۔ اس کا میں نے ایک نظام مقرر کر دیا ہے کہ ایک روز کی آمدنی سے کوئی زائد نہ دے۔ اب اس پر ایک شبہ ہوا کہ کوئی شخص ہر روز دینے لگے تو اس میں ایک قید ہے کہ درمیان میں کم از کم ایک مہینہ کا فصل ہو۔ یہ تو دوسرے کو تکلیف سے بچانے کا قاعدہ ہے اور ذلت سے بچنے کا قاعدہ یہ ہے کہ بدون پوری جان پہچان اور بے تکلفی کے ہدیہ قبول نہیں کرتا اس میں دین کی اور اپنی دونوں کی حفاظت ہے۔ ایک صاحب یہاں پر آئے وہ کچھ ہدیہ دینے لگے۔ میں نے کہا کہ ہدیہ کے متعلق میرا تو یہ قاعدہ ہے میں بلا خاص شناسائی کے لیتا نہیں۔ کہنے لگے کہ یہ تو لینا ہی پڑے گا۔ میں نے کہا کہ اس کے معنے تو یہ ہیں کہ میں آپ کی وجہ سے اپنا قاعدہ توڑ دوں۔ کہا کہ مجھ کو مستثنیٰ ہی کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ اگر ہر شخص یہی درخواست کرے اور میں قبول کر لیا کروں تو پھر کوئی قاعدہ ہی نہ رہے گا تب خاموش ہوئے۔ ایک اور صاحب آئے ہدیہ پر اصرار کیا۔ میں نے قاعدہ بیان کر دیا۔ قاعدہ سن کر بھی اصرار میں نے کہا کہ دیکھو اب غصہ آنا شروع ہو گیا ہے اگر اب کی مرتبہ کہو گے تو دوسری طرح سمجھاؤں گا پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ میں نے کہا کہ دور ہو مردود نکل یہاں سے ایک چھوٹی سے پٹلیا تھی بغل میں دبا کر بھاگتے نظر آئے۔ مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔ مجھ سے تو کچھ نہیں کہا مگر اور ایک صاحب سے کہا انہوں نے مجھ سے روایت کی۔ یہ کہتے تھے کہ دین تو یہیں ہے اس لئے کہ یہاں دنیا کی قدر نہیں۔ دین وہیں ہو سکتا ہے جہاں دنیا کی قدر نہ ہو اور برا نہیں مانا میرے کہنے کا حالانکہ میرے الفاظ بہت ہی سخت تھے اور پہلے زیادہ ارادہ ٹھہرنے کا نہ تھا مگر پھر کئی روز ٹھہرے اور میری ہر بات پر خوش ہوتے تھے ہنستے تھے بعض ایسی سلیم طبیعتیں بھی ہوتی ہیں بیچارے پنجاب کی طرف کے رہنے والے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب وہ وطن سے چلے

تھے ایک شخص سے ملے تھے جو یہاں آئے گئے ہیں اور یہاں کے اصول اور قواعد سے واقف ہیں ان سے کہا تھا کہ میں کچھ لے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میاں پہلی ملاقات ہے بے تکلفی ہے نہیں وہ ہدیہ قبول نہیں کریں گے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میاں سب کہنے کی باتیں ہیں جب چیز سامنے آتی ہے سب لے لیتے ہیں۔ دیکھو میں دے کر آؤں گا تو کہتے تھے کہ میاں وہی سچ کہتے تھے بس یہ باتیں ہیں جن پر میری لوگوں سے لڑائی ہوتی ہے۔ لوگ دوسرے کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں اور یہ مجھ سے ہوتا نہیں یہی سبب ہے لڑائی کا۔

(۳۱۰) خر دماغ کا علاج اسپ دماغ کر سکتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ جو لوگ ملانوں کو ذلیل سمجھتے ہیں ان کے دماغوں سے یہ بات نکالی جائے ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ملانوں میں بھی اسپ دماغ ہیں اگر ہم خر دماغ ہیں الحمدللہ یہاں پر متکبروں کا اچھی طرح علاج ہوتا ہے۔ خر دماغی اچھی طرح جھڑ جاتی ہے اور جگہ خاطر مدارات ہوتی ہے اس سے زیادہ دماغ خراب ہوئے۔

(۳۱۱) اسلامی لباس وصورت میں عظمت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مولوی کے کیا معنے ہیں۔ فرمایا کہ مولوی کے معنے ہیں مولا والا اللہ والا۔ یہ لفظ مولانا کے لفظ سے افضل ہے کیونکہ اس میں یہ نسبت نہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل ہر وکیل مولوی کہلاتا ہے۔ اور اجلاس کے وقت جو بڑے وکلاء اور بیرسٹر ہیں وہ قبا پہن کر اجلاس پر جاتے ہیں اور جج جس وقت پھانسی کا حکم سناتا ہے یہی لباس پہن کر سناتا ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ واقعہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اس ہی لباس کی ہے۔ اور معلوم ہوا کہ بادشاہ کے لیے قانوناً ڈاڑھی رکھنا لازم ہے۔ اور بیگم کے لئے چوٹی کٹانے کی اجازت نہیں۔ یہ قانوناً جرم ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صورت بھی اور لباس بھی ثقہ ہی معظم ہے۔ شاہی خاندان میں یہ چیزیں محترم سمجھی جاتی ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی اور اس لباس اور اس صورت کو معظم اور محترم نہ سمجھا جاتا تو بادشاہ اور بیگم کیلئے یہ قانون نہ ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کے خلاف فوٹو میں جو صورت اور لباس دکھلایا جاتا ہے وہ پہلے کا

لباس اور صورت ہے۔ ایک شخص مسلمان ڈاڑھی منڈاتے تھے انہوں نے کسی رسالہ میں ایک عجیب بات لکھی کہ میں نے ڈاڑھی کیوں رکھی۔ یہ شخص دفتر میں ملازم تھے اتفاق سے کہیں کی بدلی ہوگئی ایک ہندو اس جگہ کا رہنے والا ملنے آیا اور ان کی ڈاڑھی منڈی دیکھ کر کہا کہ پرمیشور کا شکر ہے کہ تم یہاں پر بدل کر آ گئے۔ پہلے یہاں ایک مسلمان خبیث تھا اس نے تمہارے بھائیوں کو بہت ذبح کیا کیا اب تم اپنے بھائی ہندوؤں کو نفع پہنچاؤ گے اس پر ان کو غیرت آئی کہ اس نے ڈاڑھی ہی نہ ہونے کی وجہ سے مجھ کو کافر سمجھا۔ انہوں نے ان ہندو کو بڑے زور کی ڈانٹ دی کہ نامعقول تو مجھ کو کافر سمجھتا ہے میں مسلمان ہوں اور جب تک یہاں پر رہوں گا خبیث تیری اور تیرے بھائیوں کی خوب خبر لوں گا۔ وہ ہندو بہت شرمندہ ہوا۔ یہ وجہ ہوئی ان صاحب کے ڈاڑھی رکھنے کی اب فرمایئے من تشبہ بقوم فھو منھم کوئی چیز ہے یا نہیں۔

(۳۱۲) لکھنے پڑھنے کا دماغ پر اثر ہوتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اب وہ قوت نہیں رہی اب لکھنے پڑھنے سے دماغ پر اثر ہوتا ہے، پہلے بعض دفعہ تمام تمام شب لکھتا تھا معلوم بھی نہ ہوتا تھا اب اثر ہوتا ہے جس کو دوسرے محسوس نہیں کر سکتے مگر مجھ پر اثر ہوتا ہے اسی لئے تصانیف کا سلسلہ تو قریب قریب بند ہی کر دیا ہے یوں کوئی دو چار ورق لکھ دیئے اور یہ بات ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چھ سو تصانیف ہو چکی ہیں۔ تین سو رسائل اور تین سو وعظ۔ وعظ بھی تصانیف ہی ہیں بحمد اللہ کافی ذخیرہ ہو گیا۔ اور بھی ابھی وعظ کے مسودے ہیں جو میری نظر سے نہیں گزرے۔ یہ تین سو وعظ وہ ہیں جو چھپ چکے یا جو چھپنے سے باقی ہیں تو میرے دیکھنے کی اب ضرورت نہیں رہی محض چھپنے ہی کی دیر ہے۔

(۳۱۳) انگریزی خوانوں کی دلجوئی و تسلی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں انگریزی پڑھنے والوں کی بہت رعایت کرتا ہوں۔ اگر وعظ کو کہتے ہیں وعظ کہہ دیتا ہوں تعویذ مانگتے ہیں تعویذ دے دیتا ہوں کوئی سوال کرتے ہیں جواب دے دیتا ہوں۔ محض اس خیال سے کہ یہ لوگ دین کی طرف متوجہ ہوں۔ دوسری جگہ انگریزی والوں کی تسلی بھی نہیں ہوتی۔ یہاں پر بحمد اللہ تسلی ہو جاتی ہے۔

(۳۱۴) کشف اور تقویٰ میں فرق

(اس سے قبل ایک تمہیں معروض ہے وہ یہ کہ ایک فلسفی فاضل نے اپنا اعتقاد ظاہر کیا کہ آپ صاحب کشف ہیں۔ یہاں سے اس کی نفی کی گئی انہوں نے یہ لکھا کہ سب بزرگ متقی ہوئے ہیں پھر بھی سب نے اپنے متقی ہونے کی نفی کی ہے ایسی ہی یہ نفی ہے۔ یہاں سے وہ جواب دیا گیا جو اس ملفوظ میں مذکور ہے ۱۲) ایک صاحب کے ایک مضمون کے جواب میں فرمایا کہ کشف اور تقوے میں فرق ہے۔ تقویٰ کمال دینی ہے اور اس کے بہت درجات ہیں تو درجہ غیر حاصل کو دیکھ کر متقی کہتا ہے کہ میں متقی نہیں اور یہ کذب نہ ہوگا۔ اور کشف کمال دینی نہیں ایک دنیاوی نعمت ہے۔ جیسے دو آنکھیں تو اگر کوئی آنکھوں والا شخص کہے کہ میرے دو آنکھیں نہیں تو یہ کذب ہوگا اسی طرح صاحب کشف کا کشف کی نفی کرنا کذب ہوگا۔

۲۷ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(۳۱۵) صرف اصلاح کی نیت کر کے آنے والوں سے محاسبہ

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کل خود تو لوگ بد اخلاقیوں میں مبتلاء ہیں اور دوسروں کو بدنام کرتے ہیں میرے یہاں تو ساری سختیاں اور احتساب صرف ان کے ساتھ ہے جو اپنی اصلاح کی غرض سے یا اعتقاد کے مدعی ہو کر آتے ہیں۔ ورنہ ویسے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ہندو، بدعتی، غیر مقلد، قادیانی، نیچری، فاسق، فاجر، میں کسی سے کچھ بھی نہیں کہتا۔ کوئی آئے۔ کوئی جائے۔ کیا مطلب۔

(۳۱۶) علماء دیوبند کی خدمات

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جماعت دیوبندی نے جس قدر غیر مقلدوں کا سر توڑا ہے بڑے بڑے حنفیت کے دعویدار بدعتیوں سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ بس ان کو تو ایک چیز آتی ہے اسی میں کمال ہے کہ اٹھایا دھڑ سے کفر کا فتویٰ دے دیا ان کے ایک سردار نے ایک رجسٹر بنا رکھا ہے جس میں اکابر کے نام کفار کی فہرست میں درج کئے ہیں۔ معتقدین سے اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں یہ بھی ایک کام ہے خالی بیٹھے رہنے سے کچھ تو کام کریں۔

(۳۱۷) اپنی فکر آخرت کرنے والے آدمی سے مسرت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دوسرے خواہ ان باتوں سے خوش ہوتے ہوں مگر مجھ کو اس سے کبھی خوشی نہیں ہوتی کہ میرے مخالف کے مقابلہ میں میری نصرت کی جائے ہاں اس سے جی خوش ہوتا ہے کہ آدمی اپنے دین کی حفاظت میں لگے اور اپنی آخرت کی فکر کرے۔ باقی مجھ کو تو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ یہی میری نصرت ہے اور یہی میرے ساتھ دوستوں کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے۔

(۳۱۸) علماء و مشائخ کو عوام کی مصلحت سے وعظ کہنا چاہیے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اکثر علماء وعظ بھی بجائے سامعین کی مصلحت کے اپنی مصلحت سے کہتے ہیں جس سے اپنا معتقد بنانا اپنا بدنامی کو رفع کرنا وغیرہ وغیرہ مقصود ہوتا ہے سو اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طبیب مریض نہ دیکھے اپنی مصلحت کو دیکھے وہ طبیب ہی نہیں اسی طرح وہ واعظ ہی نہیں جو سامعین کی مصلحت اور ان کی حالت کو پیش نظر نہ رکھے ایسے ہی وہ مصلح نہیں جو طالب کی مصلحت پر نظر نہ رکھے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ جتنے امراض اور خرابیاں آج کل پیدا ہو رہی ہیں ان سب کی جڑ حب دنیا ہے یہ مرض علماء اور مشائخ تک میں دق کی طرح سرایت کر گیا۔ مثلاً علماء تقریریں کرتے ہیں عام لوگوں کو راضی کرنے کے واسطے۔ مشائخ ملفوظات بیان کرتے ہیں اپنی بزرگی اور کمالات کے اظہار کے لئے سو یہ تو سراسر دنیا پرستی ہے علاوہ اس کے آخر غیرت بھی تو کوئی چیز ہے۔

(۳۱۹) علاج غیر معصیت کا نہیں ہوتا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حقیقت سے بے خبری کی وجہ سے مخلوق کو بہت سی غلطیوں میں ابتلاء ہو رہا ہے۔ ایک شخص نے لکھا تھا کہ میں نماز فرض سمجھ کر پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن شوق اور رغبت نہیں اس کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے لکھا کہ علاج معصیت کا ہوتا ہے کیا یہ معصیت ہے۔ آج لکھا ہے کہ حضرت واقعی یہ معصیت نہیں اور حضرت کے اس فرمانے سے قلب کو اطمینان و سکون ہو گیا اب بتلایئے اگر میں کوئی وظیفہ بتلا دیتا کیا نتیجہ تھا۔ حقیقت واضح ہو جانے سے سکون

ہوگیا۔اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ کا ولی ہونا بزرگ ہونا تو ضروری نہیں مگر فن میں مہارت ہونا فن میں کامل ہونا ضروری ہے جیسے طبیب کو فن میں کامل ہونا مہارت ہونا ضروری ہے مگر تندرست ہونا بد پرہیزی سے بچنا لازم نہیں طبیب اور شیخ دونوں کی ایک ہی حالت ہے۔

(۳۲۰) علماء دیو بند کی نسبت محمد عبدالوہاب کی طرف درست نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معلوم نہیں یہ بدعتی لوگ ہم کو وہابی کیسے کہتے ہیں اول تو وہ بدنام شخص عبدالوہاب نہیں خواہ مخواہ بیچارے کو بدنام کیا وہ محمد ابن عبدالوہاب ہے جس نے تشدد سے کام لیا ہے اور جتنا اس کو بدنام کیا ہے وہ بھی اس درجہ کا نہیں پھر قطع نظر اس سے ہمارے عقائد بھی تو ان جیسے نہیں اگر کوئی کہے کہ بعض تو ہیں سو بعض تو تمہارے بھی ہیں مثلاً محمد ابن عبدالوہاب اسلام کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو۔ وہ رسالت کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو تو اس سے کیا نقصان ہوا۔اور بہت سے مسائل میں ہم کو ان سے سخت اختلاف بھی تو ہے تو ہم انکے متبع کیسے ہوئے۔مثلاً وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر قصداً جانے کو حرام کہتے ہیں ہم مستحب بلکہ موکد کہتے ہیں۔اور ہمارے بعض علماء کا وجوب تک خیال ہے تو پھر ہم وہابی کیسے ہوئے اگر محض اس وجہ سے وہابی سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو گالیاں نہیں دیتے تو حضرت رابعہ تو شیطان پر بھی لعنت کرنے کو پسند نہ کرتی تھیں اور یہ گالیاں اور تبرا تو رافضیوں کا مذہب ہے اہل سنت والجماعت کو اس سے کیا تعلق۔ اسی سلسلہ میں استطراداً فرمایا کہ ایک رافضی کو قصبہ نانوتہ میں تبرا کہنے پر ایک سنی نے قتل کر دیا۔عدالت میں مقدمہ گیا۔اہل رفض کی طرف سے کوئی رافضی ہی وکیل تھا سنیوں کے وکیل نے صفائی میں کہا چونکہ بزرگوں کی شان میں بے ہودہ کلمات کہے گئے تھے اس سے اشتعال پیدا ہوگیا اس لئے ایسے قتل سے مجرم نہیں ہوسکتا۔شیعی وکیل نے کہا کہ عجیب اشتعال ہے ایک شخص اپنا فرض مذہبی ادا کرتا ہے دوسروں کو اشتعال ہوتا ہے سنی وکیل نے کہا کہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا آپ کا یہ فرض مذہبی ہے کہ تبرا کہا کریں اور ہمارا فرض مذہبی یہ ہے کہ ہم تبرائی کو قتل کیا کریں۔آپ اپنا فرض مذہبی ادا کیجئے اور ہم اپنا فرض مذہبی ادا کریں۔ تم تبرا کیا کرو۔ہم قتل کیا کریں اور عدالت کی طرف خطاب کر کے سنی وکیل نے کہا کہ آپ

مقدمہ کو خارج فرماویں اور دونوں کو اپنے فرض مذہبی ادا کرنے کی اجازت فرماویں خود فیصلہ ہو رہے گا۔ تو صاحب یہ تبرے بازی اور گالیاں دینا تو اہل رفض کا مذہب ہے سو اس کا مرتکب نہ ہونا تو کوئی دلیل وہابی کہنے کی نہ ہوئی پھر ہم کو وہابی کیسے کہا جاتا ہے۔

(۳۲۱) عقد ثانی کرنے کی صورت میں ادائے حقوق کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دو دو نکاح کرنے کو لوگوں کا جی تو چاہتا ہے مگر ادائے حقوق اور عدل کی طرف التفات نہیں کرتے تو ایسا مزا کس کام کا جس میں سزا کا اندیشہ ہو میرے عقد ثانی کرنے پر میرے بڑے گھر میں سے کہا کہ تم نے نکاح ثانی کا راستہ کھول دیا میں نے کہا کہ کھولا نہیں بلکہ بند کر دیا۔ لوگوں کو اس سے روکنے کے لئے پہلے تو مسئلہ ہی بیان کرتا اب تجربہ بھی بیان کروں گا کہ نکاح کر لینا تو آسان ہے مگر عدل لوہے کے چنے ہیں اس لئے جس کو آخرت کا خوف ہوگا اس کو نکاح ثانی کی ہمت کرنا ہی مشکل ہوگی جو شخص جامع بین الاضداد ہو نکاح ثانی وہ کرے۔

(۳۲۲) بدفہموں پر عملی تعلیم کا اثر ہوتا ہے

ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مکدر کرنے کی حالت میں کام نہیں ہو سکتا تم نے اس وقت دل برا کر دیا جس سے کوئی کام لیا کرتے ہیں تو کیا اس کو ستایا بھی کرتے ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت والا معاف فرماویں۔ فرمایا کہ معاف کرنے کو خدانخواستہ میں پھانسی دے رہا ہوں یا کوئی انتقام لے رہا ہوں معاف ہے مگر کام نہیں ہو سکتا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی کے سوئی چبھو دے اور پھر معافی چاہ لے تو کیا معاف کرنے سے اس کی سوزش اور درد بھی ختم ہو جائے گا تمہاری اس موذی حرکت سے جو اذیت پہنچی اور رنج ہوا وہ تو ابھی دور نہیں ہو گیا۔ جاؤ پاؤ گھنٹہ کے بعد آ کر پوری بات کہنا تب کام ہوگا وہ صاحب چلے گئے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کی اصلاح یوں ہی ہوتی ہے ان کو ان کے مقاصد سے کچھ دیر تو محروم رکھنا چاہیے تاکہ آئندہ کے لئے سبق حاصل ہو۔ پھر تو کبھی ایسی حرکت نہ کریں گے ایسے بدفہموں پر عملی ہی تعلیم سے اثر ہوتا ہے قولی فہمائش کافی نہیں اگر میں اخلاق کی وجہ سے تعویذ لکھ بھی دیتا تو اس وقت کے لکھے ہوئے کا خاک بھی اثر نہ ہوتا دوسرے یہ تعویذ وغیرہ

جس فن کا مسئلہ ہے اس میں انشراح اور بشاشت قلب اثر کی شرط ہے لوگوں کو اس کی خبر نہیں۔

(۳۲۳) مہمان کے سامنے عتاب کرنا مناسب نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حکماء نے کہا ہے کہ مہمان کے سامنے کسی پر عتاب نہیں کرنا چاہیے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں عتاب ہوتا کب ہے۔ حضرت جو کچھ کرتے ہیں وہ ہماری ہی مصلحت سے کیا جاتا ہے اور وہ حقیقت میں عتاب نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ صورۃً جو عتاب ہے وہ بھی مہمان کے سامنے نہیں چاہیے۔ مگر میں کیا کروں میرے پاس تو کوئی نہ کوئی مہمان روزانہ رہتا ہی ہے اب آنے والوں کی مصلحت کو مقدم رکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ ساری خرابیاں پیروں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ صرف وظیفے بدوں اصلاح اخلاق کے بتلا بتلا کر پیروں نے ناس کر دیا۔ لوگوں کے اخلاق خراب اور برباد ہو گئے اور اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ اوراد و وظائف کو تو طریق سمجھ گئے اور کیفیات کو مقصود حالانکہ بالکل غلط ہے بلکہ طریق تو اعمال ہیں اور مقصود رضاء حق ہے۔

(۳۲۴) محاسبہ اور معاقبہ سے نفع

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص کو اپنی اصلاح مقصود ہو گی وہ تو اس دارو گیر اور محاسبہ اور معاقبہ کو غنیمت سمجھے گا۔ چنانچہ بعض لوگوں سے میں نے دریافت کیا کہ اور بہت جگہ ہیں تم یہاں ہی کیوں آئے انہوں نے یہاں آنے کی وجہ یہی بیان کی کہ یہاں پر روک ٹوک ہوتی ہے اصلاح خوب ہو گی اور جگہ ایسا نہیں ہے اس لئے اصلاح نہیں ہو سکتی اب بتلایئے میں کس کس کے مشوروں پر عمل کروں اور سب کو کس طرح راضی رکھ سکوں۔ یہی ایک صورت ممکن ہے کہ جو مناسب سمجھا جاوے برتاؤ کروں۔

(۳۲۵) ایک مہمل خط کا جواب

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے منجملہ اور باتوں کے کثرت جماع سے بچنے کا علاج دریافت کیا ہے اور تعویذ بھی مانگا ہے اور لکھا ہے کہ طرفین میں اس کی کثرت سے امراض پیدا ہو گئے۔ اب میں اس مہمل شخص کے ساتھ کیسے خوش اخلاقی کروں ضابطہ کا جواب دوں گا۔ جس پر بدنام کرتا پھرے گا خیر بدنام ہی کرے۔

(۳۲۶) مقابلہ میں حدود شرعیہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں مقام پر بدعتی لوگ اہل حق کے مدرسہ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور آئے دن چندہ دہندگان کو زبانی اور اشتہاروں کے ذریعہ سے بہکاتے رہتے ہیں میں ان کو جواب دیتا رہتا تھا لیکن حضرت سے جب دریافت کیا گیا حضرت نے منع فرمایا اب ان کی قوت بڑھتی جاتی ہے فرمایا کہ مجھ سے ضرورت کا اظہار نہیں کیا گیا تھا ویسے ہی ایک سوال تھا۔ میں نے فضول مشغلہ سمجھ کر منع کر دیا تھا کیونکہ طلب حق میں عبث سم قاتل ہے اب آپ کے بیان سے دین کی ضرورت معلوم ہوئی اس لئے اب اجازت ہے۔ اپنی قوت اور وسعت کے موافق۔ مقابلہ کیجئے بلکہ اب تو اس کو جہاد سمجھئے البتہ ایک بات ضروری یاد رکھنے کی ہے کہ مقابلہ میں حدود شرعیہ کا لحاظ رکھا جائے۔ ہڑبونگ نہ ہو نہ حدود سے تجاوز ہو۔ اس لئے کہ مسلمان کے ہر کام کا مقصود رضاء حق ہونا چاہیے اگر اس کا خیال رکھا گیا ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی برکت ہوگی۔ میری طرف سے اجازت ہے گو اپنے مسلک اور مذاق کے تو خلاف ہی ہے۔

(۳۲۷) رضا ہمیشہ دائمی رہتی ہے

ایک شخص کے خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ رضاء دائمی کی دعاء فرما دیجئے فرمایا کہ رضاء میں دائم کی قید کیسی۔ رضاء تو دائم ہی ہوتی ہے وہ راضی ہو کر پھر ناراض نہیں ہوتے سبحان اللہ کیسی کام کی بات فرمائی یہ حضرات حکیم تھے جو بات فرماتے تھے جامع اور مانع ہوتی تھی۔

(۳۲۸) مشہور تاریخ وصال ۱۲ ربیع الاول غلط ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ربیع الاول کی بارہ غلط مشہور ہے۔ نویں تاریخ کو حضورؐ نے حج کیا اور وہ جمعہ کا دن تھا اور اسی سال وفات ہوئی اور دوشنبہ کو ہوئی۔ یہ مقدمات سب متواتر اور قطعی ہیں اب اس کے بعد کوئی حساب ایسا نہیں ہو سکتا جس سے دوشنبہ کو بارہ ربیع الاول ہو خدا معلوم یہ کہاں سے مشہور ہو گیا۔

(۳۲۹) تربیت السالک کی اشاعت پر اظہار تشکر

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کتاب تربیت

السالک ایک جگہ جمع ہو کر چھپ گئی لیکن مریض کے لئے بدوں طبیب کے نافع نہیں ہو سکتی۔ فن کا سمجھنا طبیب کا کام ہے نہ کہ مریض کا۔ اس کی نظیر فن طب کی کتابیں موجود ہیں سب ان سے علاج کیوں نہیں کر لیتے ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اور ماشاءاللہ کتاب بڑی ضخیم ہو گئی۔

۲۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

(۳۳۰) گول بات کو ہنر سمجھنا غلط ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اس کو تو ہنر اور سلیقہ سمجھا جاتا ہے کہ ایسی گول مول بات کہی جاوے کہ جس سے کوئی تو کچھ مطلب سمجھے اور کوئی کچھ سمجھے اس کو کہتے ہیں کہ یہ بڑے بیدار مغز ہیں بڑے ہوشیار ہیں بڑی گہری بات فرماتے ہیں۔ خدا معلوم لوگوں کی حس کیا ہوئی جو چیزیں موجب ایذاء ہیں ان کو کمالات میں داخل کر لیا۔ مگر یہاں پر بحمداللہ متکبرو ں اور خرد ماغوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم میں نہ عقل ہے نہ سلیقہ نہ فہم نہ بیدار مغزی گو زبان سے اقرار نہ کریں مگر دل سب کا تسلیم کر لیتا ہے۔ معمولی بخار کا علاج تو سب کرتے ہیں مگر دق کا بھی علاج کرنا چاہیے اس کا علاج بحمداللہ یہاں پر ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو بات ہو صاف ہو اور ایسی صاف ہو کہ دوسرے کو ابہام کا شبہ بھی نہ ہو سکے۔ یہی میری لڑائی ہے۔ لباس تو پہنتے ہیں جنٹلمینوں کا اور باتیں کرتے ہیں لنگوٹی باندھنے والوں کی سی۔ ایسے گنواروں کو لنگوٹی باندھ کر آنا چاہیے۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جب کوئی متکبر آتا تھا تو اس کے چلے جانے کے بعد میں فرمایا کرتے کہ ایسے متکبروں کو تھانہ بھون بھیجنا چاہیے ایسے کا وہاں علاج ہوتا ہے۔ یہاں پر آ کر اللہ کا فضل ہے کہ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

(۳۳۱) امراء کی چاپلوسی میں دین کی ذلت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مدرسہ والوں کا معاملہ بڑا مشکل ہے ان کو عوام سے دبنا پڑتا ہے اس لئے کہ چندہ کا تعلق عام ہی لوگوں سے ہے اور یہ غرض جو ان سے وابستہ سمجھی جاتی ہے اس کی وجہ سے علماء عوام کی چاپلوسیاں اور دلجوئیاں کرتے ہیں اس میں حدود کا بھی خیال

نہیں کیا جاتا کہ اس طرز سے دین کی ذلت ہوگی جس کو معتقد بنا رہے ہیں وہی غیر معتقد ہوگا وہ سمجھے گا کہ اپنی غرض کی وجہ سے میری خدمت اور چاپلوسی کی جارہی ہے۔ اس چاپلوسی پر یاد آیا کہ ایک شخص کالگا سے یہاں پر آیا تھا اس کی کسی بدتمیزی پر میں نے روک ٹوک کی ہوگی۔ یہاں سے واپس جا کر اس نے کہا کہ اخلاق بالکل نہیں۔ وہاں کوئی بابو صاحب ہیں دفتر میں انہوں نے جواب میں کہا کہ تم اب تک ایسوں ہی سے ملے ہو جن کو تم سے کچھ توقع ہے اس لئے وہ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جس کے تم طالب ہو اور جس کو تم سے توقع نہیں وہ ایسا برتاؤ کیوں کرے گا وہ تو آنے والے کے ساتھ وہ برتاؤ کرے گا جس کا وہ اہل ہے۔

۲۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(۳۳۲) ایک مہمل خط کا مضمون

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جس کا ہر جزو مبہم ہے چنانچہ لکھا ہے کہ مجھ نالائق سے ایسی کیا گستاخی ہوگئی کہ حضور نے مجھ سے آنکھیں ہی بدل لیں۔ میں تو آپ کا بچہ ہوں آپ میرے رہبر ہیں مجھ کو تو آپ کا سہارا تھا مجھ کو کھویا ہوا علم عطاء فرمائیں اور بھی کچھ اس قسم کا مضمون ہی میں نے لکھ دیا کہ میں اس خط کا مطلب ہی نہیں سمجھا کیا جواب دوں کیا سوتے میں لکھا ہے۔ ایسے مہمل خط آتے ہیں۔

(۳۳۳) اصل طریق اصلاح

ایک شخص کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں نے نہ معلوم کوئی کمیٹی بنالی ہے کہ سارے بدفہم اس میں سے میرے ہی پاس آتے ہیں سب ایک ہی مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں وہ شخص چلا گیا۔ فرمایا کہ میں تو فہیم آدمی سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں وہ چاہے چار ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ بظاہر تو نقصان معلوم ہوتا ہے کہ یہ محروم چلا مگر محروم نہیں مرحوم ہو کر چلا۔ ساری عمر کے لئے کان کھل گئے۔ آج کل مشائخ آنے والوں کی بے جا رعایتیں کرتے ہیں اس سے وہ لوگ اصلاح کے طریق کو نئی بات سمجھنے لگے حالانکہ نئی باتیں وہ ہیں جو رسمی پیروں نے کر رکھی ہیں اصل طریق اصلاح کا یہی تھا حضرت سلطان جی کے پاس دو

شخص حاضر ہوئے وہاں کوئی حوض تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہمارے یہاں کا حوض اس سے بہت بڑا ہے۔ دوسرے نے تصدیق کی کہ حضرت سلطان جی نے سن لیا۔ فرمایا کہ کتنا بڑا ہے عرض کیا کہ یہ تو معلوم نہیں۔ فرمایا جاؤ ناپ کر آؤ یہ لوگ دور کے تھے اول اس حوض کی پیائش کی پھر وطن کا سفر اختیار کیا راستہ میں دعاء کرتے جاتے تھے کہ خدا کرے وہ حوض بڑا ہو جا کر اس کی پیائش کی تو ایک بالشت بڑا نکلا۔ بہت خوش ہوئے کہ حضرت کے سامنے سرخرو ہوں گے۔ پھر خوشی خوشی واپس آئے اور عرض کیا کہ حضرت ایک بالشت بڑا ہے فرمایا عرف میں ایک بالشت بڑے حوض کو بہت بڑا نہیں کہتے۔ معلوم ہوا تمہارے مزاج میں کلام کی احتیاط نہیں چلو یہاں سے تمہارا یہاں پر کچھ کام نہیں نکال باہر کیا۔ اصلاح کا طریق یہی ہے مگر یہ طریق مردہ ہو چکا تھا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سلف کا طریق میرے ہاتھوں زندہ ہو گیا میں تو اس نعمت پر خوش ہوں کہ بدعقل لوگ برا مانیں۔

(۳۳۴) نیچریت کا زہریلا اثر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں ممبروں کی یہ رائے ہوئی کہ ہر تین سال کے بعد ممبر اور مہتمم بدل دیئے جایا کریں اور انتخاب ہو کر تقرر ہوا کرے۔ حاصل یہ کہ ووٹ پڑا کریں۔ الیکشن ہوا کرے۔ کچھ نیچریت کا ایسا زہریلا اثر پھیلا ہے کہ ہر شخص کے قلوب پر اسی کا اثر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بزرگوں سے تعلق رکھنے والے ہیں اس لئے یہ لوگ واقع میں نیچری نہیں۔ اب سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ جیسے بعض مرتبہ ہوا میں زہریلا اثر اور سمیت پیدا ہو جاتی ہے اور کم وبیش وہ عام ہو جاتی ہے وہی حال اس نیچریت کا اس زمانہ میں ہو گیا ہے کہ تمام قلوب پر اس کا اثر ہے الا ماشاء اللہ۔

(۳۳۵) طریق اصلاح میں ضرورت مجاہدہ

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ بہت لوگوں نے مجھ سے پیری مریدی کے متعلق خط وکتابت کی جب دیکھا کہ کچھ کرنا پڑتا ہے بیٹھ گئے۔ آج کل یہی ہو رہا ہے چاہتے یہ ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں اور کچھ کرنا نہ پڑے یہ کیسے ہو سکتا ہے جو کام کرنے

سے ہوتا ہے اس میں تو کرنا ہی پڑے گا تب ہی کوئی نتیجہ مرتب ہوگا۔ اور اس مرض میں اہل علم تک کو ابتلاء ہے۔ عوام بے چاروں کی تو شکایت ہی کیا ہے۔

(۳۳۶) ایک صاحب کے عربی میں خط لکھنے کا مقصود

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ حضورؐ اپنی غلامی میں جلدی سے نہیں لیتے پہلے کچھ تعلیم فرماتے ہیں پھر امتحان لیتے ہیں اگر وہ کامیاب ہوا اس کو رکھتے ہیں ورنہ چھانٹ دیتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا۔ کیونکہ غلامی جائز نہیں۔ وہ اب لکھیں گے کیا بیعت جائز نہیں میں لکھوں گا کہ میں نے غلامی کو لکھا تھا بیعت کو تو نہیں لکھا۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ آئندہ یہ لفظ نہ لکھیں مجھ کو ایسے تکلف کے الفاظ سے گرانی ہوتی ہے یہ میرا امر طبعی ہے۔ ایسا ہی ایک اور صاحب کا خط آیا ہے بڑا لمبا اور چوڑا اور حاصل کچھ بھی نہیں۔ لکھتے ہیں کہ دور و دراز سے سفر کرنا دشوار ہے کوئی ایسی بھی صورت ہے کہ وطن میں رہتے ہوئے حضورؐ سے بیعت اور فیض باطنی حاصل کرسکوں۔ میں نے لکھا ہے کہ فیض باطنی کس کو سمجھتے ہو۔ معلوم تو ہو کہ فیض باطنی کس چیز کو سمجھے ہوئے ہیں اور وہ مجھ سے حاصل کرسکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مولوی صاحب نے مجھ کو عربی میں درخواست بیعت کا خط لکھا ہے میں نے لکھ دیا کہ مفید کا مستفید سے افضل ہونا لازم ہے اور یہاں معاملہ عکس ہے کیونکہ میں ایسی عربی لکھنے پر قادر نہیں اس لئے تعلق رکھنا ہی بے کار ہے۔ دیکھئے خواہ مخواہ عربی لکھتے ہیں۔ مقصود لیاقت کا اظہار ہے جو ناشی ہے جاہ سے سمجھتے ہیں کہ اظہار قابلیت پر قدر ہوگی۔ یہاں یہ قدر ہوتی ہے کہ لتاڑ پڑتی ہے وہ عالم ہی کیا جو اپنے کو عالم سمجھے۔ ایک اور صاحب نے عربی میں خط لکھا تھا میں نے لکھا کہ عربی میں خط لکھنے کی کیا مصلحت تھی۔ لکھا کہ اہل جنت کی زبان ہے۔ میں نے کہا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اگر یہاں پر آنا ہو تو کیا عربی میں گفتگو کرو گے اس لئے کہ یہ اہل جنت کی زبان ہے۔ پھر جواب نہیں آیا تاویل کرتے ہوئے شرم بھی تو نہیں آئی۔ کیا لکھنے کے وقت یہی نیت تھی یا اظہار قابلیت مقصود تھا اپنے کو بڑا عقل مند سمجھتے ہیں یہاں یہ چالاکیاں چلنا مشکل ہے۔ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے فوراً ذہن میں

اصل حقیقت آجاتی ہے چاہے لوگ ظاہر نہ کریں مگر نکلتی وہی بات ہے جو سمجھ میں آئی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تمہارے اندر کبر ہے اس کا علاج کرو اس وقت قبول نہیں کیا بلکہ اور برا مانا پھر پانچ برس کے بعد خود اقرار کیا کہ تمہاری تشخیص بالکل صحیح تھی میرے اندر کبر کا مرض ہے۔ ۲۹ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

(۳۳۷) پہلا خط ہمراہ بھیجنے میں حکمت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مسلمانوں نے اصول صحیحہ چھوڑ دیئے۔ دوسری قوموں نے اختیار کر لئے وہ راحت اٹھا رہے ہیں۔ راحت کی چیز سے تو راحت ملتی ہی ہے جو بھی کوئی اختیار کرے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی قید تھوڑا ہی ہے آج ہی جن صاحب نے ستایا ہے ان سے میں نے ایک یہ مواخذہ کیا تھا۔ انہوں نے ایک پرچہ لا کر میرے ہاتھ میں دیدیا جس کا نہ سر نہ پیر طبیب کے پاس جاتے ہیں پہلا نسخہ ساتھ لیجاتے ہیں۔ یہ اصولی بات ہے اس میں حکمت اور راحت ہے یہاں یہ توفیق نہیں کہ میری پہلی تحریر بھی پیش کر دیا کریں۔

(۳۳۸) ہر جگہ دین کی مصلحت جدا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حیدر آباد دکن میں لوگوں نے وعظوں کی درخواستیں اور خواہشیں بہت کیں مگر میں نے قصداً اعراض کیا کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مولوی ایسی خواہشوں کے لئے منہ پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں اس لئے ان کو ترسا ترسا کر سنانا چاہیے ہر جگہ دین کی مصلحت جدا ہے جو بحمد اللہ پیش نظر رہتی ہے۔

(۳۳۹) خط میں ایک مضمون لکھنے کی عجیب مثال

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ ایک ہی خط میں مختلف انواع کے سوالات کا انبار لگا دیا ہے ان لوگوں کو رحم بھی تو نہیں آتا۔ بس یہ بے اصولیاں ہیں جن پر میں متنبہ کرتا ہوں اس پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ سخت ہے۔ ایک صاحب نے بہت سے سوالات ایک خط میں لکھ کر بھیجے۔ یہاں سے یہ جواب گیا کہ ایک خط میں ایک سوال سے زیادہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس قدر فرصت نہیں اس پر ان صاحب کا بہت خفگی کا خط آیا کہ کیا یہی اخلاق محمدی

ہیں۔اور اپنے اخلاق کو نہ دیکھا۔عدالت میں اگر دو شخصوں کی درخواست ایک ہی کاغذ پر لکھ کردی جاوے اور وہاں سے حکم ہو کہ الگ الگ درخواست دو اور الگ الگ ٹکٹ لگاؤ تو وہاں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ملانوں ہی کو تختہ مشق بنانے کو ہیں۔ بات یہ ہے کہ قلوب میں دین کی وقعت نہیں اور طلب نہیں وہاں وقعت بھی ہے اور طلب بھی ہے۔لوگ اخلاق محمدی کے معنی ہی نہیں سمجھے بس ایک یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ ان کے سارے نخرے اٹھاؤ خوشامدیں کرو ان کے تابع ہو کر رہو تب سمجھیں کہ اخلاق محمدی ہیں۔ سو حضورؐ نے تو کبھی ایسے اخلاق نہیں برتے۔حضورؐ نرمی کی جگہ نرمی سختی کی جگہ سختی برتتے تھے اگر اتفاق سے کسی موقع پر رعایت میں مبالغہ ہو جاتا تھا تو حق تعالیٰ کا امر ہوتا تھا کہ **واغلظ علیھم** آخر اس فرمانے سے کیا مطلب تھا۔ نیز حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آ کر آواز دی حضورؐ نے پوچھا کون۔ جواب دیا انا (میں ہوں) حضورؐ نے ناگواری کے لہجہ سے فرمایا انا انا یعنی میں میں کہہ رہے ہیں اس سے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تم کون ہو چنانچہ روایت میں ہے **کانہ کرھھا** دیکھئے معمولی بات پر حضورؐ کو کیسے ناگواری ہوئی کہ راوی کو بھی احساس ہوا کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ناگواری کو ضبط فرما کر ارشاد فرماتے کہ دیکھو بھائی یوں نہیں کہا کرتے مگر چونکہ اظہار ناگواری کی ضرورت اور اس میں مصلحت تھی ایسا نہیں کیا گیا۔اب تو اس واقعہ سے اخلاق محمدی کی حقیقت معلوم ہو گئی ہو گی کہ ہر شے اپنے محل میں ہو۔اب اعتراض کرو۔اور اعتراض بھی کونسی مشکل چیز ہے اس سے تو کوئی بھی نہیں بچا اللہ تعالیٰ کو انبیاء علیہم السلام کو صحابہ کرام کو ائمہ مجتہدین کو کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔علماء تو بے چارے کس شمار اور کس گنتی میں ہیں جو منہ میں آیا بک دیا جو قلم میں آیا لکھ دیا نہ خدا کا خوف نہ آخرت کی فکر اور خیال اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائیں اور فہم سلیم اور عقل کامل عطاء فرمائیں تا کہ حقائق کو سمجھ سکیں۔

(۳۴۰) آج کل کی تہذیب تعذیب ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل کی تہذیب تعذیب ہے جس سے مجھ کو طبعاً انقباض ہے اس لئے میں جس وقت حیدر آباد دکن گیا اور دیکھا وہاں پر عرفی

تہذیب بہت ہی ہے میں نے سوچا کہ اگر میں نے یہاں کی عرفی تعذیب کا برتاؤ کیا تو اچھی خاصی تکلیف ہوگی کیونکہ وہ واقع میں تعذیب ہے اور اگر اس کا استعمال نہ کیا تو رسم پرستوں کی نظر میں بدتہذیب کیوں سمجھے جائیں لہٰذا میں نے کلفت اور بدتہذیبی کے الزام دونوں سے بچنے کے لئے یہ کیا کہ جلسوں میں ظاہر کر دیا کہ ہم غیر مہذب نہیں مگر تھانہ بھون کی تہذیب برتیں گے کیونکہ ہر جگہ کی تہذیب جدا ہے اس کے بعد خوب آزادی سے رہے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کو دیکھئے کہ حضورؐ کے غلام تھے اور غلام بھی عاشق لیکن بے تکلفی سے رہتے تھے مگر اسکے ساتھ ہی ادب بھی بے انتہاء تو ان حضرات نے بے تکلفی اور ادب کو جمع کر کے دیکھا دیا۔ دنیا میں کوئی ان حضرات کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔

(۳۴۱) یورپ کا تہذیب و تمدن

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ متمدن اور مہذب قوم کے کارنامے دیکھو یورپ کے ایک شہر میں ایک اسکول کھلا ہے جس میں چوری کرنا سکھائی جاتی ہے۔ حکومت نے مداخلت کرنا چاہا کہا کہ یہ بھی ایک فن ہے جیسے تلوار سکھائی جاتی ہے۔ اگر چوری کریں گے سزا دینا۔ حکومت مغلوب ہوگئی۔ یہ تہذیب اور تمدن ہے یورپ کا۔

(۳۴۲) ایک بیرسٹر صاحب کا اپنے والد سے ملاقات کا حال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب سے یہ انگریزی اور اردو کے اسکول کھلے ہیں استادوں کی قدر نہیں رہی۔ پہلے بہت ہی استاد کی قدر اور عظمت تھی۔ اب تو کچھ ایسا زہریلا اثر پھیلا ہے کہ کسی کا بھی ادب نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ خیر و برکت کسی چیز میں نہیں معلوم ہوتی۔ میں لکھنؤ گیا تھا وہاں پر بیان ہوا۔ میں نے بیان میں کہا کہ آج کل نو تعلیم یافتہ انگریزی خواں کی تہذیب اور ادب کا یہ حال ہے کہ ایک صاحب کے بیٹے لندن پاس کر کے آئے باپ سے ملاقات ہوئی تو کہتے ہیں کہ ول بڈھا تم اچھا ہے اتفاق سے یہ دونوں باوا بیٹے وعظ میں موجود تھے۔ دونوں بیرسٹر تھے بعد وعظ کے مجھ کو معلوم ہوا کہ جن کی تم نے حکایت بیان کی دونوں باوا بیٹے مجلس میں موجود تھے۔ غضب کیا تم نے میں نے کہا مجھ کو کیا

خبر تھی کہ یہ ان کی ہی حکایت ہے چلو اچھا ہوا سن تو لیا کانوں میں تو پڑ گیا۔

(۳۴۳) ماموں اور چچا سے پردہ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ متاخرین فقہاء نے تو اپنے ماموں اور چچا سے بھی پردہ کو مناسب کہا ہے۔ بڑی دور نظر پہنچی ہے کہ بوجہ محرم ہونے کے اپنے لئے تو نہیں مگر اپنی اولاد کے لئے تو اس نظر سے دیکھیں گے۔

(۳۴۴) ایک اصولی بات

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ اصولی بات یہ ہے کہ آدمی جس کام کے لئے آوے صاف کہہ دے اب تو یہ چاہتے ہیں کہ دوسرا ہر حال میں تابع رہے اگر کہہ دیں تب راضی رہے نہ کہیں تب راضی رہے۔ پوری بات کہہ دیں تب راضی ادھوری ہو تب راضی لکھے پڑھے ان پڑھ سب بدتمیزی میں مبتلاء ہیں۔ اب ان ہی کو دیکھ لیجئے عالم فاضل طبیب اور یہ بدتمیزی آخر کہاں تک صبر کروں اور کہاں تک تغیر نہ ہو۔ خادم ہوں مگر غلام تو نہیں نوکر نہیں۔ خدمت کی طرح خدمت لو یہ بے ڈھنگا پن کیسا۔

(۳۴۵) آزادی کے ثمرات

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ جو آج کل مفسدوں کو آزادی سکھائی ہے اس کے یہ ثمرات ہیں۔ اب بھگتیں اپنے کئے ہوئے کو۔ اب دینی مدارس ہیں ان کے طلباء کی یہ حالت ہے کہ اب وہ نہ مہتمم کی سنتے ہیں نہ استادوں کی اور مہتمم بیچارے کا کیا خاک اثر ہوتا جارج پنجم کا اثر نہیں رہا ویسرائے کا اثر نہیں رہا۔ آج کل اثر ہی کس کا ہے۔ ملک کا امن تباہ و برباد ہو گیا ہندوؤں کا کام بن گیا۔

(۳۴۶) دینی مدارس میں آزادی کی وبا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب دینی مدارس میں رہ کر اور پڑھ کر بھی دین نہ پیدا ہوا تو ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ۔ سوائے گمراہی پھیلانے کے اور کیا نتیجہ ہو

گا۔ میں نے کئی مرتبہ مدرسہ والوں سے کہا کہ اپنے اصول قائم کرلو اور ان کا ملک میں اعلان کردو پھر چاہے چندہ آوے یا نہ آوے طالب علم آوے یا نہ آوے مگر مدرسہ والوں کی اس پر ہمت نہیں ہوتی اس کا کیا علاج۔ تمام فتنے ایک دم فرو ہوجاتے اگر اس پر عمل کرلیتے مگر عملی جامہ پہنانے کے لئے قوت قلب کی ضرورت ہے۔ اب تو اس مذاق کے لوگ رہ گئے ہیں ایک عالم کہتے تھے کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حریت پیدا ہورہی ہے میں نے کہا یہ حریت اور آزادی بدمعاشوں میں بھی پیدا ہورہی ہے اپنی بھی خیر منائیو پھر کچھ نہیں بولے ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب بھی کوئی صورت فلاں مدرسہ کی اصلاح کی ہے میں نے کہا ہے کہا کہ آپ مدرسہ کا انتظام کرسکتے ہیں میں نے کہا کرسکتا ہوں کہا کہ کیجئے میں نے کہا کہ سب مدرسین مہتمم کارکنان ممبران ایک دم استعفے داخل کردیں تب انتظام کردوں گا اس وقت دیکھنا انتظام کیسا ہوتا ہے استعفے تم دلوادو انتظام میں کردوں گا۔

یکم شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(۳۴۷) بدفہمی کی گرم بازاری

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدفہمی کا اس قدر بازار گرم ہے کہ جس کا کوئی حدوحساب نہیں آج صبح میں کام میں مشغول تھا۔ ایک صاحب یہاں پر آکر کھڑے ہوگئے جیسے کسی پر کوئی سپاہی مسلط کردیا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ کل کے آئے ہوئے ہیں اس وقت تک یہ توفیق نہ ہوئی کہ کم از کم مصافحہ ہی کرلیتے اور اپنا ضروری تعارف کرادیتے۔ یہ میرا امر طبعی ہے کہ کسی کے کھڑے رہنے سے میری طبیعت پر گرانی ہوتی ہے۔ میرے دریافت کرنے پر کہ کھڑے کیوں رہے یہ کہا کہ بیٹھنے کی اجازت نہ تھی میں نے کہا کہ اور کھڑے ہونے کی کونسی اجازت تھی کہنے لگے کہ فلاں مولوی صاحب نے کہا تھا کہ اس وقت میں مل سکتے ہو میں نے کہا اول تو یہ میرے سوال کا جواب نہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب نے کہہ ہی دیا تھا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو تم کو ان کے کہنے کے بعد تردد تھا یا اطمینان تھا۔ اگر تردد تھا تو ملے کیوں اور اگر اطمینان تھا تو پھر مجھ سے اجازت کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے کہا کہ جاؤ باہر جاکر بیٹھو جب حواس درست ہوجائیں تب آکر

مل لینا اور اپنا ضروری تعارف اور آنے کی غرض صاف صاف ظاہر کر دینا۔ اتنی رعایتیں کرنے پر بھی مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ اخلاق اچھے نہیں خدا معلوم اور اخلاق کس جانور کا نام ہے۔ آنے والوں کی غلامی کروں ان کے تابع ہو کر برتاؤ کروں تب خوش اخلاق کہلاؤں سو یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آتے ہیں اپنی غرض لیکر اور دوسروں کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے فہم و عقل لوگوں سے رخصت ہی ہو گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳۴۸) انسان بننا فرض ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انسان بننا فرض ہے بزرگ بننا فرض نہیں اس لئے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کو تکلیف ہوگی وہ یہ کہ دوزخ میں جائے گا خود تکلیف اٹھائے گا انسان ہوگا تو اس سے دوسروں کو تکلیف نہ ہوگی اس لئے میں انسان بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ بزرگ نہیں بناتا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ان عوام غریبوں کا بھی کوئی قصور نہیں رسمی اور جاہل پیروں کے بگاڑے ہوئے ہیں ان باتوں پر کوئی روک ٹوک کرتا ہی نہیں۔ ان کے کان ہی ان چیزوں سے نا آشنا ہیں اور یہ کیا خود مشائخ اور پیروں ہی کے کان نا آشنا ہیں اس لئے میں جو روک ٹوک کرتا ہوں وہ ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اس سے وحشت ہوتی ہے گھبراتے ہیں۔ یہاں سے باہر جا کر بدنام کرتے ہیں۔

(۳۴۹) ادب کس طرح حاصل ہوتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یا تو طبیعت سلیم ہو یا کسی کامل کی صحبت ہو یا صحیح تعلیم ہو۔ ادب ان چیزوں سے پیدا ہوتا ہے مگر یہ تینوں باتیں نہیں رہیں بلکہ جہل کا نام تعلیم رکھا ہے۔ سو کہاں تک ان بے ہودگیوں کی تاویلات کروں کوئی بات بھی تو آدمیوں کی سی نہیں۔ ایک عالم کا عالم ان خرافات پر متفق ہو گیا ہے۔ آخر کہاں تک برداشت کروں اور کب تک تغیر نہ ہو پتھر تو نہیں ہوں احساس تو ہوتا ہی ہے۔ لوگ چاہتے یہ ہیں کہ نہ خوشی کی بات سے خوشی ہو اور نہ رنج کی بات سے رنج ہو بت کی طرح بیٹھے رہنے کو بزرگی سمجھتے ہیں۔ ایسے پیر بھی بکثرت سے ہیں کہ وہ بت بنے ہوئے ہیں اور آنے والوں سے اپنی پرستش کراتے ہیں۔ وہیں جاؤ یہاں بلایا کس نے تھا۔

(۳۵۰) مرض بے فکری کا علاج

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تو اپنے لئے یہ تجویز کرلیا ہے کہ میں ایسے غبی اور کودنوں سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا اور تم اپنے لئے یہ تجویز کرلو کہ ہم ایسے ظالم اور جلاد پیر سے تعلق نہ رکھیں گے اس پر وہ صاحب خاموش رہے۔ فرمایا کہ جواب دو اگر جواب نہیں دیتے تو یہاں سے اٹھو مجھے اور بھی کام ہیں۔ صرف یہی ایک کام نہیں کہ تم کو لئے بیٹھا رہوں۔ عرض کیا کہ حضرت معاف فرمادیں۔ فرمایا کہ معافی کا کوئی میں انتقام تھوڑا ہی لے رہا ہوں یا پھانسی تھوڑا ہی دے رہا ہوں معاملہ کی بات ہے معاملہ ہی کی طرح طے ہوگی۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ میں آپ کو آپ کی غلطی پر بھی متنبہ نہ کروں عرض کیا کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ فرمایا کہ اس آپ کے کہنے کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص عورتوں کو گھورا کرتا تھا اندھا ہوگیا اب کہتا ہے کہ اے اللہ اب نہ گھوروں گا۔ گھورے گا کس طرح گھورنے کی چیز ہی کو ختم کردیا۔ فنا کردیا۔ اسی طرح میں جب تعلق ہی کو ختم کرتا ہوں جیسا ابھی کہہ چکا ہوں تو اس کے حقوق بھی ختم ہوگئے۔ اب تم کو ایسا کرنے کی نوبت ہی نہ آوے گی۔ افسوس اتنا زمانہ تعلق کو ہو گیا اب تک بھی کوئی صورت اصلاح کی نہ پیدا ہوئی آئندہ ہی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت والا نے حاضرین مجلس کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ خدانخواستہ مجھ کو کوئی بغض یا عناد تھوڑا ہی ہے۔ یہ جو کچھ کررہا ہوں ان کی مصلحت سے کررہا ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ آج تین دن کا عرصہ ہوا انہوں نے ایک پرچہ میرے سامنے لاکر رکھ دیا جس کا نہ کہیں سر نہ پیر۔ میں نے اس کو دیکھا کچھ پتہ نہ چلا کہ آخر ان کا مطلب ہے کیا۔

زبانی دریافت کرنے پر بھی کچھ نہ بولے۔ تب میں نے کہا کہ جاؤ کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے معاملہ صاف کرو۔ چلے گئے۔ اب تک خبرے نباشد۔ آج میں نے ہی دریافت کیا کہ تم نے اپنا معاملہ صاف نہیں کیا تو اس پر جھوٹی باتیں لغو تاویلیں شروع کر دیں۔ اس بے فکری اور لاپروائی پر میں نے مواخذہ کیا۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ دماغ درست ہوجائے گا۔ ساری عمر کے لئے بے فکری کا مرض دماغ سے نکل جائے گا۔ میں نے جو ان کو عدم تعلق کی تجویز سنائی ہے ایسا کرنے کا ارادہ نہیں۔ مطلب اس کا صرف یہ ہے کہ ان کی

طبیعت پر بوجھ پڑے اور اس بے فکری کے مرض سے ان کو نجات ہو اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ ایک بات بھی تو زبان سے کام کی نہ نکلی ورنہ جیسے میں نے یہ تجویز عدم تعلق کی بیان کی تھی اس کا جواب یہ تھا کہ میں تعلق قطع نہیں کر سکتا آپ چاہے کچھ کریں۔ مگر یہ محبت سے ہوتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے ایسی بات سن کر تڑپ جاتا ہے۔ ان کو اس وقت تڑپ کر یہ بات کہنی چاہیے تھی کہ میں یہیں مٹوں گا یہیں مروں گا یہیں فناء ہوں گا اگر عقل رہبری کرتی یہی کہتے مگر نہ محبت نہ عقل نہ فہم۔ باوجود ان سب باتوں کے میری رعایت ملاحظہ ہو کہ اب بھی مجھ کو ان کی اصلاح کی فکر ہے اور جب دیکھوں گا کہ کوئی صورت اصلاح کی ہے ہی نہیں تب بمجبوری قطع تعلق کر دوں گا۔ اس لئے کہ ہر شے کی غایت ہوتی ہے۔ تعلق پیدا کرنے کی یا رکھنے کی غایت اصلاح ہے جب اصلاح نہ ہوئی اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہو تو تعلق رکھنے سے غرض عدد بڑھانا تھوڑا ہی ہے یا فوج تھوڑا ہی جمع کرنا ہے۔ اور ان کے لئے یہ ہے کہ یہاں سے کام نہیں ہوا کسی دوسری جگہ سے سہی مقصود کسی خاص شخص سے تعلق کا رکھنا تھوڑا ہی ہے مقصود تو کام کرنا ہے۔ اور ایسے لوگ وہاں کہتے ہیں جہاں محض وظائف کی تعلیم ہے۔ یہاں پر وظائف کی تو تعلیم ہے نہیں صرف دو چیزوں کی تعلیم ہے۔ اگر کسی کو پسند ہو یہاں پر آؤ ورنہ کہیں اور جاؤ وہ یہ ہے کہ ایک تو معاصی سے بچو اور دوسرے یہ کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ وہ ایذاء چاہے کسی قسم کی ہو۔ مالی ہو جاہی ہو۔ جانی ہو۔ یہی میرے یہاں بزرگی ہے۔ اور یہی درویشی ہے دوسری یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خدمت لو مگر خادم بن کر اور جو شخص مخدوم بن کر خدمت لے گا وہ محروم جائے گا میں چاہتا ہوں خدمت کرنا مگر قاعدہ اور اصول سے میں بے قاعدہ اور بے اصول طریقہ سے خدمت کرنے سے معذور ہوں۔ اور میں کیا کروں یہ امور میرے فطری ہیں جن کو بدل نہیں سکتا۔ اور میں بدلنے کی کوشش بھی کیوں کروں میری غرض کون سی ہے۔

(۳۵۱) البادی اظلم

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر اپنے حقوق لینے میں یا وصول کرنے میں دوسرے کو تکلیف ہو یا اذیت پہنچے۔ فرمایا کہ اس کا ذمہ دار وہ ہے۔ ابتداء اس کی طرف سے

ہے البادی اظلم ظالم وہ ہے۔اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ بلا وجہ ایک شخص کسی کے لاٹھی مارے تو اس کے لاٹھی تو ماری ہی جاوے گی اس پر جو اس کو تکلیف یا اذیت پہنچی اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ یکم شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(۳۵۲) دعوت الی اللہ دین کا کام ہے

ایک مولوی صاحب کی ایک خاص غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ عالم ہو کر آپ کو اتنی خبر نہیں کہ یہ دعوت الی اللہ ہے کہ دین کا کام ہے اس کا عام اعلان کر دیا۔ بھیک مانگتے پھرنے کا نام تو دین نہیں۔ جب ہمارے مقتداؤں کی یہ حالت ہے تو پھر فلاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے عوام اگر علماء کو ذلیل سمجھیں تو ان کا کیا قصور ہے۔ جب علماء ہی ذلت کے اسباب اختیار کرتے ہیں۔ اگر قرض ادا کرنے کے لئے بھیک مانگنا ہے تو قرض کے نام سے مانگو۔ تبلیغ کے نام سے مانگنا دھوکا دینا ہے اتنے دنوں کی صحبت میں اتنی بھی خبر نہ ہوئی۔ مجھ کو اس کا بیحد صدمہ ہے اور آخر آپ قرآن وحدیث پڑھاتے ہیں ان میں مانگنے کی حرمت کا صریح حکم موجود ہے اس پر بھی تو آپ کی نظر ہونا چاہیے تھی اور میں تنزل کر کے کہتا ہوں کہ اگر شرعی نفرت نہ تھی تو طبعی نفرت تو ہونا چاہیے تھی۔ کچھ نہیں بعض آدمیوں میں حیاء نہیں ہوتی۔ مولویت کو بھی ڈبو دیا مجھ کو تو اس کے تصور سے بھی غیرت آتی ہے کہ یہاں کا رہنے والا شخص اور بھیک مانگتا پھرے۔ لوگ مجھ کو بد اخلاق کہتے ہیں اب اس معاملہ میں کیا خوش اخلاقی کروں اس موقع پر تو یہی خوش اخلاقی ہو سکتی ہے کہ اس کی اجازت دیدوں کہ بھیک مانگتے پھرو۔ شرم جاتی رہی غیرت نہیں رہی بڑے تبلیغ کرنے والے ٹھہرے۔ یہاں پر پڑوس میں بے نماز ہیں ایک دفعہ بھی توفیق نہ ہوئی کہ ان کو تبلیغ کرتے کیونکہ یہاں ملتا ہی کیا باہر ہی جا کر تبلیغ ہوتی ہے کیونکہ وہاں ملتا ہے بیس برس کاٹ میں رہے چلتے وقت ٹانگ تڑائی۔ اور ایسے شخص کے ذمہ سفر کر کر کے تبلیغ ہی کہاں واجب ہے جس میں خرچ کرنے کی وسعت نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ توکل پر تبلیغ کا ارادہ ہے۔ یہ مانگتے پھرنا عجیب توکل ہے۔ یہ سب شیطان کے بہکانے کی صورتیں ہیں عوام کو تو معصیت کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے مثلاً زنا ہے۔ چوری ہے جھوٹ ہے وغیرہ ذالک اور علماء و مشائخ کو صورت دین دکھلا کر اس میں پھانستا ہے وہ کام محض صورت دین ہوتا ہے حقیقت دین نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء آج ذلیل و خوار ہیں۔

قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مانگو تو بادشاہوں سے مانگو یا بزرگوں سے مانگو اس لئے کہ اس میں دو چیزوں پر نظر ہے ۔ ایک تو مخاطب پر سوال کے وقت بار ہوتا ہے ۔ دوسرے اپنی ذلت ہوتی ہے ۔ تو بادشاہ سے سوال کرنے میں نہ اس پر بار کا احتمال اور نہ اپنی ذلت کا خیال ۔ اور یہی بزرگوں کا معاملہ ہے کہ وہ کبھی کسی کو حقیر یا ذلیل نہیں سمجھتے اور بوجہ بے تکلفی کے ان پر کوئی بار بھی نہیں ہوتا اگر وہ امداد پر قادر نہ ہوں صاف عذر کر دیتے ہیں ۔ اور اگر پھر بھی آپ کا اسی طرح تبلیغ کرنے کا ارادہ ہے ۔ میں صاف کہے دیتا ہوں خواہ اس کو بے مروتی ہی سمجھا جائے کہ پھر آپ کا ہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا ۔ نہ خط و کتابت کی جائے اور نہ جواب کی توقع رکھی جائے اور نہ ملنے آیا جائے ۔ غرضکہ ہم سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہ رہے گا ۔ اس کے سن لینے کے بعد جو رائے طے ہو اس کی چاہے اسی وقت اور چاہے پھر کسی وقت مجھ کو اطلاع کر دی جائے باقی جو کچھ میں نے اس وقت عرض کیا ہے اس کے خلاف کی مجھ سے ایسی حالت میں توقع نہ رکھی جائے جب آپ کو ہمارے مسلک اور مذاق کی رعایت نہیں تو ہم کو آپ کی رعایت کی کیا ضرورت ہے ۔

(۳۵۳) غریبوں میں انکساری اور عاجزی کی شان ہوتی ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جولاہا ہو ۔ تیلی ہو قصائی ہو ۔ مگر فرمانبردار ہو ۔ نیک ہو وہ ان بڑے لوگوں سے اچھا جن میں تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور ان غریبوں میں انکساری و عاجزی کی شان ہوتی ہے ۔ گو فی زمانہ وہ بھی بڑائی کی طرف چل پڑے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس بلا سے ہر مسلمان کو بچائیں ۔ شیطان کمبخت اسی کی بدولت مردود ہوا اور سب کیا دھرا کھو بیٹھا ۔

(۳۵۴) ہر چیز کے حدود

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو ہمیشہ سوچ سمجھ کر فکر سے کام لینا چاہئے اس میں غلطیوں کا صدور بہت کم ہوتا ہے اور فکر اور غور کے بعد اگر صدور بھی ہوگا تو مربی یہ خیال کر کے درگذر کرے گا کہ بشریت ہے صدور ہو گیا ۔ مگر اس میں بے فکری تو نہیں ۔ میرے یہاں بحمد اللہ ہر ہر چیز کے حدود ہیں اور ہر چیز اپنی حد پر رہتی ہے گو دوسرے لوگ اس کو بد اخلاقی اور خشکی سے تعبیر کرتے ہیں ۔

۳ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز جمعہ

(۳۵۵) بے پردہ عورت کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا حکم

فرمایا کہ آج ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایک عورت ہے جو بے پردہ ہے۔ بھنگی چماروں تک کے سامنے آتی ہے اور آوارہ پھرتی ہے اور خاوند بھی ایسا ہی ہے اس عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا کیسا ہے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ جب کافر کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے تو وہ مسلمان ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ باعتبار فتوے کے کیا حکم ہے اور باعتبار تقوے کے کیا حکم ہے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کسی متقی سے پوچھو۔ اس پر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود تو کوئی کام خلاف شرع کرتے ہی نہیں معلوم ہوتے۔ جنید وقت معلوم ہوتے ہیں یہ خناس لوگوں کے دماغوں میں بھرا ہے۔ فتوی حاصل کر کے دوسرے مسلمانوں کو ذلیل سمجھنا یا ذلیل کرنا مقصود ہے۔ سو میرے جواب سے بحمد اللہ اس قسم کی گنجائش نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ میرے جواب سے خوش نہیں ہوتے بلکہ پچھتاتے ہیں کہ فضول ڈہائی آنہ بھی کھوئے۔ ان متکبروں کی یہ حالت ہے کہ دوسروں پر تو اگر مکھی بھی بیٹھ جائے تو اعتراض اور اپنے کیڑے پڑے ہوئے ہیں ان کی بھی خبر نہیں مگر یہاں پر ایسے منکروں کا اللہ کے فضل سے خوب دماغ درست ہوتا ہے۔

(۳۵۶) دوسروں کو ایذاء سے بچانے کا اہتمام

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جواب کے لئے بجائے اندر لفافہ رکھنے کے پانچ پیسہ کا ٹکٹ رکھا ہے۔ میں اس پر اکثر شکایت لکھا کرتا ہوں کہ اگر بجائے ٹکٹ رکھنے کے لفافہ رکھ دیتے تو مجھ کو پریشانی نہ ہوتی اس لئے کہ بعض اوقات ٹکٹ گر جاتا ہے اس کی تلاش میں تکلیف ہوتی ہے ان کو یہی لکھا جواب میں ٹکٹ بھیجنے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ وزن زائد ہو جانے کی وجہ سے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ یہ عذر عجیب ہے وزن کر کے دیکھ لیا ہوتا۔ پھر لکھتے ہیں کہ لفافہ موجود بھی نہیں۔ میں نے لکھا کہ موجود کرنے سے موجود ہو سکتا تھا۔ کچھ نہیں اس کی پرواہ ہی نہیں کہ ہماری اس حرکت سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔

(۳۵۷) دستی خط لانا مضر ہے

ایک نو وارد صاحب نے حاضر ہو کر بعد مصافحہ ایک اور صاحب کا دستی خط حضرت والا کی

خدمت میں پیش کیا کہ یہ فلاں صاحب نے حضرت کی خدمت میں بھیجا ہے۔ فرمایا کہ پہلے اپنا تعارف کرایئے میں نے آپ ہی کو نہیں پہچانا پہلے کو مقدم ہونا چاہیئے۔ دوسرے کا موخر عرض کیا کہ میں طالب علم ہوں فلاں مدرسہ میں پڑھتا ہوں اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حضرت والا نے ذرا سکوت کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا اتنا کہہ دینے سے آپ کے نزدیک ضروری تعارف ہو گیا اس پر وہ صاحب خاموش رہے دوبارہ دریافت فرمایا کہ نہ آپ کا کوئی نام ہے نہ وطن ہے اس پر بھی وہ صاحب خاموش رہے۔ فرمایا کہ اس کا تو کوئی میرے پاس علاج ہی نہیں کہ میری شکایت پر بھی اپنا تعارف نہیں کرایا۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ فرمایا کہ اگر میرا سوال آپ کے نزدیک لغو اور غیر معقول اور غیر ضروری ہے تو اٹھو اور وہاں جا کر بیٹھئے میرے پاس بیٹھنا بے کار ہے۔ اب بتلایئے اس میں کیا تاویل کروں کون سی پیچیدہ بات پوچھی تھی اور کون سا ٹیڑھا سوال تھا اور اگر ٹیڑھا بھی ہوتا تو طالب علم ہیں کتابیں قریب ختم کے ہیں اس کا بھی جواب دینا چاہیے تھا جو بھی مناسب سمجھتے۔ کیا مجھ کو اتنا بھی حق نہیں کہ نئے آنے والے سے اس کا نام اور وطن معلوم کروں۔ انصاف کیجئے لوگ مجھ کو سخت کہتے ہیں اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایئے کہ میں سخت مزاج ہوں یا یہ سخت مزاج ہیں۔ میں بد خلق ہوں یا یہ بد خلق ہیں۔ میں نے ان پر ظلم کیا یا انہوں نے مجھ پر ظلم کیا۔ میں نے ان کو ستایا یا انہوں نے مجھ کو ستایا مجھ سے ان کو اذیت پہنچی یا ان کو مجھ سے اذیت پہنچی۔ اور تجربہ سے یہ دستی خط لانا ہی مضر ہے نہ لانا چاہئے تھا اگر یہ خط ان کے پاس نہ ہوتا تو اپنے متعلق کلام کرتے۔ یہ سب اصولی باتیں ہیں مگر لوگ ہیں کہ ان باتوں کا مطلق خیال نہیں کرتے۔

(۳۵۸) نفع مناسبت پر موقوف ہے

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایسا بے جوڑ مضمون لکھا ہے کہ جس کے نہ سر نہ پیر ان صاحب کا پہلے ایک خط آیا تھا میں نے اُس پر لکھا تھا کہ نفع موقوف ہے مناسبت پر اور مناسبت ہے نہیں آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ کو آپ سے محبت ہے اعتقاد ہے۔ میں نے جواب لکھا ہے کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ کو مجھ سے مناسبت ہے مگر یہ تو ثابت نہیں

ہوتا کہ مجھ کو بھی آپ سے مناسبت ہے اور نفع کے لئے ضرورت ہے مجموعہ کی۔ یہ ایک طرفہ مناسبت ایسی ہے جیسے ایک طالب علم کسی شہر میں رہتا تھا اس کے کسی مہمان دوست نے پوچھا آج کل کیا شغل ہے کہنے لگا کہ یہاں کی شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہوں اس نے پوچھا پھر کیا ہوا کہنے لگا آدھا کام تو ہو گیا آدھا باقی ہے۔ پوچھا یہ کیسے۔ کہنے لگا میں تو راضی ہوں وہ راضی نہیں۔ پس ایسی ہی آپ کی مناسبت تھی کہ ایک طرف سے ہے دوسری طرف سے نہیں۔ اور ایسے ہی بعض لوگوں کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہے کہ بندہ کو تو خدا سے محض تصور کا تعلق ہے مگر خدا تعالیٰ کو بوجہ نافرمانی کے بندہ سے تعلق نہیں۔ اور جو تعلق جانبین سے ہو وہ یہ ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ سے طاعت کا تعلق ہو اور ان کا تعلق بندہ کے ساتھ رضاء کا ہو۔

(۳۵۹) ایک جاہل سائل کو حکیمانہ جواب

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے کوڑ مغزی ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے کہ مریم علیہا السلام کا کسی شخص سے نکاح ہوا تھا اور ان کے بطن سے محض عیسیٰ علیہ السلام ہی پیدا ہوئے یا اور کوئی بھی اور یوسف نجار آپ کا کیا ہوتا تھا۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کیا ان تحقیقات پر کوئی دینی ضرورت موقوف ہے یا دنیوی۔ اس پر فرمایا کہ اب جواب دیکھ کر خفا ہو گا اور کہے گا کہ نہایت بد اخلاق شخص ہے یہ بھی کوئی جواب ہے۔ حالانکہ جواب تو ایسا ہے کہ اس میں سائل کی جہالت ظاہر کی ہے اب اس کو چاہئے کہ یہ لکھے کہ کون سی ضرورت موقوف ہے پھر ان شاء اللہ جواب دوں گا۔

(۳۶۰) مبہم بات سے نفرت اور الجھن ہوتی ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے یہ صاحب رمضان شریف میں یہاں آ کر رہنا چاہتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اگر اپنے مصارف کا خود انتظام کر سکو کسی سے قرض بھی نہ لینا پڑے اور مجلس میں خاموش بیٹھے رہو نہ مکاتبت کرو نہ مخاطبت۔ آنے کی اجازت ہے۔ اس پر فرمایا کہ میں چاہتا یہ ہوں کہ بات صاف ہو کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ کل کو کوئی تکلیف ہو تو مجھ کو ذمہ دار نہ سمجھا جائے۔ چاہے خدمت توقع سے زائد کر دوں مگر ذمہ دار نہیں بننا چاہتا۔ اور مبہم بات سے مجھ کو نفرت ہے اور الجھن ہوتی ہے۔ میں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آتے ہی یہ کارڈ مجھ کو دکھلا دینا۔

(۳۶۱) خاموش بیٹھنے سے نفع

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نئے آدمی کے لئے مجلس میں خاموش بیٹھے رہنے سے بڑے نفع کی امید ہے۔ تجربہ سے یہ تجویز بیحد نافع ثابت ہوئی۔ اس قید کے ساتھ جو لوگ یہاں پر رہ گئے انہوں نے لکھا ہے کہ دس برس کے مجاہدہ سے بھی ہم کو یہ بات نصیب نہ ہوتی جو دس روز کے خاموش مجلس میں بیٹھنے سے نصیب ہوئی۔

(۳۶۲) کیا برہمن اور چمار کے ساتھ بیٹھ کر کھانا جائز ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مسئلہ شرعی کے اعتبار سے برہمن اور چمار ایک ہیں پھر ایک کے ہاتھ سے کھا پی لیتے ہیں اور ایک کے ہاتھ سے نہیں۔ فرمایا کہ اس میں حکم کے دو درجے ہیں ایک فی نفسہ۔ اور ایک للعارض۔ تو فی نفسہ تو جائز ہے مگر عوارض کی وجہ سے ناجائز ہے۔ وہ عوارض یہ ہیں۔ مثلاً بدنامی چرچا عرض کیا کہ رواج کی بناء پر۔ فرمایا کہ میں نے جو الفاظ کہے ہیں وہ شرعی الفاظ ہیں۔ ان کا ترجمہ رواج سے نہیں ہوسکتا۔ اور یہ جواب آپ کو یہیں ملا ہے دوسری جگہ سے ایسا جواب نہ ملتا۔ اس پر فرمایا کہ بدنامی اور چرچا پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی ایک ظالم بادشاہ نے ایک بزرگ کو دربار میں بلایا اور سور کا گوشت ایک پلیٹ میں سامنے پیش کیا گیا کہ اس کو کھاؤ۔ اگر نہ کھاؤ گے تو یہ تلوار ہے۔ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ بزرگ نے فرمایا کہ قتل ہونا منظور ہے مگر یہ نہ کھاؤں گا جب بادشاہ نے بزرگ کو اس قدر پختہ پایا تو وہ پلیٹ سامنے سے اٹھالی گئی۔ دوسری پلیٹ بکری کے گوشت کی پیش کی گئی کہ یہ تو کھا لیجئے۔ فرمایا کہ اب یہ بھی نہ کھاؤں گا اس لئے کہ یہ مشہور ہو چکا ہے کہ سور کا گوشت کھانے کو بلایا گیا ہے اس کے کھا لینے پر یہی مشہور ہوگا کہ سور کا گوشت کھایا ہے میں کس کس سے کہتا پھروں گا کہ وہ سور کا گوشت نہ تھا بلکہ بکری کا تھا جو میں نے کھایا ہے سو بدنامی اور چرچا سے بچنا بھی حکم شرعی ہے۔ جیسا ان بزرگ نے کیا۔

(۳۶۳) بدگمانیت تمام خرابیوں کی جڑ ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر مقلدوں میں ایک بات بری ہے وہ

جڑ ہے تمام خرابیوں کی۔ وہ بدگمانی ہے اور اسی سے بدزبانی پیدا ہوتی ہے اگر یہ بات اس گروہ میں نہ ہوتی تو یہ بھی ایک طریق ہے گو خطرناک ہے۔

(۳۶۴) شیخ کا تکدر نہایت مضر چیز ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں شیخ کا تکدر نہایت مضر چیز ہے۔ لوگوں کو اس کی نہ فکر ہے اور نہ اہتمام۔ اس وقت طریق کے آداب ہی گم ہو گئے اس ہی لئے نفع نہیں ہوتا بلکہ اکثر شیوخ خود طریق کے آداب سے بے خبر ہیں دوسروں کو کیا تعلیم کریں گے۔ میں اسی وجہ سے بدنام ہوں کہ میں طریق کے آداب اور اس کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہوں۔ لوگوں کو ایک نئی بات نظر آ کر وحشت ہوتی ہے باہر جا کر بدنام کرتے ہیں۔

(۳۶۵) حضرات اکابر کی عجیب ہستی

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے حضرات کی عجیب ہستی تھی کبھی کسی بات کے پیچھے نہ پڑتے تھے۔ ضرورت کے کام سے انکار نہ تھا۔ عبث اور فضول سے نفرت تھی سچ یہ ہے کہ ان ہی حضرات کے ہم لوگ بگاڑے ہوئے ہیں۔ اس پر لوگ بدنام کرتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم فرمائی ہے اسی تعلیم کے ماتحت ان کا یہ عمل تھا۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں ابن ہمام کی نسبت دریافت کیا تھا کہ یہ مجتہد ہیں یا نہیں۔ اس کا جواب لکھنے کو مجھے فرمایا۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ میں نے جواب لکھ کر مولانا کو سنایا۔ فرمایا کہ بھیج دو۔ اس جواب پر پھر سائل نے کچھ شکوک لکھے میرا خیال ان کے جواب دینے کا ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ اب جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ لکھ دو کہ ہم مرغان جنگی نہیں ہیں کہ تو تو میں میں کریں اور بھی بہت علماء ہیں ان سے معلوم کر لو یہ طرز اپنے بزرگوں کا دیکھا یہی پسند ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ تحذیر الناس کی اشاعت پر مولانا پر کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ مولانا نے سن کر پڑھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ لو بھائی اب تو مسلمان

ہوں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر کی گئی حضرت کا عجیب جواب تھا اس جواب کا رنگ ہی اور ہے فرمایا کہ اگر میں اللہ کے نزدیک مقبول ہوں اور ساری دنیا کافر کہے کہا کرے کچھ مضر نہیں۔ اور اگر اللہ کے نزدیک مردود ہوں اور ساری دنیا غوث قطب کہے تو کچھ نفع نہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ جس شخص کو یقین کے ساتھ ثابت ہو جائے کہ ہم یزید سے اچھے ہیں اس کو جائز ہے۔ اور یقین مرنے کے بعد ہو سکتا ہے تو پھر قبر میں بیٹھے بیٹھے یہی وظیفہ رٹا کرنا کہ لعنت بر یزید۔ لعنت بر یزید۔ باقی یہاں تو ابھی اپنی ہی کشتی ڈانواں ڈول ہے بقول کسے۔

گہ رشک بر و فرشتہ بر پاکی ما گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم احسنت بریں چستی و چالاکی ما

حضرت کسی کو کیا خبر ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔ سب سے پہلے اپنی خبر لو اور جب اپنی فکر میں انسان لگا ہوتا ہے اس کو دوسرے کی فکر نہیں ہوتی۔ دیکھو اگر ایک شخص کو پھانسی کا حکم ہو جائے اور اس کے سامنے کسی دوسرے کا ذکر کرو وہ کہے گا کہ تم اپنی ہی لئے پھرتے ہو مجھے اپنی ہی لگی ہے یہ سب باتیں بے فکری کی بدولت سوجھتی ہیں۔ کام میں لگو اپنی فکر کرو دوسروں کو چھوڑ دو۔ میرٹھ سے ایک صاحب کا خط آیا تھا۔ ان کا مجھ سے تعلق تھا جس کا خلاصہ دو مضمون تھے۔ ایک یہ کہ میں اور والد صاحب ایک جگہ رہتے ہیں۔ میں والد صاحب کو خلاف شرع باتوں پر روکتا ہوں وہ نہیں مانتے۔ دوسرا یہ کہ ایک جگہ رہنے کی وجہ سے اور بھی بعض شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نے سارے خط کے جواب میں ایک شعر لکھ دیا جو دونوں مضمون کو جامع تھا وہ شعر یہ ہے۔

کار خود کن کار بیگانہ مکن در زمین دیگران خانہ مکن

پہلا مصرعہ پہلے مضمون کے متعلق تھا اور دوسرا دوسرے کے متعلق۔ اس پر انہوں نے عمل کیا فوراً دوسری جگہ مکان لے لیا اور کہنا سننا بھی چھوڑ دیا۔ پھر جو خط آیا تو لکھا کہ تمام پریشانیاں دفع ہو گئیں۔ یہ سب تجربہ سے کہہ رہا ہوں۔ عمل کر کے دیکھو تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔

(۳۶۶) مصروف آدمی کا حال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص دوست میں مشغول ہو اس کو دشمن کی کب فکر ہو سکتی ہے اس

کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے بلکہ وہ تو غیر کی طرف مشغول کرنے والے سے بھی یہی کہے گا۔

(۳۶۷) اصل مصیبت اور مشقت کی چیز

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ تو ان معمولی مصائب اور تکالیف ہی سے گھبرا اٹھے جس کا سبب ضعف تعلق مع اللہ ہے۔ اصل مصیبت اور مشقت کی چیز موت ہے جسے حق تعالیٰ نے بھی مصیبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اصابتکم مصیبتہ الموت اور کسی مشقت کا نام لے کر اس کو مصیبت نہیں فرمایا مگر ان کی یاد کرنے والوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کو موت جیسی مصیبت بھی لذیذ اور مطلوب اور محبوب ہوتی ہے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

خرم آنروز کزیں منزل ویران بروم　　راحت جان طلبم وز پے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا در میکدہ شادان وغزل خواں بروم

اللہ اکبر کیسا اطمینان ہے کہ موت کی تمنا کر رہے ہیں اور اسی اثر سے ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید کو وصیت کی تھی کہ ہمارے جنازے کے ساتھ یہ پڑھتے چلنا ہماری روح کو مسرت ہوگی۔

مفلسانیم آمدہ درکوئے تو　　شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفریں بردست و برباز وئے تو

اور حضرت سلطان جی کا جب جنازہ لے کر چلے ہیں تو آپ کے ایک مرید نے شدت غم کی حالت میں یہ پڑھنے لگے۔

سرو سیمینا بصحرا مروی　　سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　تو کجا بہر تماشا میروی

کیا ٹھکانا ہے اس اطمینان کا یہ سب ذکر اللہ کی برکت ہے کہ کوئی چیز بھی پریشان اور غیر مطمئن نہیں رہ سکتی مگر اسی سے لوگوں کو غفلت ہے۔

(۳۶۸) بعض غیر مقلدین کا تدین اور انصاف

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر غیر مقلدوں میں یہی ایک بات بری ہے وہ بدگمانی ہے اسی کی بدولت بدزبانی ہوتی ہے لیکن بعض میں تدین اور انصاف بھی

ہوتا ہے لکھنؤ سے ایک غیر مقلد عالم یہاں پر آئے تھے غالباً دو تین روز یہاں پر قیام کیا۔ تھے سمجھدار ایک روز انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ سماع موتی کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے اس لئے کہ نص انکار کر رہی ہے قرآن پاک میں ہے انک لا تسمع الموتی میں نے کہا کہ یہی آیت سماع کو ثابت کر رہی ہے اس لئے کہ بالاتفاق اس میں کفار کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ کا سماع حسی مشاہد ہے صرف سماع قبول منفی ہے پس یہی حالت مشبہ بہ کی ہوگی کہ سماع حسی ثابت اور سماع قبول منفی۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ مردے سماع مواعظ سے منتفع نہیں ہوتے تو اس آیت سے نفی سماع پر دلالت کہاں ہوئی۔

دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا اہل قبور سے فیض ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے اس پر بہت چونکنے ہوئے۔ میں نے کہا کہ حدیث شریف میں قصہ ہے کہ ایک صحابی نے قبر پر بھولے سے خیمہ لگا لیا تھا۔ مردہ بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے سنا اور قرآن سننے سے ظاہر ہے کہ ثواب ہوتا ہے تو یہ فیض اہل قبور ہی سے ہوا۔ یہ عالم ایک غیر مقلد ہی عالم سے بیعت تھے مجھ سے یہ ظاہر کر چکے تھے۔ پھر مجھ سے بیعت ہونے کو کہا میں نے کہا کہ جب آپ ایک سے بیعت ہیں دوسرے سے بیعت ہونا مناسب نہیں۔ اس پر سوال کیا کہ کیا یہ حدیث میں ہے کہ دوسرے سے بیعت ہونا مناسب نہیں میں نے کہا کہ جی حدیث میں بھی ہے۔ یہ بتلایئے کہ مامور بہ میں جو چیز مخل ہو وہ منہی عنہ ہوگی یا نہیں۔ کہا کہ ضرور ہوگی۔ میں نے کہا کہ حب فی اللہ مامور بہ ہے یا نہیں کہا کہ ہے میں نے کہا کہ بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسے واقعات سے اثر قبول کرتی ہیں۔ جب پہلے شیخ کو یہ معلوم ہوگا کہ مجھ سے تعلق ہونے کے باوجود پھر دوسرے سے تعلق کیا تو ان کو کدورت ہوگی اور اس کدورت سے نوبت عدم تعلق اور ناگواری کی پہنچے گی اور یہ مامور بہ یعنی حب فی اللہ میں مخل ہوگی اور اس کی ممانعت خود آپ کو مسلم ہے۔ سمجھ گئے مجھ سے تو نہیں مگر دوسرے خانقاہ میں رہنے والوں سے کہا کہ علم یہ ہے۔ یہاں تو ہر بات حدیث ہی کے تحت میں ہے۔ یہ بھی کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جماعت یعنی اہل حدیث کے اصول میں ہے۔ میں نے سن کر کہا کہ بھول کیا ہوتی اصل بات یہ ہے کہ سمجھ کے لئے ضروری ہے نور کی اور نور پیدا ہوتا ہے کثرت ذکر اللہ اور تقوے سے اور اس

کے لئے ضرورت ہے صحبت اہل اللہ کی اور اسی سے ان کو اعراض ہے۔

(۳۶۹) ایک نو وارد عالم کو غیر ضروری مسئلہ دریافت کرنے پر تنبیہ

ایک نو وارد عالم نے ایک فقہی مگر غیر ضروری مسئلہ دریافت کیا حضرت والا نے پوچھا کہ کیا آپ نے ایسے فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے سفر کیا ہے کیا یہاں پر فقیہ بننے کے لئے آئے ہو یا اپنے کو مٹانے کے لئے۔ آپ نے پہلے مکاتبت میں بھی پریشان کیا تھا۔ ہاں یہ تو بتلایئے کہ کیا آپ کو مخاطبت کی اجازت ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ پھر یہ تو صریح مخالفت ہے۔ کیا ہو گیا آپ لوگوں کو اگر کوئی جاہل دیہاتی ایسی حرکت کرے تو تعجب نہیں۔ مگر آپ لوگ لکھے پڑھے کہلاتے ہیں پھر یہ حرکت آخر اصول بھی کوئی چیز ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ طبیب کے یہاں دو قسم کی جماعت ہوتی ہے۔ ایک مریضوں کی ایک طالب علموں کی۔ مریضوں کا کام مرض بیان کر کے نسخہ لکھوانے کا ہے۔ اور طالب علموں کا کام نسخہ پر سوال کرنے کا ہے اور ان کو اس کی اس لئے اجازت ہے کہ وہ طالب علمی کر رہے ہیں تو آپ یہاں مریض ہونے کی حیثیت سے آئے ہیں یا طالب علم بن کر۔ عرض کیا کہ مریض ہونے کی حیثیت سے۔ فرمایا کہ تو پھر آپ کو ایسے سوالات کرنے کا حق نہیں۔ اور یہ جو میں دوسرے لوگوں کے سوالات کا جواب دے رہا ہوں ان سے میری بے تکلفی ہے ان پر آپ کو قیاس کرنا یہ بھی آپ کی بدفہمی کی دلیل ہے اور میں صاف بات کہتا ہوں کہ اگر یہ خطاب میرا آپ کو ناگوار ہوا ہو تو میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ آپ مجھ کو چھوڑ دیں۔ عرض کیا کہ میں حضرت سے معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ ایسا نہ ہو گا اور اس وقت مجھ کو حضرت کے اس خطاب فرمانے سے بے حد نفع ہوا۔ فرمایا کہ یہ آپ کی سمجھ کی بات ہے واقعہ تو یہی ہے کہ آپ کے نفع ہی کی وجہ سے اپنا دماغ اور وقت صرف کر رہا ہوں۔ اور میں بآواز بلند کہتا ہوں کہ مجھ کو مجمع کرنا اور فوج جمع کرنا مقصود نہیں۔ اگر دو چار آدمی فہیم ہوں وہ کافی ہیں اور ان سے مغنی ہیں کہ بدفہم ہوں اور یوں لاکھوں۔ اہل طریق نے لکھا ہے کہ مجلس کے اندر اگر ایک شخص بھی معترض یا بدمذاق ہو تو فیوض بند ہو جاتے ہیں۔ اس ہی لئے سماع میں شرط ہے کہ مجلس میں کوئی منکر سماع نہ ہو۔ اسوقت میری طبیعت میں انقباض ہو گیا۔ اور میرا یہ برتاؤ مواخذہ کا ان کے ساتھ ہوتا ہے جو طلب لے کر آتے ہیں۔ یہاں پر یہی دعوے

تو غضب ہے کہ ہم اصلاح کے لئے آئے ہیں کیونکہ پھر اصلاح اصلاح ہی کے طریق پر ہو گی۔ چاپلوسی اور ہاتھ جوڑ کر تھوڑا ہی ہوگی۔ جس کو یہ طرز پسند نہ ہومت آ ؤ۔

(۳۷۰) طریق میں نفع کی شرط اعظم مناسبت ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنا اپنا مذاق ہے مجھے دوسروں کے مسلک پر اعتراض کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔ اب اسی کو دیکھ لیجئے کہ دوسرے مشائخ اور پیروں کے یہاں لوگوں کے پھانسنے کی کوشش کی جاتی ہے اور میرے یہاں دور کرنے کی البتہ اگر اصول صحیحہ کے تابع ہو کر کوئی خدمت لینا چاہے تعلق رکھنا چاہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ طلب صادق ہو تو خدمت سے انکار نہیں آدھی رات خدمت کو موجود ہوں۔ فلاں مولوی صاحب یہاں پر آنا چاہتے تھے اجازت لینے کے لئے خط آیا میں نے لکھا کہ یہاں پر آ کر بولو گے یا خاموش رہو گے اور اگر بولو گے تو کیا بولو گے اس کا تو کوئی جواب نہیں دیا مگر فلاں مولوی صاحب کو سفارش کے لئے ساتھ لے کر آ گئے کہ مجھ کو بیعت کرا دو۔ مجھ کو شفیع مولوی صاحب کا لحاظ ضروری ہے مگر ان کے لحاظ سے اصول کا لحاظ مقدم تھا اس لئے میں نے ان مولوی صاحب سے صاف کہہ دیا کہ اس طریق میں شرط اعظم نفع کی مناسبت ہے اور ان کو مجھ سے مناسبت نہیں اور آپ سے مناسبت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بھی خادم قوم ہیں اور یہ بھی خادم قوم ہیں۔ اور میں نادم قوم ہوں۔ میں نے قوم کی کوئی خدمت نہیں کی اس لئے مجھ سے مناسبت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ ہی بیعت کر لیں۔ دوسرے میرے یہاں سب سے اول شرط یہ ہے کہ تمام تعلقات کو ختم کر دیا جائے اور یہ قوم کی خدمت بھی ایک تعلق ہے جس میں یہ مشغول ہیں اس پر ایک اور مولوی صاحب کہ وہ بھی اس درخواست میں شریک تھے اور ذہین آدمی ہیں بولے کہ اگر ہم دو چار سال کے لئے کل تعلقات کو چھوڑ کر کام میں لگ جائیں اور پھر اس طرف سے فارغ ہو کر اس کام کو کریں تو کیسا ہے میں نے کہا کہ آپ نے بہت کام کا سوال کیا اب اس کا جواب سنئے کہ میرے مسلک میں جس طرح تعلقات مضر ہیں۔ عزم تعلقات بھی ویسے ہی مضر ہیں بلکہ تمام ارادوں اور تجویزوں کو فنا کر کے اس کام میں لگ جانا اور ہر حال میں اپنے مربی کے حکم پر عمل

کرنا ضروری ہے اگر وہ کوئی خدمت سپرد نہ کرے بے کار رہنا ہوگا اگر وہ کوئی خدمت تجویز کرے اس کو اختیار کرنا ہوگا خواہ وہ قوم کی خدمت ہو خواہ وہ مسجد کی خدمت ہو خواہ وہ مدرسہ کی خدمت ہو اور خواہ وہ کسی کے جوتے سیدھے کرنے کی خدمت ہو۔ اور خواہ وہ نفس کی خدمت ہو۔ اس کو بحیثیت مریض کسی چون وچرا کا حق نہیں ہوگا۔

(۳۷۱) اوراد وظائف سے امراض کا علاج نہیں ہوسکتا

آج کل اکثر مشائخ تک محض اوراد و وظائف کو طریق اور کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں چاہے امراض نے سر سے پیر تک گھیر رکھا ہو۔ امراض کا علاج ان لوگوں کے نزدیک ضروری ہی نہیں رہا صرف وظائف ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ سو وظائف سے امراض کا علاج نہیں ہوسکتا بلکہ اس حالت میں ان امراض کے مہلک ہو جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ امراض کے ہوتے ہوئے اگر وظائف اور اوراد سے کچھ کیفیات اور لذات پیدا ہو گئے تو وہ پھر عمر بھر بھی ان امراض کی طرف التفات نہ کرے گا اپنے کو مقصود پر پہنچا ہوا تصور کرے گا اور ظاہر ہے کہ یہ حالت مریض کے لئے سخت خطرناک ہے کہ مریض ہو کر اپنے کو مریض نہ سمجھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وظائف اور اوراد سے امراض کا علاج نہیں ہوسکتا۔ اصل علاج تدابیر خاصہ ہیں۔

(۳۷۲) اصلاح نفس کو ضروری سمجھنے کی ضرورت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دہلی فلاں طبیب صاحب کے پاس میں اپنے ایک عزیز کو بغرض علاج لے گیا اور بعض حضرات کی سفارشی چٹھی اس غرض سے لے گیا کہ طبیب صاحب توجہ سے علاج کریں۔ میرا سفارشی چٹھی کا پیش کرنا تھا کہ طبیب صاحب ایک دم بگڑ گئے اور بہت خفا ہوئے۔ علاج تو انہوں نے کیا مگر بے حد قیود اور شرائط کے ساتھ۔ اور مریضوں کا بھی علاج کرتے ہوئے ان طبیب صاحب کو دیکھا مریضوں کے ساتھ اصول اور قواعد کے ماتحت علاج کرتے ہیں اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ ایسا برتاؤ کریں تو وہ بڑے لوگ سمجھے جاتے ہیں صاحب کمال سمجھے جاتے ہیں اور ان کو ایسے برتاؤ حق دار سمجھا جاتا ہے لیکن ہم غریب ملانوں کو اس کا حق نہیں۔ حالانکہ وہ بدن کا علاج کرتے ہیں اور یہاں نفس کا

علاج ہوتا ہے جو بدن کے علاج سے لاکھوں درجہ اہم ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

صحت ایں حسن بجوائید از طبیب — صحت آں حسن بجوائید از حبیب
صحت ایں حسن ز معموری تن — صحت آں حسن ز تخریب بدن

بات یہ ہے کہ اصلاح نفس کو ضروری نہیں سمجھتے اور صحت جسم کو ضروری سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ طبیب جسمانی کی سب کچھ سہتے ہیں سنتے ہیں۔ اور طبیب روحانی سے اعراض ہے اور اس پر ہر قسم کا اعتراض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کوچہ سے بے خبر ہیں اگر کی خبر ہو جائے تب اگر ایسا کریں تو ہم جانیں۔ ان لوگوں نے حکمت یونانی ہی کو دیکھا ہے حکمت ایمانی نہیں دیکھی اسی کے بارہ میں کہا گیا ہے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں — حکمت ایمانیاں راہم بخوان

(۳۷۳) مجذوب اور مجنون کا فرق

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عوام تو عوام خواص بھی مجذوب اور مجنون میں فرق کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ فرق یہ ہے یہاں سبب زوال عقل اور ہے یعنی مرض اور وہاں اور ہے یعنی وارد۔ مگر آج کل تو مجنوں کو بھی مجذوب ہی سمجھتے ہیں سب سے بہتر احتیاط کی بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس ہی نہ پھٹکا جائے گو وہ واقعی مجذوب ہی ہو۔

(۳۷۴) گمنامی میں بڑی عافیت ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے اور شہرت میں دینی اور دنیوی دونوں ضرر ہیں۔ مشہور آدمی پر مخلوق کا حسد اور غصہ اس طرح نازل ہوتا ہے جیسے مشک کے دہانہ سے پانی گرتا ہے اسی کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چشمہا وَ خشمہا وَ رشکہا — بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

اسی وجہ سے گمنامی کی ترغیب دیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے شہرت سے بچو ایسے رہو کہ کوئی جانے بھی نہیں کہ کوئی رہتا بھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اشتہار خلق بند محکم است — بند اواز بند آہن کے کم ست

خویش رار بخور ساز د زار زار تاترا بیروں کنند از اشتہار

مگر یہ اس شہرت کے لئے ہے جو اپنے اختیار اور قصد سے ہو باقی غیر اختیاری شہرت وہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اپنے کو مٹائے ہوئے فنا کیے ہوئے رہتے تھے مگر اس پر بھی دنیا میں شہرت اور ان کے علوم کا غلغلہ تھا جس طرف کو چلے گئے سب ماند ہو جاتے تھے سو یہ غیر اختیاری ہے اور یہ مضر بھی نہیں اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور انہیں کی نصرت اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

۴ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(۳۷۵) قرآن وحدیث میں سلیقہ کی تعلیم

ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کل عوام تو کیا خواص بھی سلیقہ کو دین نہیں سمجھتے دین کی فہرست سے خارج سمجھ رکھا ہے چند چیزوں کا نام دین سمجھ رکھا ہے حالانکہ قرآن وحدیث میں اس کے متعلق کافی تعلیم موجود ہے۔

(۳۷۶) فقہ کا فن بڑا نازک ہے

ایک مولوی صاحب نے ایک فقہی مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کتاب میں دیکھ لیا جائے۔ یہ فقہ کا فن بڑا ہی نازک ہے میں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا جتنا اس سے ڈرتا ہوں۔ جب کوئی فتویٰ یا مسئلہ سامنے آتا ہے دور دور کے احتمالات ذہن میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اب فتاوے میں دوسروں کا حوالہ دیتا ہوں۔ اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بعضے لوگ اسی کے اندر زیادہ بیباک ہیں حالانکہ اس میں بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۳۷۷) آج کل لوگوں کو صاف بات کرنے کی عادت نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری طبیعت الجھی ہوئی بات سے بہت گھبراتی ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ صاف بات ہو خود بھی صاف بات کہتا ہوں اور دوسروں سے بھی صاف بات کا منتظر رہتا ہوں لوگوں کو صاف بات کرنے کی عادت نہیں۔ اکثر اسی پر میری لڑائی ہوتی ہے۔

(۳۷۸) فراغ بہت نعمت ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ عادت میری ہمیشہ کی ہے کہ کام

کے جمع ہونے سے قلب پر بار ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کام بھی ہو وقت پر ختم ہو جائے دل ایک طرف ہو۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کام اسی قدر پیش آوے جو روز کے روز ختم ہو جائے اسی وجہ سے کوشش کر کے روز کا کام روز ختم کر دیتا ہوں مگر اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ختم ہوتا ہے تو دوسرا آ جاتا ہے جس کی وجہ سے فراغ میسر نہیں ہوتا لیکن اس کی تمنا بہت دنوں سے ہے کہ اپنے کو فارغ کروں بلکہ کانپور سے تعلق قطع کر کے یہی نیت کر کے چلا تھا کہ اپنے کو فارغ رکھوں گا لیکن جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور وہی بندہ کے لئے خیر ہوتا ہے اور اس فراغ سے میری دو غرض ہیں ایک دنیا کی اور ایک دین کی دنیا کی تو یہ ہے کہ دماغ کو آرام ملے اور دین کی یہ کہ کچھ اللہ اللہ کرنے کو جی چاہتا ہے اب تک مجھے اس کے لئے کوئی وقت ہی نہیں ملا اور چونکہ زیادہ جی کو اسی طرف لگا ہوا دیکھتا ہوں اسی وجہ سے لوگوں سے لڑائی ہوتی رہتی ہے کہ وہ الجھی ہوئی بات کہہ کر میرے قلب کو مشغول رکھنا چاہتے ہیں اور میں فارغ رکھنا چاہتا ہوں اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بھائی صاف بات کیوں نہیں کہتے جس سے قلب جلدی فارغ ہو گول مول بات سے الجھن ہوتی ہے۔ باقی یہ خبر نہیں کہ یہ جو اپنے لئے تجویز کیا ہے وہ خیر ہے یا شر مگر طبعاً جی چاہتا ہے کہ فراغ نصیب ہو۔ دو چار احباب خاص پاس رہیں جب کبھی جی چاہے ان میں جا بیٹھا اور باقی تمام وقت اللہ اللہ میں صرف ہو۔ الحمد للہ ضروری ضروری کام سب ہو تو گئے۔ اب سوچنے سے بھی کوئی ضرورت کی چیز سمجھ میں نہیں آتی الحمد للہ اتنا تفاوت ہو گیا۔ اب تو زیادہ تر پہلے ہی کاموں کی تتمیم کرتا رہتا ہوں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کو تو علاوہ اور کاموں کے ڈاک ہی کا مستقل کام بہت ہے فرمایا کہ نرے ڈاک کے کام سے مجھ پر تعب نہیں ہوتا البتہ تصنیف کے کام سے تعب ہوتا ہے سو تصنیف کا کام اب نہیں ہوتا۔ تصانیف میں تمام مضامین پر احاطہ کرنا پڑتا ہے اس لئے تصنیف کا کام بہت بڑا ہے پہلے دماغ میں تمام مضامین کا جمع کرنا۔ پھر مرتب کرنا۔ ان کو محفوظ رکھنا بہت ہی بڑی مشقت کا شغل ہے۔ ایک سبب تصنیف کی دشواری کا میرے لئے یہ بھی ہے کہ کتابوں پر میری نظر نہیں درسی کتابوں کے علاوہ اور کتابیں میں نے دیکھیں نہیں۔ ہاں درسی کتابیں پہلے بحمد اللہ اچھی طرح مستحضر تھیں مگر اب ان میں بھی ذہول شروع ہو گیا۔ اور تصنیف کے لئے صرف درسی کتابیں کافی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میری

تصنیفات کا زیادہ حصہ غیر منقولات ہیں۔ اول تو میرے پاس کتابیں نہیں اور جو ہیں ان پر نظر نہیں اور تصنیف بدوں کتابوں پر نظر ہوئے مشکل ہے جس کا اب تحمل نہیں اس ہی لئے اب جو فتاوے آتے ہیں واپس کر دیتا ہوں۔ ہاں جواب میں اجمالا اپنا مسلک ظاہر کر دیتا ہوں اور یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ دیوبند سے معلوم کر لو۔ خلاصہ یہ ہے کہ باوجود ان سب تخفیفات کے اور جی بھی چاہنے کے فراغ نصیب نہیں ہوا لیکن اب میں بے مروتی کر کے اس کا بھی انتظام کروں گا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی تو ساری عمر کا حصہ دین ہی کی خدمت میں صرف ہوا اور اللہ کی مخلوق کو سیدھا راستہ بتلا دیا۔ فرمایا کہ جی ہاں اب تک دوسروں ہی کو راہ بتلانے میں وقت صرف ہوا۔ اب اپنا بھی تو جی چاہتا ہے کہ کچھ اللہ اللہ کروں اور یہ فراغ تو وہ نعمت ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایسا وقت تجویز فرمایا گیا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اب ضروری کام ہو چکے تسبیح وحمد واستغفار میں مشغول ہو کر یہاں آنے کی تیاری کرو۔ جب آپ کے لئے ایسے وقت کی ضرورت ہوئی تو دوسروں کی تو حقیقت کیا ہے کہ وہ اس سے مستغنی ہوں۔

(۳۷۹) تدابیر ماموربہا کا درجہ

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ لوگ مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک وہ بات ذرا سی ہوتی ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کے سوئی چبھو دی اس نے کہا آہ اس سے کہا جائے کہ کوئی چھری یا تلوار تھوڑا ہی ماری ہے جو اس قدر زور سے آہ کی تو کیا سوئی کے چبھنے سے تکلیف نہ ہو گی۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اغبیاء کی حرکتوں سے میرے دماغ پر تبخیر شروع ہو جاتی ہے اور اس کا قریب قریب روزانہ سابقہ پڑتا ہے اسی وجہ سے میں اغبیاء سے براہ راست خطاب نہیں کرتا۔ دوسرے شخص کے واسطہ سے کرتا ہوں۔ اس صورت میں مضمون کی تو پھر بھی گرانی ہوتی ہے مگر لب و لہجے کی گرانی سے بچ جاتا ہوں اس سے بھی ایک گونہ راحت ملتی ہے۔ لوگوں کی طبیعتیں اس قدر بھدی واقع ہوئی ہیں کہ تصوف بے حسی کا نام رکھا ہے۔

چاہتے یہ ہیں کہ ہم جو چاہے حرکتیں کریں سب پر دل سے راضی رہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے تابع رہے سو مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔ اس حالت میں جس کا جی چاہے مجھ سے تعلق رکھے یا نہ رکھے۔ میں آنے والوں کی غلامی نہیں کرسکتا۔ راز اس کا یہ ہے کہ لوگ محض برکت کے طالب بن کر آتے ہیں۔ اور زیارت کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اگر ایسی ہی برکت مطلوب ہے اور اس کا حاصل کرنا ہے تو فضول روپیہ اور وقت صرف کرتے ہیں۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ گھر بار کو چھوڑتے ہیں۔ گھر بیٹھے ہی قرآن شریف کی زیارت کرلیا کریں وہ بہت ہی زیادہ برکت کی چیز ہے کیا کہوں کیسا لوگوں میں بدفہمی کا مرض عام ہوگیا ہے۔ اگر برکت کافی ہوتی تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ برکت تھی کہ ابو طالب تو کیا وہ تو عاشق ہی تھے ابوجہل اور ابولہب بھی مسلمان ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ مراد برکت سے یہ برکت کافی نہیں جس کو لوگ آج کل برکت سمجھتے ہیں بلکہ تعلیم کی برکت مراد ہے کہ اس پر عمل کرنے سے جو اعمال کے انوار و آثار قلب میں پیدا ہوتے ہیں وہ حقیقی برکت ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ لوگ جو آج کل تصرف اور توجہ کے دلدادہ ہیں اور ان چیزوں کو کمال سمجھتے ہیں یہ بھی کوئی کمال کی چیز نہیں۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی توجہ اور تصرف ہوسکتا تھا اگر اس سے کام لیا جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر میں عالم کا عالم زیروزبر ہو جاتا اور دنیا میں ایک کافر بھی نظر نہ آتا سب کے سب مسلمان اور ایمان والے ہی ہوتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کوئی کام بدون اذن کے نہ کرتے تھے جس جگہ جس قوت کے استعمال کا حکم دیا وہاں حضور نے اسی قوت سے کام لیا۔ اسی سے تدابیر مامور بہا کا درجہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل طریق تدابیر ہیں ان کا استعمال بھی تربیت ہے اور لوگ اسی سے گھبراتے ہیں اور میں اسی کا اہتمام کرتا ہوں یہ وجہ ہے موافقت نہ ہونے کی۔ جیسے ایک رئیس نواکھالی کے یہاں پر آ کر رہے تھے کچھ دنوں قیام کر کے جب وطن واپس ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے یہاں کے حالات معلوم کرنا چاہے ان رئیس نے کہا کہ وہاں کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو مقدمہ بازی سیکھنا ہو وہاں چلا جاوے۔ یہاں پر بیچاروں نے تدابیر تربیت میں کچہری کا سارنگ دیکھا

وہ یہ کہ سوال اصول سے ہو جواب اصول سے ہو۔ بیٹھو اصول سے چلو اصول سے۔ کھڑے ہو اصول سے۔ بے اصولی پر مواخذہ ہوتے ہوئے۔ تاویلات پر جرح وقدح ہوتے ہوئے غرض ہر چیز کا انتظام اور ضابطہ دیکھا اس کو مقدمہ بازی سے تشبیہ دی کیونکہ ان کے خیال میں تو یہ جما ہوا تھا کہ بد انتظامی اور بے ڈھنگے پن کا نام بزرگی ہے اور اس کے ساتھ بزرگی کی ایک خاص وضع بھی لوگوں کے ذہنوں میں جمی ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ عمامہ باندھے ہو۔ چوغہ پہنے ہو۔ تسبیح ہاتھ میں ہو۔ رینٹ بہتی ہو۔ رال جاری ہو۔ مکھیاں بھنکتی ہوں۔ کپڑوں میں بدبو آتی ہو۔ آنکھیں بند ہوں۔ گردن جھکائے غوطہ میں گردوپیش سے بیخبر بیٹھا ہو کبھی کبھی گردن اٹھا کر کچھ ہانک دیا کرے کبھی ٹھکانے کی کبھی بے ٹھکانے کی جس سے معلوم ہو کہ حضرت کے رموز ہیں اسرار ہیں۔ بس بزرگی کی یہ گت بنی ہے کہ تمام بھنگڑ پنا بزرگی کے سر تھوپا گیا۔ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ سو یہ باتیں یہاں کہاں اول تو بزرگی ہی نہیں۔ ہم لوگ تو طالب علم ہیں جس کو یہ طرز پسند نہ ہو مت آ ؤ یہ تعلق نہ رکھو بلانے کون گیا تھا۔

(۳۸۰) معافی کا مفہوم

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بندہ خدا اب بھی باوجود اقرار غلطی کے تاویل ہی کئے چلے جا رہے ہو۔ سو میرا اس میں کیا ضرر ہے میں تو تمہارے ہی نفع کے لئے اپنا دماغ اور وقت صرف کر رہا ہوں۔ اگر تاویلیں کرتے ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ غلطی نہیں ہوئی تو پھر یہاں پر آنے ہی کی کونسی ضرورت تھی اپنے گھر بیٹھے رہے ہوتے۔ میں پھر رعایت کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ تم جو بار بار کہتے ہو کہ غلطی ہوئی غلطی ہوئی اس غلطی ہی کا منشا معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اچھا اسے بھی جانے دو تم طالب علم ہو یہ بتلاؤ غلطی کس کو کہتے ہیں اس پر کوئی جواب نہیں دیا حضرت والا نے فرمایا کہ میں دوسرے عنوان سے سوال کرتا ہوں کہ یہ سہو تھا یا عمد۔ عرض کیا کہ بدحواسی سبب ہوئی عمد نہ تھا بدحواسی کی وجہ سے خطاب نہ کر سکا فرمایا کہ بواسطہ گفتگو تھی براہ راست نہ تھی اس میں بدحواسی کیسے تسلیم کی جا سکتی ہے اور میں مواخذہ اس پر نہیں کر رہا ہوں کہ میرے حقوق ادا نہیں کئے بلکہ حاصل اس مواخذہ کا یہ ہے کہ میں تمہاری اصلاح نہیں کر سکتا اس لئے کہ یہ معلوم ہو گیا کہ تم کو مجھ سے مناسبت نہیں اور نفع کا مدار مناسبت پر ہے۔ دیکھو اسی عدم

مناسبت کے سبب حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا نباہ نہ ہوا اور حضرت خضر علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ ھذا فراق بینی وبینک۔عرض کیا کہ حضرت معاف فرمائیں۔فرمایا کہ تمہارے نزدیک نہ معلوم معافی کے معنی کیا ہیں۔میرے نزدیک تو معافی کے معنی عدم الانتقام ہیں۔سو میں معاف کر چکا۔اب راضی ہونا اور مناسبت ہونا جو نفع کے لئے شرائط اعظم سے ہے غیر اختیاری چیز ہے۔اور میں مزید رعایت کی بناء پر کہتا ہوں کہ مناسبت پیدا کرنا تمہارا کام ہے۔جب تم کو کام میں لگا دیکھوں گا راضی ہو جاؤں گا جاؤ اٹھو کام میں لگو۔

(۳۸۱) آج کل مناظرہ کا کمال

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل مناظروں میں چونکہ لوگ اصول مناظرہ کی رعایت نہیں کرتے۔میں اسی واسطے مناظرہ نہیں کرتا۔بے اصول باتوں سے طبیعت الجھتی ہے۔آج کل تو مناظرہ کا کمال یہ ہے کہ بولتا رہے ہیٹی نہ ہو اب چاہے وہ بولنا صحیح ہو یا غلط حق زبان سے نکلے یا باطل اس کی مطلقاً پروا نہیں کی جاتی۔

(۳۸۲) بدعتی اور غیر مقلد

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بدعتی زیادہ برے ہیں اور غیر مقلد غنیمت ہیں۔سو یہ من کل الوجوہ غلط ہے بلکہ بعض اعتبار سے غیر مقلد ہی زیادہ برے ہیں بدعتیوں سے اس لئے کہ بدعتی اجتہاد نہیں کرتے غیر مقلد اجتہاد کرتے ہیں اپنے کو مجتہد سمجھتے ہیں۔بدعتی تو بھنگڑوں کے معتقد۔مکاروں کے معتقد۔وہ بھلا امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیسے چھوڑ سکتے ہیں اور یہ بزرگان سلف کی شان میں گستاخی کریں سو یہ علی الاطلاق کیسے اچھے ہو سکتے ہیں۔بدگمانی بدزبانی ان کا شعار ہے۔بڑا ہی بیباک اور گستاخ فرقہ ہے جس کو چاہتے ہیں جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں۔

۴ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(۳۸۳) بےفکری کا منشاء

ایک صاحب کے خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس بےفکری کا منشاء اور مبنیٰ میں سمجھتا ہوں میں ان کی نبضیں خوب پہچانتا ہوں مجھ کو معلوم ہے کہ بےوقعتی اس کا سبب ہے اس ہی وجہ

سے مجھ کو اس قدر جلد تغیر ہو جاتا ہے۔ لوگ تو اس صادر ہونے والی بات کو دیکھتے ہیں۔ اور میں اس کے منشاء کو دیکھتا ہوں اس لئے ان کے نزدیک وہ بات ہلکی ہے اور میرے نزدیک بھاری ہے۔

(۳۸۴) نعم الٰھیہ پر اظہار تشکر

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت والا کی ذات اقدس سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت ہوئی اور تصانیف وغیرہ سے جو نفع پہنچا وہ احاطہ بیان سے باہر ہے حق تعالیٰ حضرت والا کی ذات مقدس کو مدت مدید تک ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ فرمایا کہ یہ آپ کی محبت کی بات ہے باقی میں کیا اور میری ہستی ہی کیا اور یہ جو کچھ بھی مجھ سے خدمت لے لی گئی یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں۔ ہاں اس نعمت پر شکر گذار ہوں کہ مجھ سے کام لے لیا گیا اور اس کو میں ان کا فضل سمجھتا ہوں۔ اور یہ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت اور ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے اس لئے کہ مجھ کو ہی اپنی حالت خوب معلوم ہے نہ علم ہے نہ عمل۔ ہاں اللہ کی مدد ہے۔

(۳۸۵) حضرت حکیم الامت رحؒ کا انگریزوں سے دوستی اور لاتعلقی کا اظہار

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہم انگریزوں کے نہ معتقد نہ محب اپنی مصلحت کی وجہ سے مخالفت مناسب نہیں سمجھتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم انگریزوں کے دوست نہیں اپنے دوست ہیں اور جہاں انگریزوں کو میرے متعلق یہ یقین ہے کہ ہماری کوئی مخالفت نہیں کرتا وہاں یہ بھی یقین ہے کہ کوئی تعلق بھی ہم سے نہیں رکھتا۔ اور تعلق رکھنے میں بڑے مفسدے بھی ہیں۔ تعلق رکھنا گویا آئندہ کے لئے امید دلانا ہے۔ بعض بدفہم بدعقل مسلمان مجھ کو بدنام کرتے ہیں کہ انگریزوں سے تعلق ہے۔ ارے عقل کے دشمنوں انگریزوں سے کیا تعلق ہوتا تم سے تعلق ہے۔ میں نے جو اپنا مسلک اور مشرب عدم مخالفت پر رکھا اس میں اپنی قوم کی حفاظت کی اپنے دین کی حفاظت کی کانپور میں مچھلی بازار کی مسجد پر فساد ہوا تھا۔ معزز مسلمانوں کے مشورہ سے ایک فیصلہ مرتب کیا گیا اس فیصلہ کے متعلق سرکاری طور پر میری رائے بھی معلوم کی گئی کہ اس فیصلہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے صاف لکھوا دیا کہ یہ فیصلہ مذہب اسلام کے خلاف ہے اس لئے میری رائے اس کے خلاف ہے۔ مگر اس کا الزام

ویسرائے پر نہیں بلکہ ان مسلمانوں پر الزام ہے جنہوں نے ویسرائے کو غلط مشورہ دیا اب مسلمانوں کو چاہئے کہ اس فیصلہ کی منسوخی کی درخواست کریں اگر درخواست منظور ہو جائے شکریہ کے ساتھ قبول کریں اور اگر منظور نہ ہو تو خاموشی کے ساتھ صبر کریں۔ جو انسپکٹر میری تحقیق رائے کے لئے آئے تھے کہنے لگے کہ فیصلہ کو غلط بتلانا بہت سخت بات ہے میں نے کہا کہ سخت ہوا کرے اس کے وہ ذمہ دار ہیں کیوں ہم سے رائے لی گئی۔ رائے تو وہی ظاہر کی جائے گی جو شریعت کا حکم ہے۔ مسئلہ تو اگر بادشاہ بھی پوچھے گا اس کا جواب بھی وہی دیا جائے گا جو شرعی حکم ہے۔ اور ان کی حکومت ہمارے ہاتھ پیروں پر ہے قلب پر حکومت نہیں حق کے واضح کرنے میں ان کی کوئی رعایت نہیں کر سکتے۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے خود سوال کیا رائے معلوم کی اس سے حق ان کے کانوں میں پڑ جائے گا۔ اب آگے وہ جانیں وہ ذمہ دار ہیں جو چاہے نافذ کریں تو صاحب ہم کو انگریزوں سے ایسا تعلق ہے اس پر بھی اگر کوئی بدفہم اور کوڑ مغز تعلق سمجھے اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں اور یہ معترضین خود ہنود کی خوشامدوں میں دین و ایمان کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں اس کی کچھ پروا نہیں۔

(۳۸۶) تعلق مع اللہ کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو کوئی داڑھی منڈا آئے یا بدعمل آئے میں اس کی کوشش کرتا ہوں کہ تعلق پیدا ہو پھر عمل کی توفیق ایک منٹ میں پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳۸۷) بیکار وقت کھونا بہت برا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بے کار وقت کا کھونا نہایت برا ہے اگر کچھ بھی کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے۔ گھر کے کام میں لگنے سے دل بھی بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے یہ مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں کسی کی حکایت کسی کی شکایت بعض مرتبہ غیبت تک نوبت آ جاتی ہے اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

(۳۸۸) عقل سے کام لینے کی ضرورت

ایک نووارد صاحب نے جو ایک روز قبل سے خانقاہ میں مقیم تھے مجلس میں آ کر بیٹھنے سے قبل

مصافحہ کیا حضرت والا نے فرمایا کہ غالباً آپ تو کل سے آئے ہوئے ہیں۔ عرض کیا جی دریافت فرمایا کہ پھر یہ مصافحہ اس وقت کیسا کیا اس لئے کہ آنے کے وقت مصافحہ کرنا چاہیے یا جانے کے وقت کیا آپ اس وقت جارہے ہیں۔ عرض کیا کہ اس وقت تو نہیں جارہا پھر مصافحہ کی وجہ اس وقت کیا ہے۔ عرض کیا کہ اور بعض حضرات نے بھی مصافحہ کیا اس خیال سے میں نے بھی کرلیا۔ فرمایا کہ یہ تو ابھی اس گاڑی سے آئے ہیں اور تم کل آئے ہو پھر یہ قیاس کیسا اور یہ کہنا کہ بعض نے کیا خود اس کا اقرار ہے کہ بعض نے نہیں کیا تو اس سے تو تم کو شبہ ہونا چاہیے تھا کہ بعض نے کیوں نہیں کیا اگر معلوم نہ تھا کسی سے معلوم کر لیتے آخر خدا نے عقل دی فہم دیا تو ان سے کام لینا چاہیے۔

۱۲ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(۳۸۹) ذرائع راحت رسانی کو سختی کہنا غلط ہے

ایک خط کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں کسی مقصود اور مصلحت میں خلل نہیں ڈالتا البتہ اس کا سہل طریق تجویز کر دیتا ہوں اس میں کونسی سختی کی بات ہے۔ مقصود ان کا حاصل ہو گیا۔ میں اذیت سے بچ گیا۔ جن صاحب کا یہ خط ہے انہوں نے مجھ کو بہت ستایا ہے۔ آخر میں میں نے یہ تجویز کی کہ تم مجھ سے مکاتبت مخاطبت مت کرو۔ انہوں نے درخواست کی کہ خیریت معلوم کر لینے اور دعاء کرانے کی اجازت دی جائے۔ میں نے لکھا کہ یہی مضمون لکھ کر مجھ سے منظور کرالو۔ میں اس پر دستخط کر دوں گا ہر خط کے ساتھ اس منظور شدہ مضمون کو بھیجا کرو۔ تا کہ مجھ کو معلوم ہو جایا کرے کہ اس سے زائد مضمون تو نہیں لکھا انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آج جو خط آیا ہے وہ پرچہ بھی ساتھ ہے۔ اب بتلایئے اس میں سختی کیا ہوئی۔ اب تو نری ہی نرمی ہے طرفین کو راحت ہے۔ بات یہ ہے کہ اصول پر عمل کرنے سے راحت پہنچتی ہے۔ تکلیف جب ہو گی بے اصولی بات سے ہو گی۔ راحت رسانی کے ذرائع کو سختی کہتے ہیں سو اس کا کسی کے پاس کیا علاج۔

(۳۹۰) آج کل کے مدعیان محبت کا حال

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ آج کل کے مدعیان محبت کی یہ حالت ہے کہ جہاں کسی دوسرے نے کچھ کہہ دیا اور مذبذب ہو گئے بھلا جس شخص سے محبت ہو اول تو اس کی

نسبت شبہ کا ہونا ہی مشکل ہے اور اگر ہو بھی تو محبت والا تو اس کو خود بخود دفع کر دیتا ہے اور اگر خود دفع نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے حل کر لیا جائے یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ جس کے متعلق شبہ ہو اس ہی سے سوال کیا جائے۔ اس خط میں مجھ پر ہی تو شبہ اور مجھ سے ہی سوال ہوا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام تو فرمائیں **وما ابری نفسی** اور میں کہوں **ابری نفسی** ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ خدا معلوم لوگوں سے فہم کہاں رخصت ہو گیا۔ اس زمانہ میں فہم کا تو قحط ہی نظر آتا ہے۔

(۳۹۱) چندہ معارفہ مایہ فساد ہے

ایک مولوی صاحب نے ایک مدرسہ دینی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ آج کل یہ حالت ہے کہ نہ تو لوگ خود کوئی دینی خدمت کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں بے اصل اور بے سروپا اعتراضات کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر مدرسہ کے حالات و واقعات اور امانت و دیانت کے ساتھ اس کی خدمات کو اپنا انجام دینا اور اس پر لوگوں کے اعتراضات کرنا خلاصہ کے طور پر بیان کیے۔ حضرت والا نے تمام واقعات بغور سن کر فرمایا کہ جو کچھ آپ نے واقعات بیان کیے ٹھیک ہیں۔ یہی حالت ہے آج کل مسلمانوں کی اس ہی لئے کسی کام میں کھڑے ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ اور مدرسہ کی کیا تخصیص ہے ہر اس کام کی جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہے یہی گت بن رہی ہے۔ اور مدارس پر جو خصوصیت سے اعتراضات ہوتے ہیں اس کا بڑا سبب چندہ متعارفہ ہے یہی مایہ فساد ہے۔ چنانچہ یہاں پر جو مدرسہ ہے بلکہ مدرسی کہنا چاہیے جب تک اس میں تحریک چندہ ترغیب چندہ کا معمول رہا یہی بلا نازل رہی۔ میں نے اس کو بالکل ہی حذف کر دیا۔ اب نہ تحریک ہے نہ ترغیب ہے جب سے بحمد اللہ امن ہے۔ اب رہا یہ خیال کہ پھر چلے گا کیسے اس کے متعلق سنئے۔ اپنا مذہب اور مشرب تو یہ ہے کہ جب تک چل رہا ہے چل رہا ہے جس روز نہ چلے گا بند کر دیں گے مگر مانگیں گے نہیں کیونکہ کوئی ہمارا ذاتی کام نہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ **ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم** اس کے بعد ان مولوی صاحب نے

اپنے متعلق حضرت والا سے مشورہ چاہا کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیے فرمایا کہ مجھ کو مقامی حالات معلوم نہیں اس لئے کوئی مشورہ تو دے نہیں سکتا اس کو تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں مگر ہاں ایک تجربہ کی بات عرض کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے اور نہایت ہی نافع اور موثر ہے کہ کسی چیز کے درپے نہ ہونا چاہئے اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے کہ اس قدر جو کاوش ہے اس میں اس کی کوئی ذاتی غرض ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں فریق بندی ہو جاتی ہے پھر کوئی کام نہیں ہوتا۔ ان ہی قصے جھگڑوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور توسع کر کے کہتا ہوں کہ یہ دو خرابیاں تو مسلمات سے ہیں۔ تیسری ایک اور بھی خرابی ہے وہ یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے۔ پھر جب بات کی پچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آ جاتی ہے پھر اس جدو جہد اور دوڑ دھوپ پر ثواب بھی نہیں ہوتا۔ اس پر لوگوں کی نظر ذرا کم جاتی ہے اور یہ ہے بھی باریک بات اس ہی لئے بحمد اللہ میں کسی کام کے درپے نہیں ہوتا اور حکم بھی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اما من استغنیٰ فانت له تصدیٰ وما علیک الا یزکی۔ یہ نہایت ہی بہترین طریق ہے کہ جس کام اور بات میں الجھن ہو ایک دم اس کو چھوڑ کر الگ ہو جائے اس کے پیچھے نہ پڑ جائے دین کے کسی اور کام میں مشغول ہو جائے۔ مسلمانوں کو کوئی خاص کام مقصود نہیں محض رضا مقصود ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ فرض و واجب نہ ہو اس لئے کہ فرض و واجب تو ہر حال میں ضروری ہیں۔ میں صرف ان کے متعلق عرض کر رہا ہوں کہ جو فرض و واجب نہیں ان میں کیوں اس قدر اپنے قلب کو مشغول کیا جائے۔ ایک ہی کی مشغولی قلب کے لئے کافی ہے۔ اور وہ حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور ہر کام سے مسلمان کا مقصود رضاء حق ہی ہے جو اس کو ہر وقت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ میں نے تجربات کی بناء پر ظاہر کر دیا۔ عمل کر کے دیکھئے ان شاء اللہ تعالیٰ راحت اور سکون نصیب ہوگا اور خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ کام بھی ہوگا۔

(۳۹۲) مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کس طرح ممکن ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل بے پردگی کی بڑی زہریلی ہوا چل

رہی ہے فرمایا کہ جی ہاں جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے۔ بڑے ناعاقبت اندیش لوگ ہیں علاوہ احکام کے غیرت بھی تو کوئی چیز ہے ان بددینوں میں دین تو ہے ہی نہیں مگر حیاء اور غیرت بھی رخصت ہوگئی بڑا ہی افسوس ہوتا ہے یہ سب نیچریت کے کرشمے ہیں۔ ایک شخص مجھ سے کہتے تھے کہ سلف میں اس قدر پردہ کے بارے میں سختی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ اس قدر ضرورت بھی نہ تھی۔ اب شرور اور فتن کا زمانہ ہے نفسانیت کا غلبہ ہے۔ فقہاء نے اس راز کو سمجھا انہوں نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کر دیا۔ یہ سب کچھ ان بددین لیڈروں کی بدولت احکام کی گت بن رہی ہے اور کتر بونت و تحریف ہو رہی ہے نہ معلوم دوسرے مسلمانوں کو کیا ہوا کہ آنکھیں بند کر کے انکے پیچھے دوڑے چلے جارہے ہیں کچھ خبر نہیں کہ یہ جاہل کنوئیں میں لیکر گریں گے یا کسی گڑھے میں لیجا کر پڑیں گے۔ باوجود تجربہ اور مشاہدہ کے پھر آنکھیں نہیں کھلتیں۔ پچاس برس سے زائد ہوگئے قوم کی ترقی کا گیت گاتے ہوئے۔ نتیجہ جو کچھ ہے اظہر من الشمس ہے کہ روز بروز تنزل ہی ہے دن بدن ابتری ہی پھیلتی جاتی ہے اگر اس کا نام ترقی ہے کہ خسر الدنیا والاخرۃ تو یہ ترقی واقعی مسلمانوں کو ان کی سعی و کوشش اور جدوجہد سے نصیب ہوگئی میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود صرف اللہ اور رسول کے احکام کے اتباع ہی میں ہے اور اتباع نہ ہونے سے یہ حالت ہو رہی ہے۔

ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام　　مشکل ایں است کہ ہر روز بتری بینم

(۳۹۳) خردماغ کا علاج اسپ دماغ کرسکتا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو پیٹ بھر کر بدنام ہوں ان آنے والوں ہی کی بدولت یہ بدنامی ہے اپنی حرکات کو تو مخفی رکھتے ہیں اور میری ڈانٹ ڈپٹ کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب یہاں پر آئے تھے۔ وہ ایک رئیس صاحب کا نام لے کر روایت کرتے تھے کہ آپ کے متعلق ان کی یہ رائے ہے کہ متکبر ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو اس سے بھی برا ہوں۔ مگر یہ سن کر مجھ کو از حد درجہ خوشی ہوئی۔ کہنے لگے اس میں خوش ہونے کی کونسی بات ہے۔ میں نے کہا تملق کی بدنامی سے تکبر کی بدنامی لذیذ ہے۔ ان خردماغوں کو یہ تو معلوم ہوگا کہ ہم ہی خردماغ نہیں بلکہ ملانے بھی اسپ دماغ ہیں۔

(۳۹۴) باب معاشرت کی تعلیم سے قرآن وحدیث پر ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص تابع ہو کر آئے اس کے ساتھ متبوع کا سا معاملہ کیا جائے میں تو اس میں بڑی ذلت سمجھتا ہوں۔ ایک اس میں یہ بھی خرابی ہے کہ اس صورت میں آنے والے کو کوئی نفع نہ ہوگا جس کے لئے اس نے اپنا وقت اور روپیہ صرف کیا ہے اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ باب معاشرت کو لوگوں نے دین کی فہرست سے خارج سمجھ رکھا ہے۔ محض نماز روزہ اور وظائف کو دین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ باب معاشرت کی تعلیم سے قرآن وحدیث پر ہیں۔ عوام کی تو کیا شکایت کی جائے علماء اور مشائخ اس بلا میں مبتلاء ہیں۔ میں ایک تنہا اس پر متنبہ کرتا ہوں مجھ ہی کو بدنام کیا جاتا ہے۔ مزاحاً فرمایا کہ تنبیہ میں ضرورت تھی تنہا کی (کئی تن مراد ہیں) جو باتیں لوگوں کی مجھ کو ناگوار ہوتی ہیں اگر وہی باتیں دوسروں کو پیش آئیں ان کو بھی ناگوار ہوں۔ اور پیش بھی آتی ہیں ناگوار بھی ہوتی ہیں مگر ان پر متنبہ نہ کرنے اور روک ٹوک نہ کرنے کی مصلحت یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہاں پر روک ٹوک کی گئی اور اس پر بددلی ہوئی تو نہ معلوم پھر کس بددین کے ہاتھ میں جا پھنسے اور اصل بات جو دل میں ہے اس کو ظاہر نہیں کرتے وہ میں ظاہر کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ ہماری جاہ میں قبولیت عامہ میں محبوبیت میں خلل آتا ہے لوگ بد اعتقاد ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جب آپ نے بھی اصلاح نہ کی تو تمہارے ہی ہاتھ میں پھنسے رہنے سے اس کو کیا فائدہ۔ جیسے کسی بدعتی کے ہاتھ میں جا کر خراب ہوتا تمہارے ہاتھ میں رہ کر بھی تو خراب ہی رہا۔ یہ اور بات ہے کہ دونوں خرابیوں کی نوع جدا ہو مگر اصلاح تو نہ ہوئی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص بلا وضوء کے نماز پڑھ رہا ہے اس کو کہا جائے کہ پڑھنے بھی دو پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہے۔ بہتر کہاں ہے وہ نماز ہی کب ہے کہ اس کا پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہو۔ سب نفسانی اغراض ہیں۔ ان کو دین کا جامہ پہنا کر اس عنوان سے ظاہر کیا جاتا ہے یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے۔

(۳۹۵) حضرت حکیم الامتؒ سے بچوں کا بے تکلف ہونا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت والا سے بچے بے خوف رہتے ہیں ذرا نہیں ڈرتے۔

فرمایا کہ میں ڈراتا بھی نہیں جب حق تعالیٰ ہی نے مکلّف نہیں بنایا بندے کیوں مکلّف بنائیں۔

(۳۹۶) آقا کو جھک کر سلام کرنا کیسا ہے

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک رئیس کے ملازم کا خط آیا ہے سوال کیا ہے کہ کیا آقا کو جھک کر سلام کرنا درست ہے۔اب اگر لکھتا ہوں کہ درست ہے تو جواب غلط ہے اور اگر لکھتا ہوں کہ نہیں تو آقا کو معلوم ہونے پر خیال ہوگا کہ ہمارے نوکر کو بے ادب بنایا۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ کیا وہ بے جھکے سلام کرنے سے ناراض ہوتے ہیں۔اب اگر وہ سوال کرے گا اور لکھے گا کہ ناراض ہوتے ہیں تب میں لکھوں گا کہ درست نہیں اس صورت میں آقا کو معلوم ہونے پر یہی خیال ہوگا کہ اس نے سوال ہی ایسا کیا ہے جس کا یہ جواب ہے۔میں اس قدران معاملات میں رعایتیں کرتا ہوں اور پھر مجھ کو بدنام کرتے ہیں۔

(۳۹۷) غلطی پر مواخذہ

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہاں تو یہ کہنا غضب ہے کہ اصلاح کی غرض سے آیا ہوں۔ویسے کوئی آئے اس کے ساتھ روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ نہیں کیا جاتا اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض طبیب کے پاس آئے اس نیت سے کہ میرا علاج کرو تو علاج تو علاج ہی کے طریق سے ہوگا۔میرے یہاں تو دوستوں سے شکایت ہوتی ہے ان کی حرکات سکنات پر پکڑ دھکڑ روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ محاسبہ معاقبہ ہوتا ہے اور مشائخ کے یہاں اس کا عکس ہے دوستوں کی تو رعایت کرتے ہیں اور دشمنوں پر دانت پیستے ہیں۔میں مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ دوستی کا برتاؤ کرتا ہوں ان کی کسی بات پر بھی مجھ کو نہ غصہ آتا ہے اور نہ رنج ہوتا ہے۔یہاں پر تو ہر بات اور جگہ سے جدا ہی ہے۔

(۳۹۸) ایک پیچیدہ سوال کا جواب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بات بڑی پیچیدہ ہوتی ہے لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہر بات کا جواب ذہن میں پیدا فرما دیتے ہیں کہیں گاڑی نہیں اٹکتی یہ سب اپنے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے لندن کے ایک انگریز نے سوال کیا تھا یہ مع اپنی اہلیہ کے مسلمان ہو

گیا تھا کہ ہم ہندوستان آنا چاہتے ہیں اور ہماری میم بھی ہمراہ ہوگی اور وہ پردہ نہ کرے گی کیا ہم کو ذلیل تو نہ سمجھا جاویگا۔ اب خیال یہ ہوا کہ شریعت میں تو بے پردگی کی اجازت نہیں اگر اجازت دی تو اس پر یہ خدشہ کہ اس کو سند بنا کر عام آزادی کی لہر نہ پھیل جائے اور اگر منع کیا جاتا ہے تو واجب لغیرہ پر جبر کا کیا حق ہے پھر شریعت پر تنگی کا شبہ ہوگا۔ اللہ نے مدد فرمائی اور دل میں یہ ڈالا کہ گو شریعت میں اجازت نہیں مگر علت کیا ہے وہ فتنہ ہے تو اتنا گہرا پردہ فتنہ کے سبب سے ہے اور یہ تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ مفتوح قوم فاتح قوم پر نظر بد نہیں کرسکتی جیسا کہ مشاہد ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ آپ کے لئے اجازت ہے جو قید ہے اس اجازت میں وہ اس قدر اہم اور سخت ہے کہ اس کا ہر شخص کو میسر آنا قریب محال کے ہے یعنی یہ کہ وہ قوم فاتح ہو یہ سوال اور جگہ جاتا تو نہ معلوم اس کی کیا گت بنتی لیکن وہ انگریز ہندوستان آیا نہیں۔

(۳۹۹) اپنے مقصود تعین کرنا اصولی بات ہے

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ اور بھی ایک صاحب کا خط اسی قسم کا آیا تھا اس میں بھی یہاں پر آنے کی اجازت چاہی تھی میں نے لکھ دیا تھا کہ آنے کی غرض سے اطلاع دو آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ تحصیل فوائد صحبت کے لئے آرہا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ فوائد صحبت سے تمہاری کیا مراد ہے یہ اس لئے کہ نہ معلوم ان کی اس سے مراد کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس سے جو مراد لے رہے ہیں وہ یہاں پر آکر حاصل نہ ہو اور روپیہ اور وقت صرف کر کے پچھتائیں۔ میں پہلے ہی سب معاملہ طے کر لیتا ہوں تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ ممکن ہے کہ وہ فوائد صحبت سے مراد کہیں یہ نہ لے رہے ہوں کہ جاتے ہی قطب یا غوث بن جاؤں گا یا لوٹ پوٹ ہو جاؤں گا اس لئے کہ آج کل ان ہی چیزوں کو بزرگوں کی فہرست میں داخل کر رکھا ہے۔ یہ کام کی بات ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہلے آدمی اپنے مقصود کا تعین کر لے اس کے بعد کام میں لگے یہ اصولی بات ہے اور آج کل اصل میں اصول ہی سے متوحش ہوتے ہیں۔ ایسا نہ کرنے سے پھر ساری عمر الجھن اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور اصول کے ماتحت کام کرنے سے شروع میں تو ایک درجہ میں الجھن ہوتی ہے مگر پھر ساری عمر راحت سے گذرتی ہے اور آدمی اپنے مقصود میں لگا رہتا ہے۔

(۴۰۰) خدشات کا پیدا ہونا کام میں لگنے کی دلیل ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آدمی کو کام میں لگنا چاہئے کام میں لگو اس قسم کے خدشات تو پیش آیا ہی کرتے ہیں اور یہ خود کام میں لگنے کی دلیل ہے کہ خدشات پیدا ہوئے جیسے مسافر کو منزل طے کرنے کی وجہ سے تکان ہوتا ہے۔ پنڈلیوں میں درد اور تلووں میں آبلے پڑ جاتے ہیں یہ خود دلیل سفر کرنے کی ہے۔ ارادہ اور ہمت سے کام لو نیت کو ٹھیک رکھو خلوص سے کام کرو حق تعالیٰ فرماتے ہیں **ربکم اعلم بما فی نفوسکم** ۔وہ کوتاہی پر زیادہ نظر نہیں فرماتے نیت کو دیکھتے ہیں اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

ما بروں را ننگریم وقال را　　ما دروں را بنگریم و حال را

اور سب کچھ اہل اللہ کی صحبت سے قلب میں پیدا ہوسکتا ہے ان کے پاس جا کر اپنا کچا چٹھا سناؤ پھر ان کا اتباع کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مردے کاملے پامال شو

۱۴ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(۴۰۱) دعا سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں بہت سے وظائف اور عملیات پڑھ چکا ہوں مگر کوئی نفع نہیں ہوا۔ میں قرض دار ہوں آپ ہی کوئی مجرب عمل بتلا دیجئے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اس قید (مجرب) کے ساتھ مجھ کو کوئی عمل معلوم نہیں اور فی نفسہ دعاء سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں اس پر فرمایا کہ یہ جو میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ وظائف اور عملیات کی تعلیم سے بعضے لوگوں کے عقائد خراب ہو جاتے ہیں یہ اس کا نمونہ ہے اب اگر اس شخص کو کوئی آیت وغیرہ بتلا دی جاتی اور قرض ادا نہ ہوتا تو اس کے عقیدے میں یہ بات پیدا ہو جاتی کہ آیات الٰہیہ میں بھی اثر نہیں اور یہ سب کچھ ان عاملوں کی بدولت ہوا۔

(۴۰۲) کج فہم آدمی کو تعویذ دینا مناسب نہیں

فرمایا کج فہم آدمی کو تعویذ وغیرہ نہ دیا جاوے اگر کوئی اثر ظاہر نہ ہوا سمجھتا ہے کہ اسماء الٰہیہ یا

کلام الٰہی میں بھی تاثیر نہیں۔ حالانکہ اس تاثیر کا نہ وعدہ کیا گیا ہے نہ دعوے اور اس سے بڑھ کر اگر اتفاق سے آیت یا حدیث سے کامیابی نہ ہوئی اور معمولی عملیات سے ہوگئی اس سے اور بھی عقیدہ میں فساد ہوگا کہ معمولی عملیات کو قرآن وحدیث سے زیادہ بابرکت سمجھے گا۔

(۴۰۳) مفارقت کی بناء عدم مناسبت ہے

ایک شخص کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میرا متنبہ کرنے سے انتقام لینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ تم کو مجھ سے اور مجھ کو تم سے مناسبت نہیں یہ اس لئے کہ نفع موقوف ہے مناسبت پر اور مناسبت ہے نہیں تو ایسوں کو یہاں آنے سے کیا فائدہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ کونسی معصیت کی تھی۔ عدم مناسبت ہی تو تھی جس پر خضر علیہ السلام نے کہا کہ ھذا فراق بینی وبینک تو اسی طرح میری اور آپ کی مفارقت کی بناء معصیت نہیں ہے بلکہ عدم مناسبت ہے بلکہ اگر معصیت ہو تو وہ استفادہ سے ایسی مانع نہیں اس لئے کہ اس کے ازالہ ہی کے لئے تو تعلق پیدا کیا جاتا ہے البتہ مانع عدم مناسبت ہے۔

(۴۰۴) سیدھی اور صاف بات کہنے کی ضرورت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مولوی صاحب یہ کہتے تھے کہ حضرت کو جلال بہت ہے اس وجہ سے لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ جی ہاں یہ تو مجھ کو حلال کریں اور میں جلال بھی نہ کروں۔ بات یہ ہے کہ شروع میں تو جمال ہی ہوتا ہے۔ سیدھا اور سہل سوال کرتا ہوں اس پر لوگ خود اینچ پینچ کر کے اس کو ٹیڑھا بنا لیتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ سیدھی اور صاف بات ہو۔ لوگوں کی عادت اس کے عکس ہوگئی۔ میں اس میں مجبور ہو جاتا ہوں۔ باقی یہاں نہ جمال ہے نہ جلال۔ دیہاتی اور صاف بات ہوتی ہے۔ اب چاہے اس کا نام جلال رکھ لیجئے اور چاہے جمال میری تو تحریر تقریر سب معاملات میں صاف اور کھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ علوم میں اگر ادق ہو وہ اور بات ہے۔

(۴۰۵) انتظام بڑی برکت کی چیز ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے جو واقعات بیان کئے واقعی انتظام

ایسی ہی چیز ہے۔ انتظام بڑی برکت کی چیز ہے خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اگر انتظام نہ ہو سلطنت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ دیکھ لیجئے ہندوستان میں کتنے زمانہ تک مسلمانوں کی سلطنت رہی لیکن زوال کا سبب بے فکری اور بدانتظامی ہی ہے اسی طرح جس گھر میں بدانتظامی ہوگی اس میں بھی برکت نہ ہوگی۔ اس وقت بھی مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب یہی دو چیزیں ہیں بے فکری اور بدانتظامی۔ بے فکری کے معنی ہیں کہ سوچے نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ اور بدانتظامی کے معنی ہیں کہ دیکھے نہیں کہ آمدنی کیا ہے اور خرچ کیا ہے بے سوچے خرچ کرے۔ انتظام کے معنی یہ ہیں کہ یہ سوچے کہ اگر میں خرچ نہ کروں گا تو اس میں کوئی ضرر ہے دینی یا دنیوی اگر ضرر ہے تب تو خرچ کرے ورنہ نہیں آج کل فضول خرچی کا نام رکھا ہے بلند حوصلگی۔ اس بلند حوصلگی کے نتائج سنئے کے اپنے مال سے گذر کر دوسروں کے مال پر نظر ہوتی ہے۔ قرض لیتے پھرتے ہیں۔ پھر نوبت یہاں تک آتی ہے کہ عادی ہو جانے کی وجہ سے اگر ویسے قرض نہیں ملتا تو سودی قرض لینا پڑتا ہے اس کا جو انجام ہے ہر شخص پر ظاہر ہے کہ دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنے والی چیز ہے۔

(۴۰۶) سودا ادھار لینے سے دنیا کا خسارہ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سودا ادھار لینے میں معصیت کا درجہ تو نہیں جبکہ اس میں سود نہ ہو مگر دنیا کا خسارہ تو ہے یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ادھار میں آٹھ آنہ کی چیز بارہ آنہ میں لیتے ہیں حتی الامکان اس سے بھی ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔ بعض لوگوں میں یہ مرض بھی ہوتا ہے کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے خانگی اشیاء ادھار خریدتے ہیں۔

(۴۰۷) اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور بڑی نعمت ہے کہ قلب میں تشویش نہیں غصہ تو ہے مگر تشویش سے قلب خالی ہے۔ غصہ کا یہ ہے کہ آیا اور ختم ہو گیا قلب فارغ ہو جاتا ہے میں اس کو حق تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔

(۴۰۸) فطری چیزیں

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آدمی بن کر کسی کے پاس جانا چاہیے

یہ بیلوں کی طرح آ گھسنا کونسی انسانیت ہے۔ یہ باتیں تو محتاج تعلیم نہیں یہ تو فطری چیزیں ہیں جس کے پاس جائے یا جس سے کام لے اس کے تابع رہ کر کام کرے اور جب تک بے تکلفی نہ ہو جائے زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہئے اور اس کے خلاف پر یہاں تنبیہ کی جاتی ہے تو بداخلاق مشہور کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ مصلح تو کبھی صاحب اخلاق مشہور ہو ہی نہیں سکتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے منکر نکیر عالم برزخ میں آ کر سوال کرتے ہیں تو ان کے متعلق مردوں کی دو طرح کی رائے ہوتی ہے ایک مردہ تو کہے گا کہ بڑے رحیم و کریم ہیں۔ صاحب اخلاق ہیں نرم ہیں۔ ایک کہے گا کہ بڑے سخت ہیں۔ بڑی کڑک کا مواخذہ محاسبہ معاقبہ کرتے ہیں مگر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ ایسے ہیں جیسا ان کے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہاں پر سمجھ لیا جاوے کہ جو جیسا برتاؤ کرتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔

(۴۰۹) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خانگی معاملات اظہر من الشّمس ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جتنے پیشوا گذرے ہیں بجز انبیاء علیہم السلام کے اور بجز ان کے سچے جانشینوں کے ان کے خانگی حالات اور ہیں اور بیرونی حالات اور ہیں اور سچے ہر حالت میں یکساں ہیں خصوصاً ہمارے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کے تو خانگی معاملات اظہر من الشّمس ہیں بلکہ بقول بعض محققین کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی واسطے اتنی بیبیاں کیں کہ امت پر آپ کے خانگی افعال سے ایسے احکام کھلیں جن کا تعلق خانگی معاملات سے ہے اور کثرت ازواج سے شہوت پرستی نفس پرستی مقصود نہ تھی اور یہ دعوے اس سے نہایت واضح طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اول نکاح ایسی بڑھیا سے ہوا کہ اگر ان کی پہلی اولاد زندہ ہوتی تو عمر کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت پچیس برس کی تھی اور ان کی چالیس برس کی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تمام قریش آپ کو حسین سے حسین لڑکیاں دینے کو موجود تھے آپ نے انکار فرما دیا کیا شہوت پرست اور نفس پرست ایسے موقع کو جانے دے سکتا ہے۔ کفار کی صرف شرط یہ تھی کہ آپ کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی دعوت کو چھوڑ دیں۔ پھر ہر طرح پر ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ جان مال آبرو سب آپ پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے

ایک ہاتھ میں چاند ہو اور ایک میں سورج تب بھی میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے کی تو علاوہ اور کمالات کے ایک یہی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے خانگی حالات کا بھی اخفاء نہیں کیا اور کبھی کوئی بناوٹ نہیں کی۔

(۴۱۰) میلان حسن کو دبانا اصل کمال ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر حسن کی طرف میلان نہ ہو تو یہ بڑا کمال ہے فرمایا کہ جی نہیں یہ تو کوئی کمال کی بات نہیں کمال تو یہ ہے کہ میلان ہو اور پھر اس کو دبایا جاوے اور اگر میلان نہ ہو تو تقویٰ کا نور کیسے پیدا ہو تقوے کی ہنڈیا تو اس ہی سے تیار ہوتی ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است　　　　که از وحمام تقوے روشن است

اور اگر میلان ہی نہ ہو تو بے حسی ہے جیسے دیوار۔

(۴۱۱) غیبت متعین شخص کی ہوتی ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض حکایات یا مقولے ضرب المثل کے طور پر کسی قوم کے متعلق مشہور ہوں ان کا بیان کرنا غیبت میں تو داخل نہیں۔ فرمایا کہ فقہاء نے اور امام غزالی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ قوم کی غیبت نہیں ہوا کرتی اس لئے کہ غیبت متعین کی ہوتی ہے غیر معین کی نہیں ہوتی۔

(۴۱۲) آج کل ضعف دین کی حالت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو ضعف دین کی یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی حادثہ پیش آیا وہ ارضی ہو یا سماوی پریشان ہو جاتے ہیں اس کے اجر اور ثواب سب کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیکھا کہ ان کو کس قدر مصائب اور آلام کا سامنا ہوا۔ کفار عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں کیا کچھ کسر چھوڑ ی۔ غرض انبیاء اور اولیاء پر سخت کلفتیں آئیں مگر وہ اس سے گھبراتے نہیں وجہ یہ کہ جہاں اس مصیبت اور تکلیف پر نظر ہوتی ہے وہاں وہ حضرات یہ بھی دیکھتے ہیں کہ نازل کرنے والا کون ہے اور جب دیکھتے ہیں

کہ وہ اس ذات کی طرف سے ہے تو بزبان حال کہتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود برجان من | دل فدائے یاردل رنجان من

نیز بزبان حال یوں بھی کہتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت | سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(۴۱۳) بزرگان سلف پر اعتراض خطرناک ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ زمانہ سلف میں کتب زیادہ نہ تھیں لیکن علوم زیادہ تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب زمانہ کی وجہ سے برکت زائد تھی خیر کا غلبہ تھا حافظے قوی تھے۔ نور ایمان بڑھا ہوا تھا۔ نیز علوم میں برکت اور ترقی تقوے سے بھی ہوتی ہے اور اس زمانہ میں کتب زیادہ ہیں مگر نہ وہ علوم ہیں نہ وہ فنون نہ وہ برکت بلکہ اب تو اکثر جہل کا نام علم رکھ لیا گیا ہے۔ اور جہل ہی کے سبب سے تو یہ ہوگیا ہے کہ متقدمین اور اکابر پر ہر شخص اعتراض کرنے کو تیار ہے۔ یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ ان حضرات نے کیا کیا ہے۔ اس بے ادبی کی وجہ سے علوم میں اور بھی روز بروز برکت کم ہوتی جاتی ہے۔ اکابر اور بزرگان سلف پر بدنیتی سے اعتراض کرنا بڑی خطرناک بات ہے یہ میں نے اس لئے کہا کہ نیک نیتی سے اگر اختلاف کا درجہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ایسا اختلاف تو ہر زمانہ میں ہوتا ہوا آیا ہے۔

(۴۱۴) حضرات انبیاء علیہم السلام، صحابہ اور اولیاء پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شانیں مختلف ہیں اسی طرح صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اور اولیاء اللہ کی شانیں مختلف ہیں کسی کو حق نہیں کہ کسی پر اعتراض کرے بلکہ غیر محقق کو تو مشتبہ لوگوں پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہئے گو ان سے تعلق بھی نہ رکھنا چاہیے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں ایک مولوی صاحب نے جو میرے رفیق سفر تھے یہاں کے (یعنی ہندوستان کے) بعضے ایسے متعدد لوگوں کی شکایت کی جن کو جہلاء درویش اور کافر سمجھتے تھے حضرت نے ان کی حالت کی تاویلیں کر کے سب کو کفر سے بری کر دیا۔ باقی جنکی حالت مشتبہ نہیں محض اختلاف الوان ہے تو اعتراض محض جہل

ہے۔ جیسے انبیاء کا حق ہے **لا نفرق بین احد من رسلہ** اسی طرح اولیاء کا حق ہے **لا نفرق بین احد من اولیاءہ** اور یہ شانوں کے مختلف ہونے کا منشاء بعض اوقات رائی کی استعداد کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ جیسے عینکیں مختلف رنگ کی ہوتی ہیں اس سے مبرءی کے رنگ میں شبہ ہوتا ہے یا شیشوں کے اختلاف سے صورتیں مختلف نظر آنے لگتی ہیں کسی میں چہرہ لمبا کسی میں چوڑا کسی میں بھدہ کسی میں خوبصورت حالانکہ صورت ایک ہی قسم کی ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر جماعت مجھ کو اپنا ہم رنگ سمجھتی ہے مگر میں کسی کا ہم رنگ نہیں اپنے ہی خاص رنگ پر ہوں اور اس کی ایک مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ پانی تو اپنے ہی رنگ پر ہوتا ہے مگر جس قسم کی بوتل میں بھر دیا جائے ویسا ہی رنگ نظر آنے لگتا ہے عجیب مثال ہے میں اس پر یہ پڑھا کرتا ہوں۔

ہر کسے ازظن خود شد یارمن وز درون من نجست اسرار من

(۴۱۵) آجکل لوگوں کے اعتراض کا سبب اپنی اغراض ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کی عجیب حالت ہے کوئی بات بھی تو ڈھنگ کی نہیں نہ اعمال ٹھیک نہ اقوال درست نہ اعتقاد کا اعتبار نہ محبت کا بھروسہ۔ بھلا یہ کیا اعتقاد ہے کہ اپنی مرضی کے موافق کوئی بات ہوگئی خوش ہوگئے اعتقاد بکھارنے لگے اگر خلاف ہوگئی تو اعتقاد جاتا رہا کیا یہ اعتقاد ہوا۔ محض الفاظ اعتقاد کے یاد کر لئے ہیں اور زبانی محبت کا دعویٰ کرنا سیکھ لیا ہے مگر ان چیزوں کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو عشق تھا۔ بعضے لوگ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شکایتیں کیا کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میرے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ لوگ تمہاری شکایتیں مجھ تک پہنچاتے ہیں مگر تم بالکل بے فکر رہو مجھ پر کوئی اثر شکایات کا نہیں ہوتا اس لئے کہ مجھ کو تم سے حب فی اللہ ہے سو جیسے اللہ کو بقا ہے حب فی اللہ کو بھی بقا ہے۔ اس کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔ آج کل لوگوں کے اعتقاد کا مدار حب فی اللہ نہیں ہے بلکہ اپنے اغراض ہیں جب تک اغراض پوری ہوتی رہیں دوستی ہے ورنہ ختم۔ ایک بزرگ کی حکایت سنی کہ ان کے پیر کسی بات پر ان

سے ناراض ہوگئے ہر ممکن ذریعہ سے کوشش معافی کی معاف نہیں کیا خانقاہ سے نکال دیا چلے گئے اب ان کو اس کی فکر ہوئی کہ شیخ کسی چیز سے خوش بھی ہوتے ہیں اور کسی بات کا شوق بھی ہے اسی کو ذریعہ بناؤں معلوم ہوا کہ شیخ کو بندر کا کھیل بہت پسند ہے اس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور واقعی بندر کی حرکتیں ہوتی بھی ہیں بہت دلکش بندر یا روٹھتی ہے بندر مناتا ہے اور نہ معلوم کیا کیا خرافات ہوتی ہیں۔ غرض یہ شخص جنگل پہنچے بندر کے بچے پکڑے ان کو پرورش کیا پھر کسی قلندر سے ان کا نچانا سیکھا۔ جب مہارت ہوگئی شیخ کی خدمت میں پہنچے اور درخواست کی کہ بندر کا تماشہ دکھاؤں شیخ نے اجازت دی اور بہت خوش ہوئے اور کچھ انعام دینے کا حکم دیا انہوں نے عرض کیا کہ میں کچھ نہ لونگا یہ تماشہ محض حضور کے خوش کرنے کو دکھایا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم نے ہم کو خوش کیا ہم تم کو خوش کرنا چاہتے ہیں کچھ اور مانگو۔ عرض کیا کہ اگر مانگوں گا تو حضور دیں گے فرمایا کہ اگر ہماری قدرت میں ہوا تو ضرور دیں گے عرض کیا کہ قدرت میں ہے واللہ آپ کی قدرت میں ہے مگر حضور وعدہ فرمالیں شیخ نے وعدہ فرمالیا۔ عرض کیا کہ میں فلاں شخص ہوں جس کو خانقاہ سے حضور نے ناراض ہو کر نکال دیا تھا اللہ کے واسطے میری خطاء معاف کر دیجئے اور مجھ کو خدمت میں رہنے کی اجازت فرمادیجئے شیخ نے سینے سے لگا لیا اور معاف کر دیا اور خانقاہ میں رہنے کی اجازت فرمادی یہ بندروں کو لیجا کر جنگل میں چھوڑ آئے۔ یہ حکایت فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ وہی کر سکتا ہے کہ جس کو کچھ ملا ہو اور پھر اس میں کمی محسوس ہو اس کی تو یہ حالت ہوگی جس کو فرماتے ہیں۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود   گر زباغ دل خلالے کم بود

(۴۱۶) کسی مصلح سے تعلق سے قبل اس کی دیکھ بھال کی ضرورت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کسی مصلح سے تعلق تو پیدا کرنا ضرور چاہئے لیکن تعلق پیدا کرنے سے قبل دیکھ بھال کر لینے کی سخت ضرورت ہے ویسے ہی کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہئے اس راہ میں ہزاروں راہزن اور ڈاکو پھرتے ہیں جنہوں نے مخلوق کی گمراہی کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ صورت درویشی کی اختیار کر رکھی ہے اور حقیقت میں بہروپیہ ہیں۔ خدا معلوم لوگ ایسوں کے کیوں معتقد ہو جاتے ہیں عجیب بات ہے کہ جو جتنا شریعت سے

دور ہواس کو درویش اور مقبول سمجھتے ہیں کوئی معیار ہی درویشی کا نہیں صرف چند اختراعی چیزوں کا نام درویشی رکھ لیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی سب کو مکار بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ بعض غلطی میں مبتلاء ہوتے ہیں ان کی نیت بری نہیں ہوتی مگر تعلق سے ان کے بھی روکا جائے گا اور اس کی دو وجہ ہیں ایک تو یہ کہ وہ خود غلطی میں مبتلا ہے دوسروں کی کیا رہبری کر سکتا ہے دوسرے یہ کہ اس سے عوام کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہے خصوصاً اگر تعلق رکھنے والا صاحب علم ہو اس سے انتظام شریعت میں خلل واقع ہوگا اور یہ جو کچھ بھی روک ٹوک کی جاتی ہے شریعت مقدسہ ہی کی حفاظت کے لئے تو کی جاتی ہے ورنہ کس کو علم ہے کہ کون مردود ہے اور کون مقبول۔

(۴۱۷) بسا اوقات صورت کا بھی اثر ہوتا ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بسا اوقات صورت کا بھی اثر ہوتا ہے اچھی کا بھی بری کا بھی۔ اس کے متعلق بزرگوں نے ایک عجیب مسئلہ لکھا ہے وہ یہ کہ جو شخص صوفیوں کی صورت اختیار کرے خواہ ریاء سے ہو یا مکاری سے ہو اس کی بھی تحقیر نہ کرو اس لئے کہ آدمی صورت اسی کی اختیار کرتا ہے جس کی عظمت اور احترام قلب میں ہوتا ہے۔ سو یہ نقل کرنا اس کی تو دلیل ہوگئی کہ اس کے دل میں اس جماعت کی عظمت ہے اور اس سے نیچریوں کے شبہ کا جواب بھی نکل آیا وہ جو حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم** میں اشکال کیا کرتے ہیں کیونکہ اگر ان کے قلب میں اہل باطل کی عظمت اور احترام نہ ہوتا تو ان کے ساتھ تشبہ نہ کرتے۔

(۴۱۸) مقصود کو متعین کرنے کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جہلاء صوفیاء نے حقائق کو مٹا ہی دیا۔ رسوم کا اسقدر غلبہ ہے کہ حقیقت تو بالکل ہی مستور ہوگئی۔ ایک صاحب یہاں پر آنا چاہتے تھے اس کی اجازت چاہی میں نے لکھا کہ کس نیت اور غرض سے آنا چاہتے ہو پہلے اس کو طے کرلو اس کی سخت ضرورت ہے کہ پہلے آدمی اپنے مقصود کو متعین کرلے اس کے بعد کام میں لگے طریق سے کام کرنے میں آدمی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے اور بے ڈھنگے پن سے ساری عمر بھی اگر خرچ کردے تو مقصود کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

۱۵ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم چہار شنبہ

(۴۱۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل دنیا دار لوگ علماء کو حریص اور طامع سمجھتے ہیں اس لئے ان کے دل میں علماء کی وقعت اور عظمت نہیں رہی اور بعض اہل علم بھی ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں جن سے ان کی بے وقعتی اور بے عظمتی ہوتی ہے۔ میں جب اہل علم کے متعلق ایسی باتیں اور واقعات سنتا ہوں بڑی غیرت آتی ہے۔ میں ضلع اعظم گڑھ گیا ہوا تھا ایک شخص مجھ کو اپنے گھر لے گئے وہاں پر کچھ نذر پیش کی میں نے کہا کہ گھر پر لا کر دینے میں دوسرے غرباء کی اپنے یہاں لے جانے کی ہمت نہ ہوگی یہی خیال ہوگا کہ ہم کیا دیدیں گے۔ میں جہاں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں آ کر دو پھر مجھ کو اختیار ہوگا کہ میں لوں یا نہ لوں۔ باقی گھر پر لا کر دینے میں تو دوسرے کو ذلیل کرنا ہے۔ اس پر وہ صاحب خفا ہو گئے اور اپنے مجمع میں یہ کہا کہ میاں یہ بھی ایک تدبیر ہے کمانے کی یہ اغنیاء اکثر اغبیاء ہوتے ہیں یہ سن کر مجھ کو ہنسی آئی کہ یہ بھی کمانے کی تدبیر ہے۔ میں نے کہا کہ اگر تدبیر بھی ہے تو موذی تدبیر تو نہیں ایسی تدبیر ہے کہ جس سے دوسروں کو راحت ہو اور اپنی آمدنی میں بھی کمی نہ آوے۔ زیادہ خفگی کا سبب ایسے موقع پر یہ ہوتا ہے کہ دو چار آدمیوں میں اپنی بات گر گئی ہیٹی ہوئی اور حماقت ثابت ہوئی سو یہ سب ناشی ہے تکبر سے۔

(۴۲۰) گول بات لکھنے والے کو تعلیم

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے ایک کارڈ خدمت والا میں روانہ کیا تھا جس میں وصول الی اللہ کی تعلیم کے لئے اور حضرت والا سے بیعت کی درخواست تھی اس کا جواب ہی نہیں ملا۔ میں نے جواب میں لکھا ہے کہ جواب ہی نہیں ملا یا مرضی کے موافق نہیں ملا۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مجھ کو بیحد افسوس ہے میں نے لکھا ہے کہ اپنی حالت پر یا میری حالت پر۔ اس پر فرمایا کہ اس میں بھی تعلیم ہی مقصود ہے خدانخواستہ مواخذہ مقصود نہیں تا کہ گول بات لکھنے سے ہمیشہ اجتناب رکھیں۔

(۴۲۱) تعبیر خواب نہ بتلانے میں حکمت

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے جس میں بڑا لمبا چوڑا خواب لکھا ہے اب یہاں سے جواب یہ جائے گا کہ مجھ کو تعبیر سے مناسبت نہیں اس پر خفا ہوں گے کہ دو یا اڑھائی آنے بھی کھوئے اس پر فرمایا کہ رکھا کیا ہے خواب میں بیداری کی باتیں پوچھنا چاہئے اور گو الحمدللہ خواب کی تعبیر سے ایک گونہ مناسبت بھی ہے مگر ان کو تعبیر دینے میں خرابی یہ ہے کہ گویا ان کو ان

قصوں میں مشغول رکھنا ہے پھر ہمیشہ خواب ہی لکھا کریں گے یہ خرابی ہے تعبیر دینے میں اور تعبیر نہ دینے میں ان کو اس جہل سے نکالنا ہے ان باتوں پر لوگ مجھ سے خفاء ہوتے ہیں اور بد اخلاق مشہور کرتے ہیں اس میں کونسی بداخلاقی کی بات ہے کچھ نہیں مذاق ہی لوگوں کا بگڑ گیا۔

(۴۲۲) حضرت شیخ الہندؒ کا شوق شہادت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ صحابہ کی تمام جدو جہد اور دوڑ دھوپ ملک کبیر کے واسطے تھی اسی کے لئے تھا جو کچھ بھی تھا جس کی شان میں ارشاد ہے **واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا** اس ملک حقیر کے واسطے کچھ نہ تھا اور صحابہ کی تو بہت بڑی شان ہے اولیاء سب ایسے ہی گذرے ہیں دور کیوں جایئے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندی رحمتہ اللہ علیہ ہی کو دیکھ لیجئے۔ فلاں مولوی صاحب راوی ہیں وہ اس وقت وہاں پر موجود تھے اپنے کانوں کی سنی ہوئی اور آنکھوں کی دیکھی ہوئی بات بیان کرتے تھے کہ جس وقت حضرت مولانا مالٹا سے تشریف لائے تو بمبئی کی بندرگاہ پر استقبالی گروہ بہت زیادہ تعداد میں تھا۔ حضرت مولانا دیو بندی رحمتہ اللہ علیہ اور وہ مولوی صاحب ایک موٹر میں تھے اور بعض مسلمان لیڈر بھی موجود تھے۔ جس وقت حضرت مولانا کا موٹر چلا تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ اس کے بعد گاندھی کی جے مولوی محمود حسن صاحب کی جے کے نعرے بلند ہوئے حضرت مولانا نے شوکت علی کا دامن پکڑ کر فرمایا یہ کیا اس پر شوکت علی نے کوئی خیال نہیں کیا تو حضرت مولانا نے دوبارہ سختی کے ساتھ فرمایا کہ اس کو بند کرو اس پر شوکت علی نے عرض کیا کہ حضرت جے کے معنی فتح کے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو رام رام کہا کرو اس لئے کہ رام رام کے معنی اللہ کے ہیں اور حضرت نے پھر فرمایا کہ کچھ بھی ہو شعار کفر ہے اسی طرح حضرت مولانا نے دیو بند اور قرب و جوار دیو بند میں اپنے اہتمام سے گائے کی قربانیاں کرائیں۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے یہ جذبات تھے۔ ان کے اتباع کے دعویٰ کرنے والے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ اب جو مولانا کی محبت کے مدعی ہیں وہ شریعت کو تو چھوڑ بیٹھے نرا جوش ہے کیا اس کو اتباع کہیں گے خود ہی فیصلہ کر لیں حضرت مولانا دیو بندی رحمتہ اللہ علیہ کی حالت اور جذبات کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں چہ نسبت خاک را با عالم پاک اسی کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کار پاکاں راقیاس ازخود مگیر　　　گرچہ ماندر نوشتن شیر وشیر

ایک مرتبہ کوئی صاحب دیوبند میں مہمان ہوئے تو یہ مہمان اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے فلاں مولوی صاحب نے حضرت مولانا دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت یہ جگہ آپ کی قبر کے لئے مناسب ہے فرمایا کہ یہ تمہاری محبت کی بات ہے باقی میرا جی تو نہیں چاہتا عرض کیا کہ اور کہاں چاہتا ہے۔ یہاں تو آپ کے شیخ اور استاد پھر بھی جی نہیں چاہتا۔ فرمایا کہ میدان معرکہ ہو جہاد ہوتا ہو۔ سر کہیں ہو پیر کہیں ہوں ہاتھ کہیں ہو دھڑ کہیں ہو۔ قبر کہیں بھی نہ ہو۔ حضرت مولانا کے تو یہ جذبات تھے ان کی کیا کوئی حرص کر سکتا ہے۔

(۴۲۳) حضرت حکیم الامتؒ کی مسلمانوں کو ایک نصیحت

ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بڑا عیب جو میرے اندر لوگوں کو معلوم ہوا وہ میری صفائی ہے۔ میں فخر کی راہ سے بیان نہیں کرتا بلکہ خدا کی ایک نعمت کا اظہار کرتا ہوں کہ میری وجہ سے کوئی دھوکہ میں نہیں پڑ سکتا۔ ہر بات میری بحمد اللہ صاف ہوتی ہے۔ یہی دوسروں سے چاہتا ہوں کہ ہر بات صاف رکھو ذرہ برابر دوسرے کو دھوکہ نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنی جماعت کے لوگوں سے خصوصاً اور دوسرے لوگوں سے عموماً یہ چاہتا ہوں کہ اپنے اپنے کام میں لگے رہو اور طریقہ اور ڈھنگ سے لگے رہو دوسروں کے کاموں میں اور معاملات میں دخیل مت بنو اس باب میں مسلمان کا یہ مذہب ہونا چاہیے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد　　　کسے رابا کسے کارے نباشد

(۴۲۴) شہرت کی دو صورتیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شہرت کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اختیار اور طلب سے حاصل ہو یہ تو مضر ہے اور ایک یہ کہ غیر اختیاری ہو وہ نعمت ہے بلکہ اس غیر اختیاری شہرت میں خاص حکمتیں ہوتی ہیں اس لئے یہ شہرت گمنامی سے بھی افضل ہو گی اور عموماً اللہ کے بندے گمنام ہونا چاہتے ہیں اور اپنے کو مٹاتے اور فنا کرتے رہتے ہیں مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اور زیادہ مشہور ہوتے رہتے ہیں باقی فی نفسہ مشہور پر مخلوق کا حسد اور طعن و غصہ بھڑکتا ہے اور اس طرح برستا ہے جیسے مشک کے دہانہ سے پانی گرتا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

چشمہاؤ خشمہا ور شکلہا برسرت ریزد چو آب از مشکہا

اور گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے سو جہاں تک ہوسکے شہرت سے بچنے کی تدابیر کرتا رہے اس پر بھی اگر شہرت ہوتو ہو۔ ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم پنج شنبہ

(۴۲۵) ہدیہ کی شرائط

ایک نو وارد صاحب نے بطور ہدیہ ایک جانماز حضرت والا کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ میں اول ملاقات میں ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔ نیز اس شخص کا ہدیہ بھی جس سے بے تکلفی نہ ہو۔ عرض کیا کہ میں حکم خدا سے لایا ہوں مجھ کو حکم ہوا ہے کہ جانماز خرید کر لیجاؤ اور پیش کردو۔ فرمایا کہ خدا کا حکم نبیوں کے پاس آتا ہے غیر نبی کے پاس حکم نہیں آتا۔ عرض کیا کہ دل میں ڈال دیا گیا۔ فرمایا کہ میرے دل میں یہ ڈالا گیا ہے کہ بے طریقہ مت لو۔

عرض کیا کہ طریقہ بتلا دیجئے۔ فرمایا کہ مجھ کو ہی ہدیہ دو اور مجھ سے ہی طریقہ پوچھو۔ شرم نہیں آتی۔ تم کو تو شرم نہیں کیا مجھ کو بھی بے شرم اور بے غیرت بنانا چاہتے ہو۔ جاؤ باہر اور کسی سے طریقہ پوچھو اٹھو یہاں سے۔ وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت والا نے اہل مجلس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس منظر کو دیکھ کر فیصلہ کیجئے کہ صریح مسلک کو ظاہر کر دینے پر بھی مخالفت کرتے ہیں۔ آخر کہاں تک تغیر نہ ہو اگر اخلاق کے یہی معنی ہیں تو دنیا میں صرف ایک ہی فرقہ اخلاق والا ہے اور وہ غلاموں کا فرقہ ہے اصول تو دنیا میں رہے ہی نہیں نرا دصول رہ گیا۔ یعنی نذرانوں کا مجھ کو اس کی شکایت نہیں کہ انہوں نے ہدیہ پیش کیوں کیا اس لئے کہ نو وارد ہیں یہاں کے اصول اور معمولات سے ناواقف ہیں شکایت اس کی ہے کہ بتلانے پر بھی مخالفت اور بے ڈھنگی اور بے تکی باتیں ہانکے چلے جاتے ہیں۔ میں ہدیہ کے اصول بتاتا ہوں وہ اپنے الہامات کو بیان کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ چیز کہ جس کی بدولت میں بدنام کیا جاتا ہوں کہ سخت ہے میری سختی اور ان کی نرمی اس واقعہ میں ملاحظہ ہو۔ اب یہ یہاں سے جا کر ادھوری اور ناتمام بات بیان کریں گے اور یہ کہیں گے کہ میں کچھ دیتا تھا لیا نہیں اور خفا ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ جو اشعار اسلام ہیں اور اعظم الشعائر ہیں مثلاً نماز ہے روزہ ہے ان کی بھی شرائط ہیں۔ کیا لینے کی کوئی شرط نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ میں فلاں فلاں قبائل کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا یہ اعلان حضور نے کیوں فرمایا۔ اگر لینے میں کوئی شرط نہ تھی موٹی بات ہے کہ میری کوئی نوکری نہیں۔ جائیداد نہیں یہی ذریعہ آمدنی کا ہے۔ پھر اس پر بھی میرا بعض چیز نہ لینا صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ

اس میں کوئی بہت بڑی مصلحت ہوگی جس کی وجہ سے اپنی آمدنی میں کھنڈت ڈالتا ہوں۔ خدانخواستہ میں پاگل تھوڑا ہی ہوں۔ ایک وجہ تو اس وقت ہی ظاہر کئے دیتا ہوں اکثر دینے والے یوں سمجھتے ہیں کہ اگر کچھ نہ دیں گے تو توجہ نہ کریں گے کتنا برا خیال ہے اس کے معنی تو یہ ہیں کہ یہ رشوت ہے تاکہ اس کی وجہ سے توجہ ہو تو ہدیہ سے جو غرض تھی کہ جس کو دیا گیا اس کا جی خوش ہو وہ تو آئی گئی ہوئی۔ کیا یہ بات قابل اصلاح نہیں اجی لینے سے اپنا تو بھلا ہو جائے گا مگر آنے والوں کی کمبختوں کی تو راہ ماری گئی۔ ان کو تو اس خیال کے رہتے ہوئے نفع باطنی نہیں ہو سکتا اس لئے اپنا ضرر دنیا کا دوسروں کے دین کی وجہ سے گوارا کرتا ہوں اپنی مصلحت دنیوی پر دوسروں کی دینی مصلحت کو مقدم رکھتا ہوں اور واقع میں ضرر میرا بھی نہیں البتہ عدم النفع ہے گو عدم النفع بھی عرفاً ضرر ہی کی ایک قسم ہے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بظاہر حالت ان صاحب کی جنون کی سی معلوم ہوتی ہے کہ ان کو جنون ہے فرمایا کہ بعض جنون کا علاج ڈنڈا اور جوتا ہوتا ہے ان سے دماغ درست ہو جاتا ہے۔ میں اس کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ گائے بیل غیر مکلّف ہیں لیکن جب وہ سینگ مارتے ہیں تو ان کے ڈنڈے کیوں مارتے ہو جبکہ وہ مکلّف نہیں اس سے معلوم ہوا کہ غیر مکلّف سے بھی انتقام لینا جائز ہے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ ان میں عقل نہ ہو مگر حواس تو ہوتے ہیں تو عقل نہ ہونے سے غیر مکلّف شرعی سہی لیکن حواس ہونے سے جواز مکافات میں تو مکلّف ہوگا۔ مجھے ان قواعد اور اصول سے انتقام مقصود نہیں ہوتا مگر اپنی حفاظت مقصود ہوتی ہے بلکہ توسع کر کے کہتا ہوں کہ طرفین کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔

(۴۲۶) دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے حیوۃ المسلمین اور دستور صیانۃ المسلمین کافی ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمانوں کی کامیابی کو کس کا جی نہیں چاہتا ہر مسلمان کا چاہتا ہے مگر اس کی کوئی صورت بھی تو ہو قوت اور وسعت کو بھی تو دیکھا جائے گا۔ اگر دھوپ آنے میں کوئی دیوار حائل ہو اور جی چاہتا ہے کہ دھوپ آئے تو اس دیوار کے ہٹانے کا آخر کیا طریقہ ہے کیا یہ طریقہ ہے کہ اس دیوار میں ٹکریں مارے ہٹانے کے لئے اگر ایسا کرے گا تو جو نتیجہ ہوگا ظاہر ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ دو مسلمان مل کر اتفاق سے کوئی کام نہیں کر سکتے پھر اس پر ایسے بلند خیالات۔ کیا ایسی قوم کبھی فلاح پا سکتی ہے اگر

مسلمانوں میں اہلیت ہوتی تو حیوۃ المسلمین اور صیانۃ المسلمین ہی ان کے دستور العمل کے لئے کافی ووافی ذخیرہ ہے۔ اس میں مسلمانوں کی دنیا اور آخرت سب کی بہبود اور فلاح کا کافی ذخیرہ ہے اور کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے بدوں کئے کچھ نہیں ہوا کرتا اور اس کرنے میں بھی یہ شرط ہے کہ طریقہ سے اور اصول وقواعد وحدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوئے کیا جائے اور یہ سب کچھ حیوۃ المسلمین اور صیانۃ المسلمین میں موجود ہے۔ اگر مسلمان ان کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ میں خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ وانتم الاعلون کا ظہور ہو جائے۔

(۴۲۷) دوستی اور دشمنی میں ضرورت اعتدال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حد سے گذر کر ہر چیز مذموم ہے۔ حدیث میں تعلیم ہے کہ حد سے گذر کر دوستی مت کرو ممکن ہے کہ کسی دن بغض ہو جاوے۔ اسی طرح حد سے گذر کر دشمنی مت کرو ممکن ہے کہ پھر تعلقات دوستی کے ہو جائیں تو اس وقت شرمندگی ہوگی کہ ہم نے اس شخص کے ساتھ کیوں دشمنی کی تھی غرض اسلامی تعلیم میں ہر طرح کی راحت ہی ہے کیسی پاکیزہ اور عجیب تعلیم ہے۔ سبحان اللہ یہ باتیں ہیں قابل وجد۔ لیکن ڈھولک اور سارنگی کے وجدیوں کو ان چیزوں کی کیا خبر ان کو تو حظوظ نفسانی میں ابتلاء ہے حقائق سے بالکل کورے ہیں۔

۱۶ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم پنج شنبہ

(۴۲۸) الہام دوسرے کے لئے حجت نہیں

آج ہی کی تاریخ مجلس خاص بوقت صبح کا اس سے تین ملفوظات پہلے کا ملفوظ ملاحظہ ہو حضرت والا نے جن نو وارد صاحب سے جانماز کا ہدیہ قبول فرمانے سے انکار فرما دیا تھا ان صاحب پر عدم قبول ہدیہ کی وجہ سے اس قدر رنج اور حزن کا غلبہ ہوا کہ قریب گیارہ بجے دن سے نماز ظہر کے وقت تک ان پر گریہ طاری رہا حتی کہ عین نماز جماعت ظہر میں بھی روتے ہی رہے حضرت والا نے بعد فراغ نماز ظہر ان صاحب کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ آپ اس طرز کو چھوڑیئے اور سکون و ہوش میں آ کر دل کی بات کہیے۔ عرض کیا کہ آپ کو تو میرے دل کی حالت بغیر بتلائے ہوئے معلوم ہے۔ فرمایا توبہ کیجئے مجھ کو علم غیب تھوڑا ہی ہے بدوں بتلائے ہوئے مجھ کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ قطب ہیں غوث ہیں مجدد ہیں محقق ہیں حکیم الامت ہیں آپ کو معلوم نہ ہوگا تو اور کس کو ہو

گا۔ فرمایا کہ دوسروں کے دل کی تو حالت معلوم نہیں اور نہ میں اس درجہ کا ہوں ہاں اپنی حالت معلوم ہے وہ یہ کہ خدا کا ایک بندہ ہوں اور گنہگار ہوں روسیاہ ہوں بدکار ہوں مگر ان باتوں سے کیا لینا ان کو چھوڑیئے اور اپنی حالت بیان کیجئے میں ان شاء اللہ تعالیٰ اطمینان سے سن کر اس کا جواب دوں گا اور بدوں زبان سے کہے ہوئے تو باستثناء بعض حالات کے حق تعالیٰ بھی بندے کے ایمان کو درجہ تام میں قبول نہیں فرماتے تو جب بدوں زبان سے کہے خدا تعالیٰ سے بھی اپنا کام نہیں بنا سکتے تو میں تو ایک بندہ اور وہ بھی گنہگار مجھ سے کیسے کام چلے گا۔ عرض کیا کہ میں کہنا نہیں چاہتا۔ فرمایا کہ دیکھو اتنا بڑا سفر کیا روپیہ اور وقت صرف کیا تو جس غرض سے اتنا بڑا بکھیڑہ سر دھرا یہ سب کچھ کیا اس کے اظہار میں کون امر مانع ہے اب تو محض زبان ہلانا باقی ہے جو بہت آسان کام ہے اس پر وہ صاحب خاموش رہے حضرت والا نے ایک کٹورے میں پانی منگا کر اس پر دم فرما کر ان صاحب کو پلایا پانی پیتے ہی حواس درست ہو گئے اور یہ عرض کیا کہ مجھ کو خواب میں یہ الہام ہوا کہ ایک جانماز خرید کر لیجاؤ وہ یہاں پر قبول نہ ہوئی فرمایا کہ نہ خواب کوئی معتد بہ چیز اور نہ الہام صرف وحی کا اتباع ضروری ہے پھر یہ کہ آپ کا الہام آپ پر حجت ہے مجھ پر حجت نہیں۔ نہ میں اپنے الہام پر آپ کو مجبور کر سکتا ہوں اور نہ تم اپنے الہام پر مجھ کو مجبور کر سکتے ہو۔ اور آپ کو جو الہام ہوا تھا کہ جانماز خرید کر لیجاؤ تم نے اس پر عمل کر لیا اتنے ہی کے تم مکلّف تھے باقی اس الہام یا خواب میں یہ تو نہیں کہا گیا تھا کہ قبول بھی ہو جاوے گی۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ چلو بس چھٹی ہوئی تم اپنا کام کر چکے۔ اس پر مصر ہونے کی ضرورت نہیں دوسرے یہ کہ جیسا آپ کا خدا کے ساتھ معاملہ ہے میرا بھی تو کچھ معاملہ ہے تو یہ آپ کی مجھ سے کیسی محبت ہے کہ اپنا معاملہ تو اس حد تک بنانا چاہتے ہو جہاں تک کہ آپ مکلّف بھی نہیں اور میرے معاملہ کو بالکل ہی نظر انداز کر رہے ہو تو تم تو علی سبیل التسلیم اتنے ہی مکلّف ہو کہ آپ کو الہام ہوا حکم ہوا پیش کرنے کا خرید کر لانے کا وہ تم کر گذرے حکم کی بجا آوری ہو گئی۔ باقی قبولیت عدم قبولیت کا نہ آپ کو الہام ہوا نہ حکم پھر اس کے درپے ہونا حد سے تجاوز کرنا ہے سو یہ کہاں تک صحیح مانا جا سکتا ہے اس عنوان سے وہ صاحب متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ اب میں حضرت والا کے کسی امر کے خلاف نہ کروں گا جو ارشاد ہو گا ویسے ہی قبول کروں گا اور بجا لاؤں گا۔ فرمایا کہ اب راہ پر آئے۔ یہ بات ایک کام کی کہی اس سے میرا بھی جی خوش ہوا۔ اب یہ بتلاؤ کہ یہ جو

کچھ کہہ رہے ہو کیا یہ سوچ سمجھ کر اور دل سے کہہ رہے ہو عرض کیا کہ جی سوچ سمجھ کر ہوش حواس سے عرض کر رہا ہوں فرمایا کہ جب ہوش درست ہیں تو اب بغور سن لو میں بغرض خیر خواہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس طریق میں حال قال خواب الہام کیفیات لذات کوئی چیز نہیں بڑی چیز احکام ہیں ان کا اتباع کرنا چاہیے اور اس کی بہت سہل تدبیر عرض کرتا ہوں کہ کسی کو اپنا بڑا بنا کر اس کا اتباع کرو یہ مشورہ خیر خواہی کی بناء پر عرض کر رہا ہوں اور تم جو خودرو کام کرتے ہو یہ سب اس کی خرابی ہے اور آئندہ زیادہ خرابی کا اندیشہ ہے بدون کسی کی اتباع کرتے ہوئے اور بڑا بنائے ہوئے اس راہ میں بڑے خطرے ہیں آپ کو خبر نہیں اس راہ میں اس قدر راہزن ہیں۔ جس کی کوئی انتہاء نہیں بدون رہبر کامل اس راہ میں قدم رکھنا نادانی ہے یہ بہت بڑا دشوار گذار راستہ ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

یار باید راہ راتنہا مرد — بے قلاؤ زاندریں صحرا مرد

اور فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو — پیش مردے کاملے پامال شو

اسی طرح اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی سخت ضرورت ہے کہ اپنی رائے کو فناء کر دے بندگی بیچارگی ہے۔ محبوب جس حال میں رکھیں رہنا چاہئے اپنی رائے کو دخل دینا بالکل شان عبدیت کے خلاف ہے ہم کو کیا خبر کہ ہمارے لئے کس چیز میں شر ہے اور کس میں خیر وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اسی میں خیر ہے پھر فرمایا کہ میں جانماز قبول بھی کر لیتا مگر ایسے غلبہ کے وقت فقہاء کا فتوے ہے کہ مغلوب الحال کا اپنے مال میں بھی تصرف جائز نہیں اور آپ کی مغلوبیت کی حالت قرائن سے معلوم ہو گئی ہے تو ایسی حالت میں لینا کب جائز ہے خود جواز ہی میں شبہ ہے۔ اگر یہ اور کہیں جاتے تو جانماز تو بے چاری کیا چیز ہے یہاں تک فکر ہوتی کہ حالت جوش اور غلبہ میں جو کچھ بھی جیب میں ہے وہ بھی نکال کر نذر کر دیں۔ خدا کا خوف ہونا چاہئے ہر امر میں اتباع شریعت ہونا چاہئے۔

(۴۲۹) سفارش اصول و طریق سے ہونا چاہیے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں اپنے لڑکے کو دندان سازی کا کام سکھانا چاہتا ہوں اگر حضرت والا ایک سفارشی چٹھی لاہور ڈاکٹر صاحب کو لکھ دیں تو امید ان کی زیادہ توجہ کی ہے۔ فرمایا لکھنے سے مجھ کو انکار نہیں لیکن بڑی چیز استاد شاگرد میں مناسبت ہے اس لئے

پہلے سفارش کا بار ڈالنا مناسبت نہیں اس سے یہ ہوتا ہے کہ جی چاہے نہ چاہے مناسبت ہو یا نہ ہو عمل کرنا پڑتا ہے اور جو شرائط وہ کام سکھانے کے متعلق لگاتے سفارش کے بعد بوجہ آزادی نہ ہونے کے وہ نہ لگا سکیں گے آزادی ان کی سلب ہو جائے گی بہرصورت یہ کام شروع کر دیں اس وقت توجہ خاص کے لئے میں سفارش کردوں گا یہ سفارش سونے پر سہاگے کا کام دے گی اور اول ہی میں سفارش کرنے پر ان کا دل تنگ ہو گا اگر ہر کام طریق اور اصول سے ہو تو کسی کو بھی تکلیف اور گرانی نہ ہو۔ لوگ ان باتوں کی پروانہیں کرتے مجھ کو بحمد اللہ ان سب باتوں کا خیال رہتا ہے اس ہی وجہ سے لوگ مجھ سے خفا ہیں مزاحاً فرمایا کہ کسی ضروری چیز کا خفا نہیں رکھتا صاف کہہ دیتا ہوں اس لئے خفا ہوتے ہیں۔

(۴۳۰) اہل کمال میں تصنع نہیں ہوتا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اہل کمال میں تصنع نہیں ہوتا یہ خاصہ ہے کمال کا خواہ وہ کمال کسی قسم کا ہو ہر اہل فن اور ہر اہل کمال کی یہی حالت ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ اس کے حظ کے لئے خود کمال ہی کافی ہے دوسروں پر ظاہر کرنے کی اور تصنع کی ضرورت ہی کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل کمال کا ظاہر اور باطن ایک ہوتا ہے ان کو اس کی پروانہیں ہوتی کہ کوئی کیا کہے گا۔ دوسرا جو کہے گا یہ اس سے زیادہ خود اپنے کو کہنے کو تیار ہیں۔ میں ہی اپنی حالت بیان کرتا ہوں حالانکہ میں اہل کمال سے بھی نہیں ہاں اہل کمال کو دیکھا ضرور ہے اس کا یہ اثر ہے کہ بحمد اللہ ذرہ برابر بھی وسوسہ نہیں ہوتا کہ کوئی کیا کہے گا۔ اس کے متعلق اکثر یہ پڑھا کرتا ہوں۔

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

بعض جگہ سے خواب لکھے ہوئے آتے ہیں لکھ دیتا ہوں کہ مجھ کو تعبیر سے مناسبت نہیں بعضے استفتاء آتے ہیں ان پر لکھ دیتا ہوں کہ مدرسہ دیوبند یا سہارنپور سے معلوم کرلو۔ بعض آدمی اعتراض لکھ کر بھیجتے ہیں میں جواب ہی نہیں دیتا خواہ وہ معترضین یہی سمجھتے ہوں کہ کچھ آتا جاتا نہیں۔ اور ایک وجہ جواب نہ دینے کی یہ بھی ہوتی ہے کہ معترض کے بدلے جواب کو سمجھے گا کون اس لئے بھی جواب دینے کو دل نہیں چاہتا۔ ہاں سمجھدار منصف آدمی اعتراض کرے تو جی چاہتا ہے جواب دینے کو اس سے خطاب کر کے جی تو خوش ہو جاتا ہے۔

(۴۳۱) خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنے کا اثر

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں قرآن مجید خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ گانا اور چیز ہے اور خوش الحانی اور مزین ہونا اور چیز ہے سب کے درجات اور احکام جدا جدا ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ سادہ قرآن شریف میں جو حسن اور دلربائی ہوتی ہے۔ بنا کر پڑھنے سے وہ بات نہیں ہوتی اور اس کے یہ معنے نہیں کہ سادہ بنانے کی کوشش کی جائے ہاں ترک تکلف کی کوشش کی جائے پھر چاہے وہ سادہ ہو جاوے یا مزین ہو جاوے اور اگر ہر مزین پڑھنے کو گانا کہا جائے جیسا بعض خشک مزاجوں کا خیال ہے تو خود معترض صاحب بھی گانے سے خالی نہیں جس کا میں ایک معیار عرض کرتا ہوں اس سے اندازہ ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ جو محض اس کا مدعی ہو کہ میں سادہ قرآن پڑھنے والا ہوں اس کو شافیہ کافیہ دیا جائے وہ اس کو پڑھے اس کا ایک لہجہ ہوگا پھر اس سے قرآن شریف پڑھوایئے اب شافیہ کافیہ کے لہجے اور قرآن شریف کے لہجے میں جتنا فرق ہوگا وہی گانا ہے اور اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ قرآن شریف کے پڑھنے میں ایک خاص ممتاز شان ہوتی ہے جس کو ایک عیسائی پادری نے لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ مسلمان غایت شوق میں قرآن شریف کو گیت کے طرز پر پڑھتے ہیں مراد یہی ممتاز لہجہ ہے۔ ایک بات ایک اور پادری نے لکھی ہے کہ جس قدر ادب قرآن شریف کا مسلمان کرتے ہیں ہم اس قدر ادب انجیل کا نہیں کرتے۔ باتیں دونوں صحیح لکھی ہیں یہ لوگ رات دن اسی کھود کرید میں لگے رہتے ہیں اس لئے کبھی واقع تک پہنچ جاتے ہیں۔

(۴۳۲) گانے کی ممانعت کا سبب

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ گانے سے مرض کا علاج ہو جانا کون سی عجیب بات ہے اس لئے کہ اصل میں صحت کا مدار ہے نشاط طبیعت پر تو اگر وہ گانے سے حاصل ہو جائے تو علاج مرض کا ہو سکتا ہے اور اس سے مرض زائل ہو سکتا ہے اور اس کے اور بھی بعضے برے آثار ہیں۔ تان سین کے گانے کی یہ حالت تھی کہ اس سے بارش ہو جایا کرتی تھی اس راگنی کو لاد کہتے ہیں۔ ایک اور راگنی ہے اس کا نام ہے دیپک اس سے چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی تھی کہ دہلی میں ایک شخص تھا اس نے ایک بار گایا ہے اس سے تمام در و دیوار میں ایک زلزلہ تھا اسی طرح اس سے بعض

اوقات نفس میں مذموم ہیجان پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس سے ممانعت فرمائی گئی۔

(۴۳۳) ذمی کس صورت میں حربی ہوتا ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ذمی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی یا کسی قسم کی اہانت کرے تو وہ حربی ہوجاتا ہے یا نہیں۔ میں اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ گستاخی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بطریق مناظرہ رسالت کی نفی کرے سو یہ کفر تو ہے مگر کفر سے حربی نہیں ہوتا۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ بطریق طعن واستہزاء کے رسالت کی نفی کرے اس صورت میں عہد ٹوٹ جاتا ہے اس باب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں **وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم** اس تفصیل سے اقوال مختلفہ میں تطبیق ہوگئی۔

(۴۳۴) تبلیغ کا ایک ادب

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تبلیغ کا کام بڑا کام ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ مبلغ کو اپنا کام کردینا چاہیے کسی ثمرہ کا انتظار نہ کرنا چاہیے ثمرہ جن کے قبضہ میں ہے جب حکمت اور مصلحت ہوگی وہ مرتب فرمادیں گے اور اگر نہ مرتب فرمائیں تو یہ بھی ایک ثمرہ ہے کہ کوئی ثمرہ نہیں سو آدمی کو اس کنج وکاوش میں نہ پڑنا چاہئے آدمی اپنا کام کرے جو کہ اختیاری ہے ثمرہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہو۔

۱۷ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز جمعہ

(۴۳۵) ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے

فرمایا کہ ایک بی بی کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں کہ وہ قرض لے جاتی ہیں اور پھر واپس نہیں دیتیں اب میں یہ کرتی ہوں کہ جب کوئی قرض مانگنے آتی ہے کہہ دیتی ہوں کہ میرے پاس نہیں اس جھوٹ سے بچنے کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اس جھوٹ سے گناہ ہی نہیں ہوتا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے لوگ شریعت کو تنگ بتلاتے ہیں کیا یہ تنگی ہے اور اس میں ایک تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت میرے پاس جیب میں نہیں مگر ایسی تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۴۳۶) انسان جاہ و حکومت دماغ سے نکالنے کا مکلّف ہے

فرمایا کہ ایک رئیس کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ باوجود جاہ اور حکومت کے نکالنے کے پھر بھی میرے دماغ سے جاہ اور حکومت کی بو نہیں نکلی۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ آپ صرف نکالنے کے مکلّف ہیں نکلنے کے نہیں اگر نکالنے پر بھی نہیں نکلی رہنے دیجئے آپ کا ضرر ہی کیا ہے۔ پھر اس پر فرمایا کہ کیا کہیں دوسری جگہ تربیت کے باب میں اتنی سہولت ہے۔

(۴۳۷) آپ تحمل سے زیادہ دوسروں کی راحت کی فکر کرنا چاہیے

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ دوسروں کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی تکلیف میں دیکھ کر امداد کرتا ہوں پھر خود کو تنگی ہوتی ہے۔ اس کا علاج فرمایئے میں نے لکھ دیا ہے کہ اپنی راحت اور دوسروں کی راحت علی وجہ الکمال جمع نہیں ہوسکتی اب اس میں دو مشرب ہیں بعض کو اپنی راحت مقدم ہوتی ہے اور بعض کو دوسروں کی اب اپنا تحمل اور قوت و ہمت دیکھ لیں۔ جب تک آدمی برداشت کر سکے کرے جب اپنے کو تکلیف ہونے لگے چھوڑ دے۔ دوسرے کی تقدیم میں کبھی یہ خرابی ہوتی ہے کہ حقوق واجبہ فوت ہونے لگتے ہیں۔ اور ان بزرگ کا سوال کرنا یہ خود دلیل ہے عدم تحمل کی۔

(۴۳۸) اصلاح کی نیت سے وعظ دیکھنے کی ضرورت

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں تعلیم کی درخواست کی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ میرے بیس وعظ دیکھو اور عمل کرو پھر اپنی حالت سے اطلاع دو کہ کوئی انقلاب ہوا یا نہیں بیس وعظ دیکھ کر لکھا کہ کوئی انقلاب میری حالت میں نہیں ہوا۔ میں نے لکھا کہ کیا اصلاح کی نیت سے وعظ نہیں دیکھے تھے یا ان میں اصلاح کے مضامین نہ تھے۔ یا تم میں کوئی بات قابل اصلاح نہیں ہے لکھا ہے کہ میں نے اصلاح کی نیت سے نہ دیکھے تھے۔ میں نے لکھا کہ اب اس نیت سے دیکھو۔ آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ الحمدللہ بیحد نفع ہوا اور عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔ اب اگر کوئی وظیفہ بتلا دیتا اس سے یہ کام تھوڑا ہی بن سکتا تھا۔ آدمی قاعدہ سے کام کرے اللہ تعالیٰ نفع دینے والا ہے خود اپنی رائے سے کام کرتے ہیں پریشان ہوتے ہیں۔ آج کل ان رسمی اور دکاندار پیروں نے لوگوں کی راہ ماری ہے لمبے چوڑے وظائف بتلا دیتے ہیں بھلا کہیں وظائف سے اصلاح ہوسکتی ہے۔ اصلاح تو اصلاح ہی کے طریق سے ہوتی ہے۔

۱۸ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ

(۴۳۹) صرف شیخ کی توجہ کافی نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ کی نری توجہ سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ آدمی خود اپنی اصلاح کی فکر اور خیال نہ کرے اور غریب شیخ اور بزرگ تو کس شمار میں ہیں خود حضرات انبیاء علیہم السلام کی توجہ بھی کافی نہ ہوئی جب تک کہ دوسرے نے خود اصلاح کی فکر نہ کی۔

(۴۴۰) مبادی شعائر کی تعلیم

(تمہید و تنبیہ ضروری) ہر مقصود کے حاصل کرنے کا ایک خاص طریق ہے دوسرے طریق سے حاصل کرنا دوسرے مقصود میں مخل ہو جاتا ہے تمام ملفوظ اسی پر متفرع ہے ایک نو وارد صاحب نے کہ جن کو حضرت والا سے بے تکلفی حاصل نہ تھی مسائل فقہی کے متعلق سوال کرنا چاہا۔ فرمایا کہ سوالات کے لئے آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ یہ نطق کی مجلس نہیں سکوت کی مجلس ہے۔ یہ علمی مجلس نہیں عملی مجلس ہے آپ نے سکوت کا نفع محسوس نہیں کیا سکوت کا نفع محسوس ہونے پر آپ کو خود معلوم ہوگا کہ بولنا میرا لغو حرکت تھی آپ نے سکوت کی قدر نہ کی حالانکہ سکوت بڑی دولت اور بڑی نعمت ہے۔ آخر کیوں بیٹھے بیٹھے آپ کو بولنے کا جوش اٹھا دوسرے لوگوں کے بولنے پر آپ کو قیاس نہ کرنا چاہیے تھا اس لئے کہ ہر جگہ کے جدا آداب اور جدا اصول ہوتے ہیں۔ جو لوگ بول رہے ہیں ان سے میرا تعلق بے تکلفی کا ہے اور جن سے بے تکلفی ہے وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہاں سے آپ کے وطن تک تمام اہل علم ہی اہل علم بھرے ہوئے ہیں مدارس ہیں اور ان میں مفتی موجود ہیں کیا یہ سوال آپ اور جگہ نہیں کر سکتے تھے مجھ کو ہی کیوں تجویز کیا۔ کیا اس میں کوئی خاص راز اور کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے اگر ہے تو میں بھی اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔ کیوں آپ لوگ ستاتے ہیں اور کیوں خود بھی پریشان ہوتے ہیں کیا ان باتوں میں آپ لوگوں کو مزا آتا ہے آپ یہ سوال نہ بھی کرتے جب بھی عالم ہی سمجھے جاتے۔ میرا تو اس سے بھی دل کڑھتا ہے کہ ایک شخص محبت کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر بال بچوں سے جدا ہو کر روپیہ اور وقت صرف کر کے آیا اور پھر میں اس سے ایسی خشک گفتگو کروں مگر کیا کروں اگر غلطیوں پر متنبہ نہ کروں تو یہ بھی خیانت ہے جیسے طبیب کے پاس کوئی مریض علاج کے واسطے جائے اور طبیب یہ سمجھ کر کہ مہمان ہے اور دور سے آیا ہے اس کو کڑوی دوا نہ بتلائے متعارف خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ طبیب خائن

ہے۔ میں ہمدردی کی بناء پر مشورہ دیتا ہوں کان کھول کر سن لیجئے کہ یہاں پر تو محض اس لئے آنا چاہئے کہ مجلس میں خاموش بیٹھا رہے اور باتیں سنا کرے اس میں بھی یہ شرط ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آوے اس کے متعلق سوال نہ کیا جائے اس کو چھوڑ دیا جاوے پھر کسی دوسرے وقت ان شاء اللہ سمجھ میں آجاوے گی۔ یہاں کا آنا تو محض اس لئے ہو کہ وہ باتیں سنے جن کی دوسری جگہ کانوں میں پڑنے کی امید نہ ہو۔ آپ سکوت کر کے دیکھیں اور پھر یہاں سے جا کر جو اس کا نفع محسوس ہو اس کی اطلاع دیں۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہاں پر تو ہر وقت علماء کا مجمع رہتا ہے تو کیا ہر وقت مسائل کی تحقیق کیا کروں۔ دوسرے میں خود اپنی ضرورت کے وقت دوسرے علماء سے مسائل پوچھ پوچھ کر عمل کرتا ہوں مجھ کو پورا استحضار بھی نہیں رہا۔ یہ کام دوسری جگہ بڑے اہتمام سے ہو رہا ہے اور جو کام یہاں پر ہو رہا ہے وہ دوسری جگہ نہیں ہو رہا۔ میرا یہ بھی تجربہ ہے کہ جو یہاں پر آ کر مسائل فقہی کی تحقیق کرتے ہیں وہ دوسرے مقصود سے بالکل محروم ہوتے ہیں۔ یہاں پر رہ کر اپنے کو مٹانا چاہئے فنا ہو کر بیٹھنا چاہئے اس طریق کا یہی ادب ہے کہ یہ بھی پتہ نہ چلے کہ یہ صاحب علم ہیں اس طرز سے سوالات کرنے میں اپنے اظہار علم کی جھلک مارتی ہے کہ ہم بھی صاحب علم ہیں اس سے بھی شرم آنا چاہئے کچھ معلوم بھی ہے کہ ایسے سوالات سے فیض بند ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کا مدار بشاشت وانشراح قلب پر اور ایسی باتوں سے تکدر اور انقباض ہو جاتا ہے اس لئے فیض بند ہو جاتا ہے۔ بہت ہی نازک بات ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ شیخ سے کتاب نہیں پڑھنی چاہئے وجہ یہ ہے کہ اس میں قیل وقال ہوتی ہے اور یہ استاد شاگردی ہی میں مناسب ہے۔ پیری مریدی میں مناسب نہیں۔ میں کسی بات کا اخفا کرنا نہیں چاہتا صاف کہتا ہوں کہ میں تو گویا بغدادی قاعدہ پڑھاتا ہوں۔ میں نے اپنے ذمہ ایک چھوٹا کام لے لیا ہے۔ اور حضرات بڑے بڑے کام کر رہے ہیں مگر یہ چھوٹا کام ایسا ہے کہ دوسری جگہ کہیں نہیں ہو رہا ہے۔ جس مکتب میں الف بے تے پڑھائی جاتی ہو وہاں شمس بازغہ لے کر بیٹھنا نادانی ہے۔ میں تو کھلم کھلا کہتا ہوں کہ عالم بننا ہو اور جگہ جایئے کامل بننا ہو اور جگہ جایئے۔ بزرگ اور ولی بننا ہو اور جگہ جایئے۔ قطب اور غوث بننا ہو اور جگہ جایئے۔ آدمی بننا ہو انسان بننا ہو یہاں آیئے دیکھئے وضوء نماز کے مقابلہ میں گھٹیا چیز ہے مگر بدوں وضو نماز نہیں ہوتی تو میں وضو کراتا ہوں نماز کہیں اور جا کر پڑھو۔ میں اس کا مدعی نہیں ہوں کہ یہ کام جو میں کر رہا ہوں عظیم الشان کام ہے نہیں بلکہ سب سے گھٹیا درجہ کا ہے دوسری جگہ شعائر کی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں

شعائر کے مبادی کی تعلیم ہوتی ہے وہ مبادی یہ ہیں مٹنا۔ فنا ہونا۔ جلنا بھننا یہاں اس کی تعلیم ہے ہر جگہ کا مطلوب جدا ہے یہاں کا مطلوب فنا ہونا ہے اور اسی کی تعلیم ہے۔ یہاں بقاء کی تعلیم نہیں۔ اور اس قسم کے سوالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سائل طالب نہیں مدعی ہے اس ہی لئے میری نظر سے ایسے لوگوں کی وقعت جاتی رہتی ہے اس طریق میں سب سے پہلے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک فنا جس کی نسبت فرماتے ہیں۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن　　　　پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

دوسری چیز یہ ہے کہ خاموش رہے۔ جس کی نسبت فرماتے ہیں

چند گوئی نظم و نثر وراز فاش　　　　خواجہ روزے امتحان کن گنگ باش

کانپور میں ایک طالب علم نے مجھ سے مثنوی پڑھنا چاہی۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری کتابیں بھی ختم ہو گئیں کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی تو دو کام باقی ہیں ایک کتابیں پڑھنا پھر ان کا بھلانا تب مثنوی پڑھنے کے لائق ہو گے۔ اب رہا یہ شبہ کہ جو اجزاء دین کے ضروری ضروری ہیں ان کی تحصیل شیخ سے کیوں مضر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مقصود کا موقع اور محل ہے۔ روٹی کپڑا دونوں چیزیں ضروری ہیں مگر نان بائی کی دکان پر کوئی جا کر ململ کا تھان خریدنے لگے یا بازار کی دکان پر جا کر کوئی روٹی خریدنے لگے۔ یا کوئی سنار کے پاس لوہا لے جا کر کہے کہ اس کا کھر پہ اور چمٹا بنا دے۔ یا لوہار کے پاس سونا لے جا کر کہے کہ اس کے جھومکے کرن پھول۔ پازیب اور پربندے بنا دے سو یہ بات بدفہمی اور بدعقلی کی ہے یا نہیں اور ایسا کرنا حماقت ہو گا یا نہیں۔ میرے یہاں تو صرف ایک چیز سکھائی جاتی ہے وہ انسانیت ہے کوئی بزرگی کو ضروری سمجھ رہا ہے کوئی علم کو ضروری سمجھ رہا ہے کوئی ولایت اور قطبیت و غوثیت کو ضروری سمجھ رہا ہے۔ میں انسانیت آدمیت کو ضروری سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا مجھ سے ناراض ہے۔ میں انسانیت سکھاتا ہوں لوگ اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں یہ وجہ ہے میرے بدنام کرنے کی خیر کریں بدنام میری جوتی سے۔ میں اپنے اصول اور قواعد ان نالائقوں کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا۔ کہتے ہیں کہ ہر بات میں قانون ہے۔ روک ٹوک ہے محاسبہ معاقبہ مواخذہ ہے دارو گیر میں کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ ہے لیکن جس کو اسکی برداشت نہیں میرا طرز پسند نہیں مت آؤ میرے پاس۔ بلانے کون گیا تھا مدعی بن کر اپنے گھر بیٹھو آئے ہی کیوں ہو جب ذرا ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں کر سکتے تو گھر سے چلے ہی کس بوتے پر تھے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں۔

ور بہر زخمے تو پر کینہ شوی　　پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

اور آپ کو کہا تھا کس نے کہ آپ آ کر محبت کا دعویٰ کریں جب دعویٰ کیا ہے تو پھر سب ہی کچھ سہنا ہوگا افائیں جفائیں اٹھانی پڑیں گی اس کو بھی مولانا فرماتے ہیں۔

یا مکن با پیلبانان دوستی　　یا بنا کن خانہ برانداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی　　یا فروشو جامہ تقوی بہ نیل

اور میں اپنے یا اپنے طرز کے ناپسند ہونے پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

اور معترضین کے جواب میں یہ پڑھا کرتا ہوں

دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ　　کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

۱۸ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم شنبہ

(۴۴۱) قانون خداوندی میں بے حد سہولتیں ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض قانون تو ایسے ہوتے ہیں جو سختی ہی کے واسطے وضع کیے جاتے ہیں ان کو سخت کہنا صحیح ہے اور بعض قانون ایسے ہوتے ہیں جن سے مقصود سہولت ہوتی ہے گو اس پر عمل کرایا جاتا ہے سختی سے سو اس کو سخت کہنا صحیح نہیں۔ مثلاً خدا کا قانون ہے کہ نماز فرض ہے اور اس میں بے حد سہولتیں رکھی گئی ہیں گو اس کے ترک پر سزائیں سخت ہیں تو نماز کو سخت نہ کہیں گے الحمد للہ یہاں ایسے ہی قانون ہیں ان کو سخت کہنا محض ناحقیقت شناسی ہے۔

(۴۴۲) علماء کو تمہید الفرش فی تحدید العرش کے مطالعہ کا مشورہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے استواء علی العرش کی بحث میں ایک رسالہ لکھا ہے التمہید الفرش فی تحدید العرش وہ اہل علم کے دیکھنے کی چیز ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص یہ کہتے تھے کہ اس رسالہ کی تصنیف کا سبب میں ہی ہوا (کیونکہ انہوں نے کچھ خطوط بھیجے تھے جن کا غالب حصہ بے اصول اعتراضات تھے ان کے جواب میں وہ رسالہ لکھا گیا ہے) لہٰذا مولانا کو ایک رسالہ میرے پاس ضرور بھیجنا چاہیئے تھا۔ حضرت والا

نے فرمایا کہ میرے پاس بھی قریب قریب اس ہی قسم کے مضمون کا خط آیا تھا اس کی بالکل ایسی مثال ہے بلا تشبیہ کہ شیطان نبیوں سے کہے کہ میں آپ کی بعثت کا سبب ہوا نہ میں شرارت کرتا نہ مخلوق کو بہکاتا نہ آپ کو نبی بنا کر بھیجا جاتا لہٰذا میری تعظیم کیا کرو کیا خرافات بناء ہے۔

(۴۴۳) حزب البحر کی اجازت طلب کرنے والوں کو جواب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک غیر مقلد مجھ سے کہنے لگے کہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی تصنیفات دیکھو۔ میں نے کہا کہ ہم نے ان سے بڑوں کی تصنیفات دیکھی ہیں۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ آخر ابن تیمیہ اور ابن القیم نے کس کی تصنیفات دیکھی تھیں ان ہی کی ہم نے دیکھ لیں یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے بعض لوگ حزب البحر کی اجازت لیا کرتے ہیں۔ میں لکھا کرتا ہوں کہ حزب البحر کے مصنف نے کس چیز سے برکت حاصل کی تھی اور جب حزب البحر نہ تھی جب کس چیز سے برکت حاصل کی جاتی تھی وہ چیز کیوں نہیں لیتے۔

(۴۴۴) صوفیاء سے عداوت رکھنا کیسا ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں صوفیاء پر علماء کو مقدم رکھتا ہوں ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ عشاق ہیں۔ عشاق کی شان میں گستاخی کرنا ان سے عداوت کرنا اذیت پہنچانا حسب حدیث من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب حق تعالیٰ سے جنگ خریدنا ہے۔

(۴۴۵) بے طریقہ خدمت سے معذرت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کوئی طریقہ سے خدمت لے میں آدھی رات موجود ہوں بے طریقہ خدمت کرنے سے معذور ہوں۔

(۴۴۶) بعض لوگوں کی بے حسی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ بڑے ہی بے حس ہوتے ہیں اناپ شناپ جو سامنے آجاتا ہے۔ بھرے چلے جاتے ہیں چاہے ہیضہ ہی ہوجائے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ صحت کے سامنے لذت کیا چیز ہے تھوڑی دیر کے لئے مزا اور پھر سزا۔ ایسے ہی اعمال کے سامنے کیفیات کیا چیز ہیں کچھ بھی نہیں۔

(۴۴۷) حقیقت طریق سے بے خبری کی دلیل

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں لذت اور مزے کے لوگ درپے ہیں یہ طریق کی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے اکثر لوگ خطوط میں شکایت لکھ کر بھیجتے ہیں کہ شروع شروع میں تو ذکر کے اندر مزا آتا تھا اب نہیں آتا۔ اس کا جواب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجذوبانہ رنگ میں عجیب طرح ارشاد فرمایا۔ ایک شخص نے یہی عرض کیا تھا کہ حضرت اب ذکر میں پہلے جیسا مزا نہیں آتا فرمایا کہ میاں تم نے سنا نہیں پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔

(۴۴۸) عزت منجانب اللہ ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عزت جو ہے یہ خدا کی دی ہوئی ہے چالاکی سے مکر و فریب سے عزت نہیں ہوا کرتی۔ شیطان کس قدر چالاک اور مکار ہے اور لوگ اس کا اتباع بھی کرتے ہیں لیکن سمجھتے ہیں سب برا ہر وقت اس پر لاحول ہی کا انٹر پڑتا رہتا ہے اس کے کید اور مکر سے لوگ ڈرتے بھی ہیں لیکن وہ اس درجہ کا نہیں ہے کہ اس سے اس قدر خائف رہا جائے گو چالاک اور مکار ہے مگر ہمت اور قوت سے اگر اس کا مقابلہ کیا جائے تو جھک مار کر بیٹھ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ اگر طلب صادق ہو تو اس طرف سے نصرت اور اعانت ہوتی ہے۔ حفاظت فرمائی جاتی ہے اور جو لوگ متوجہ الی الحق ہیں ان سے تو یہ خود ہی گھبراتا ہے۔

(۴۴۹) کسی کو اپنے ادراک پر ناز نہیں کرنا چاہیے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے کام لینا چاہتے ہیں تو جس سے کام لینا ہے اس کو فہم عقل دماغ علوم سب عطاء فرما دیتے ہیں اور سب سامان ویسے ہی موجود فرما دیتے ہیں ورنہ انسان کی حقیقت اور قوت ہی کیا ہے۔ دماغ پر یاد آیا۔ محمود غزنوی کی شان میں فردوسی نے مذمت آمیز اشعار لکھے۔ محمود غزنوی کی طرف سے گرفتاری کا حکم ہوا۔ یہ بھاگ کر مقتدر باللہ کے پاس پہنچ گیا۔ محمود نے خلیفہ کو خط لکھا کہ اگر ہمارے مجرم کو پناہ دی تو فیلان جنگی سے دارالخلافۃ کو پامال کر دوں گا۔ خلیفہ نے جواب میں لکھوایا الم۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا ایک شخص کی سمجھ میں آیا کہ یہ لکھا ہے الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل۔ کہاں خیال اور

دماغ پہنچا۔ یہ سب خدا کی طرف سے ہے کسی کو اپنے ادراک پر ناز نہیں کرنا چاہیے۔

(۴۵۰) دارو گیر اور محاسبہ میں حکمت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت میری روک ٹوک محاسبہ معاقبہ دارو گیر ڈانٹ ڈپٹ لوگوں کو ناگوار ہے مگر عنقریب حقیقت کا انکشاف ہونے پر معلوم ہوگا کہ یہ چیزیں عین رحمت تھیں جیسے ایک سوار درخت کے نیچے پڑا سو رہا تھا ایک گھوڑے کا سوار اس طرف سے گزر رہا تھا دیکھا کہ درخت پر سے ایک اژدہا اس سونے والے کو ڈسنے کے لئے اتر رہا ہے اور قریب ہے کہ اس کا کام تمام کردے۔ سوار عجلت سے گھوڑے کو دبا کر درخت کے قریب پہنچا اور اس سوتے ہوئے کے ایک چابک رسید کیا وہ ایک دم چونک کر اٹھا اور چلاتا ہوا بھاگا سوار نے آگے بڑھ کر پیچھے سے دمادم اچانک مارنا شروع کیا اور یہ شخص سوار کو گالیاں دے رہا تھا۔ مگر جب سونے والے نے اژدہا کو دیکھا اس وقت ہزار جان سے قربان ہونے کو تیار تھا اور لاکھوں دعائیں دے رہا تھا یہی شان اصلاح کی ہے۔ لوگ خواہ مخواہ دخل در معقولات دیتے ہیں یہ تو مصلح کی رائے پر ہے کہ کہاں نرمی مناسب ہے اور کہاں سختی۔

(۴۵۱) بیعت ہونے کے خواہشمند کے خط کا جواب

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے میرا بیعت ہونے کو جی چاہتا ہے مگر اب دو طرف جی ہے۔ ایک آپ کی طرف اور ایک بدعتی ہیں کوئی شاہ صاحب ان کا نام لکھا ہے کہ ان کی طرف میں کیا کروں۔ میں نے لکھ دیا کہ اگر میرا نام اس میں نہ ہوتا تو میں مشورہ دیتا مگر چونکہ اس میں میرا نام بھی ہے اس لئے مشورہ دینا یا تو خیانت ہوگا یا بے حیائی۔ اس پر فرمایا کہ اس جواب میں سمجھ دار کے لئے تو سب کچھ آ گیا۔

۱۹ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم یکشنبہ

(۴۵۲) رسالہ السنۃ الجلیہ قابل ذکر ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے کوئی رسالہ مشائخ چشتیہ کی نصرت میں لکھا ہے۔ فرمایا کہ اللہ کے فضل سے چھپ کر بھی تیار ہو گیا اس کا نام میں نے رکھا ہے السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ قابل دیکھنے کے ہے اس میں چشتیہ حضرات کا متبع سنت ہونا ثابت کیا ہے۔ غالباً حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء کا واقعہ ہے کہ مرض میں کمزوری از حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ دوا پینے

کو لائی گئی تو چار پائی سے نیچے اتر کر دوا پی اور یہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چار پائی یا تخت پر کھانا پینا ثابت نہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جو اس قدر اتباع سنت کا اہتمام کرے گا کیا وہ سنت کے خلاف کر سکتا ہے اس رسالہ میں ایک بحث بہت سخت ہے وہ یہ ہے کہ بعض بزرگوں کا تلبس بالمسکرات منقول ہے۔ میں نے اسکے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ کر اور اس کا ایک مستقل نام رکھ کر السنۃ الجلیۃ ہی کا ایک جز بنا دیا ہے نام بھی عجیب ہے سراب الشراب اس میں اس کا جواب ہے۔ پھر فرمایا کہ بزرگوں کی معرفت بھی ہم طالب علموں ہی کو ہوتی ہے جہل میں کیا معرفت۔ ذرا ان مدعیان محبت سے جو ہم طالب علموں کو بزرگوں کا معتقد نہیں سمجھے کہا جائے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے ان اشکالوں کا جواب دو۔

(۴۵۳) حضرت حاجی صاحب رحؒ کی ایک کرامت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک کرامت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے وہ جہاز کا اٹھا لینا ہے۔ فرمایا کہ یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے اس کو میں نے چھپوا بھی دیا ہے۔ ایک صاحب نے اس پر عقلی اشکال کیا اتنے بڑے بوجھ کو اٹھانا خلاف عقل ہے۔ میں نے ان کے فہم کے موافق جواب دیا کہ یہ مسلم ہے کہ ہر دو مستقیم حرکتوں کے درمیان سکون ضروری ہے اب اس پر تفریع سنئے کہ کسی نے ایک رائی کا دانہ اوپر کو اچھالا اور وہ ابھی اپنی قوت کو ختم نہ کر چکا تھا کہ اوپر سے ایک پہاڑ آیا اور اس رائی کے دانہ سے ٹکرایا ظاہر ہے کہ وہ دانہ لوٹے گا اور چونکہ وہ اس دانہ کی حرکت مستقیم ہوگی اس لئے اس دانہ کو بیچ میں سکون ہوگا اس کے لوازم سے ہے پہاڑ کا سکون بھی تو اس سکون کی حالت میں رائی کے دانہ نے پہاڑ کو اٹھا لیا تو اب آدمی کا جہاز کو اٹھا لینا عقلاً مستبعد کیا ہے اور کرامت کے متعلق ایک عقلی استبعاد کا مضمون یاد آ گیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ میں نے کرامت کے متعلق ایک وعظ میں بیان کیا تھا جس میں بعض غیر مقلدین بھی شریک تھے جو بعض کرامات کے اعتقاد میں شرک کا شبہ کرتے تھے میں نے اس بیان میں اس کا جواب دیا تھا کہ یہ بتاؤ کہ کرامت میں فاعل کون ہے حق۔ یا عبد۔ سو ہم تو کرامت میں فاعل حق تعالیٰ کو مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی قدرت محدود نہیں اس لئے بعید سے بعید کرامت کا صدور بشرط امکان عقلی وشرعی ممکن ہے اور آپ فاعل مانتے ہیں عبد کو اس لئے کرامت میں حدود قائم کرتے ہیں تو آپ غور کر لیجئے کہ یہ آپ کا کرامات مستبعدہ کو نہ ماننا اقرب الی التوحید ہوا یا اقرب الی الشرک۔ ظاہر ہے کہ آپ کا

کرامات عظیمہ کو نہ ماننا اقرب الی الشرک ہے اور ہمارا ان کو ماننا اقرب الی التوحید ہے۔

(۴۵۴) عملیات میں مشغول ہونے سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عامل بھی صاحب نسبت ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی بہت بڑے شیخ ہیں۔ ایک ثقہ راوی بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا کے ایک مرید تھے ان کا یہ خیال تھا کہ مولانا عامل ہیں عملیات سے لوگوں کو ہدایت کے لئے تسخیر کرتے ہیں۔ مولانا کو ان کے اس خیال کی اطلاع ہو گئی۔ فرمایا نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔ توبہ توبہ۔ ارے معلوم بھی ہے عملیات میں مشغول ہونے سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملیات اصل میں ایک قسم کے تصرفات ہیں جو متضمن ہیں دعوے کو اور ایسا تصرف عبدیت کے منافی ہے۔

(۴۵۵) دعا اور تفویض کس طرح جمع ہو سکتے ہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دعاء میں اجابت بالمعنے الاعم کا یقین ہونا چاہیے مگر اجابت بالمعنے الاخص میں احتمال اور تفویض ہو۔ بعض بزرگ خود دعاء ہی کو خلاف تفویض سمجھتے ہیں مگر ہمارے بزرگوں کا یہ مذہب نہیں۔ ایک عالم نے اشکال کیا کہ دعاء اور تفویض جمع کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ دعاء کے معنے یہ ہیں کہ اے اللہ یوں کر دے ہم آپ سے بالحاح عرض کرتے ہیں کیونکہ ہم اپنی مصلحت سمجھتے ہیں مگر چونکہ ممکن ہے کہ آپ کے علم میں اس کے خلاف میں مصلحت ہو اس لئے ہم اس میں تفویض کرتے ہیں اس طرح دعاء اور تفویض، دونوں جمع ہو گئے ایسے موقع پر غیر محقق گھبرا کر کہہ اٹھتا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ۔۔۔ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

مگر محقق وہ شخص ہے جو جامع بین الاضداد ہو۔ اہل تحقیق ایسے اشعار کو گستاخی اور اعتراض سمجھتے ہیں۔ یعنی دعاء کا بھی حکم ہے۔ اور تفویض بھی ہے اور یہ تضاد ہے مگر حقیقت میں تضاد نہیں ہر چیز اپنے اپنے محل پر ہے جیسا ابھی بیان کیا گیا۔

(۴۵۶) عملیات میں عوام الناس کا غلو

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عملیات کے باب میں آج کل لوگوں کو از حد غلو ہو گیا ہے۔ حدود سے تجاوز کر کے آگے بڑھ گئے عقائد تک خراب ہو گئے۔ ایک مرتبہ طالب علمی کے

زمانہ میں میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ حضرت کوئی عمل جنات کی مسخر کرنے کا بھی ہے۔ فرمایا ہے اور سہل ہے مگر یہ بتلاؤ کہ تم بندہ بننے کے لئے پیدا ہوئے یا خدا بننے کے لئے کہ اس کی مخلوق کو تابع بناتے ہو۔ پھر فرمایا کہ خدا معلوم کس دل سے مولانا نے یہ فرمایا تھا جس سے میرے قلب سے عملیات کا خیال بالکل ہی مٹ گیا۔ ان حضرت کی عجیب محققانہ شان تھی۔

(۴۵۷) بے ضرورت عمل کرانے کی اجازت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جیسے عملیات کرنے سے نسبت سلب ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بطور علاج دوسرے سے عمل کرائے۔ فرمایا کہ عمل کرنے میں گفتگو تھی عمل کرانے میں گفتگو نہیں کیا آپ نے سنا نہ تھا یہ خلط مبحث کیسا۔ عمل کرانا بطور علاج ضرورت کی وجہ سے ہے جب کہ حقیقت میں بھی ضرورت ہو۔

(۴۵۸) تمنا اور ارادہ میں فرق

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تمنا اور ارادہ کیا یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ فرمایا کہ جی ہاں آج کل لوگ تمنا اور ارادہ میں کوئی فرق نہیں کرتے حالانکہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ تمنا کہتے ہیں کسی چیز کے دل چاہنے کو اور ارادہ کہتے ہیں اس کے تحصیل کے لئے اسباب اختیار کر لینے کو اور کام شروع کر دینے کو اسی کو عرفی لکھتا ہے۔

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدی وصال   صد سال میتوان بہ تمنا گریستن

(۴۵۹) دعا مانگنا عمل پڑھنے سے افضل ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دعاء مانگنا زیادہ افضل ہے یا عمل پڑھنا فرمایا کہ دعاء کرنا افضل ہے حضور نے کبھی کوئی کلام عمل کے طور پر نہیں پڑھا بلکہ دعا ہی کی ہے گو بعد کے لوگ ان دعاؤں کو عمل کے طور پر استعمال کرنے لگے اور علی سبیل التنزل غالب شغل تو اس کا نہ تھا غالب معمول دعا ہی کا تھا۔

(۴۶۰) عملیات میں فتنہ کیوں ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جیسے عملیات میں خطرہ ہے حالانکہ یہ بھی ایک ظاہری تدابیر میں سے ہے تو اسی طرح دوا میں بھی خطرہ ہوگا۔ فرمایا کہ عملیات میں فتنہ ہے۔ دوا میں فتنہ نہیں وہ فتنہ یہ ہے کہ عامل کی طرف بزرگی کا خیال ہوتا ہے طبیب کی طرف بزرگی کا خیال نہیں

ہوتا۔عوام عملیات کوتدبیر ظاہری خیال کر کے نہیں کرتے بلکہ سماوی اور ملکوتی چیز سمجھ کر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عملیات اور تعویذ گنڈوں کے متعلق عوام کے عقائد نہایت برے ہیں۔

(۴۶۱) اسباب طبعیہ کی دو قسمیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اسباب طبعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور ایک خفی۔ مثلاً جیسے اسباب طبعیہ میں سے کہ آگ سے روٹی پکائی جائے ایسے ہی یہ بھی ہے کہ توجہ سے روٹی پکائی جائے دونوں اسباب طبعیہ میں فرق یہ ہے کہ ایک ظاہر ہے اور ایک خفی ایک میں فتنہ ہے ایک میں نہیں۔

(۴۶۲) عالم برزخ

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ قبر ایک حالت ہے بین الدنیا والاخرہ اسی کو برزخ کہتے ہیں۔ پس اگر پندرہ بیس بھیڑیے مل کر مردہ کی ایک ایک بوٹی بانٹ لیں تب بھی اسکے ساتھ سب معاملات برزخ کے ہوں گے یہی قبر ہے۔

(۴۶۳) کیا مردوں کو جلانے سے تکلیف ہوتی ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ ہندو اپنے مردوں کو جلا دیتے ہیں اس سے تکلیف ہوتی ہوگی اس پر حضرت مولانا نے جواب میں فرمایا کہ ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کوئی تمہاری رضائی اتار کر جلا دے کیسا عجیب جواب ہے۔ یہی حضرات سمجھتے ہیں حقائق کو۔

(۴۶۴) برزخ کے اجزاء

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا کفار بھی جاتے ہیں برزخ میں۔ فرمایا ہاں جاتے ہیں۔ برزخ میں بڑی وسعت ہے علیین۔ سجین سب برزخ کے اجزاء ہیں۔

(۴۶۵) طریق کا مدار انقیاد ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق کا مدار انقیاد محض ہے گو شیخ کا فیصلہ سمجھ میں نہ آوے جیسا طبیب کو معلوم ہوتا ہے کہ رفتار صحت کیا ہے۔ مریض سمجھتا ہے کہ میں اسی حالت

پر ہوں۔ یہ مریض کا سمجھنا غلط ہے ایک مولوی صاحب نے اپنا کچھ حال بیان کیا۔ میں نے اس کا جواب دیا اس پر مولوی صاحب نے کہا تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ ہم کو تمہاری تسلی مقصود نہیں اپنی تسلی کافی ہے وجہ یہ کہ مبتدی کو نہ مقصود کا پتہ ہے اور نہ طریق کا۔

(۴۶۶) انتظام اور اہتمام کی حد

ایک مولوی صاحب نے دوسرے مولوی صاحب کے تبلیغ کرنے کا ذکر کیا حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ ہر کام اپنی حد پر رہے اسی وقت تک اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ انہماک بعض کو نہ معلوم کیوں ہے انتظام اور اہتمام کی بھی تو ایک حد ہے۔ مثلاً اگر حق تعالیٰ چاہتے تو ہر کافر پر ایک ایک فرشتہ مقرر فرما دیتے۔ ان کی گردنوں پر سوار ہوتے اور مسلمان بناتے لیکن ایسا نہیں کیا پس ہر چیز کی ایک حد ہے حد سے گزر کر کوئی کام کرنا خصوصاً اس طرز سے کہ نہ اس کے اصول ہوں نہ قواعد محض بے ڈھنگا پن ہے آدمی جو کام کرے طریقہ سے کرے ہر چیز کو اپنی حد پر رکھے میں پوچھتا ہوں کہ مثلاً ایسی تبلیغ کہ وعظ ہو رہا ہے جس میں نماز ندارد ہو گئی اس کو حد پر کام کرنا کہہ سکتے ہیں۔ یا نماز کے وقت میں تلاوت قرآن کرتا رہے نماز نہ پڑھے۔ غرض ہر چیز کے حدود ہیں۔

(۴۶۷) سارا مدار قوت اور قدرت پر ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر قدرت ہے تو تلوار لے کر غلبہ حاصل کرو منع کون کرتا ہے۔ اور اگر اس کی قدرت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو صبر کرو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **لا تلقوا بایدیکم الی التهلكته** سارا مدار قوت اور قدرت پر ہے جیسے نماز روزہ فرض ہے حکومت بھی فرض ہے لیکن اسی وقت جبکہ قدرت ہو اور عدم قدرت پر ایسا کرنا اپنے کو ہلاکت میں پھنسانا ہے۔ اور کافی قدرت کا نہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اور جتنی قدرت ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی نے دیا سلائی جلائی اور اس پر دوسرے نے ہاتھ رکھ دیا بجھ گئی۔ ایسی قوت اور قدرت سے کیا کام چل سکتا ہے۔

(۴۶۸) جہاد کے فرض ہونے کا سبب

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اتنا کام جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے صلح سے بھی ہو سکتا ہے پھر جہاد کیوں فرض ہے۔ فرمایا کہ ایک اور صاحب نے بھی مجھ سے یہ بات

کہی تھی میں نے ان کو یہ جواب دیا تھا کہ صلح کے لئے بھی قوت اور قدرت ہی کی ضرورت ہے۔ صلح میں بھی برابری کی ضرورت ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت صلح توڑ دیں تو اس وقت مقابلہ تو کر سکیں گے اگر پہلے سے قوت اور قدرت ہوگی۔

(۴۶۹) دل میں احکام شریعت کی وقعت کی ضرورت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل مسلمانوں کی حالت عجیب ہے دوسروں سے اسلام احکام اسلام کی وقعت وعظمت اور احترام کے خواہشمند ہیں اور خود احکام اسلام وشریعت مقدسہ کی وقعت اور عظمت قلوب میں نہیں رہی۔ سلطان صلاح الدین نے جب بیت المقدس فتح کر لیا وزراء نے عرض کیا کہ حضور یہاں کے نصرانی بڑے سرکش ہیں اور ملک نیا مفتوح ہوا ہے اور اسلام میں سیاسی احکام نرم ہیں اس لئے مناسب ہے کہ کچھ قوانین سخت مقرر کر دیئے جائیں تا کہ یہ لوگ شکنجہ میں کسے رہیں اور کسی قسم کی گڑبڑ نہ کر سکیں۔ سلطان صلاح الدین نے جو وزراء کو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ جواب یہ ہے کہ خدا کو تو معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں ایسے سرکش نصرانی ہونگے تو انہوں نے ایسے نرم احکام کیوں مقرر فرمائے۔ میں احکام اسلام سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہونگا۔ وزراء نے عرض کیا کہ اس صورت میں تو پھر سلطنت جاتی رہے گی۔ سلطان نے کہا کہ سلطنت مقصود نہیں۔ خدا کی رضاء مقصود ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے ملک کو سلطنت اور حکومت کے واسطے فتح کیا ہے میں نے خدا کے راضی کرنے کے واسطے فتح کیا ہے واقعی خدا کی رضاء کے سامنے سلطنت اور حکومت یا کروفر کیا چیز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کرتہ میں زمانہ خلافت میں متعدد پیوند لگے دیکھے گئے مگر ان کی ہیبت سے قیصر اور کسریٰ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے کانپتے رہتے تھے وجہ یہ کہ ان کے قلب میں خدا کی خشیت ہوتی ہے وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے اور نہ کسی سے دبتے ہیں اس لئے ان کی ہی دوسروں پر ہیبت ہوتی ہے اور وہ ایسی ہوتی ہے جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

(۴۷۰) دور حاضر کی بربریت کا حال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے سلاطین کو بدنام کیا جاتا ہے اور اب نہیں دیکھتے نا تمام حکومت میں کیا ہو رہا ہے کیا یہ ظلم نہیں کیا اس کو بربریت نہیں کہتے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو جہاں مسلمانوں کی

آبادی قلیل ہے ذبح کیا جارہا ہے پھر اسلام پر اعتراض ہے کہ تلوار کے زور سے اسلام پھیلا۔ اور اب یہ کیا ہو رہا ہے ایک ہی چیز اوروں کے لئے مذموم اور اپنے لئے محمود۔ یہ عجیب فلسفہ ہے۔

(۴۷۱) حجاج بن یوسف کا حال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حجاج بن یوسف نے بھی ظلم کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار لوگوں کو بندھوا کر قتل کرا دیا باوجود ان مظالم کے اس میں بھی ایک بات تھی یعنی بے حد اسلامی جوش تھا اور یہ قریب قریب سب ہی اسلامی سلاطین میں تھا اس سے کوئی خالی نہ تھا نیز ایک اور بات بھی تھی یعنی ایک شب میں تین سو رکعت نماز نفل پڑھنے کا معمول تھا۔ عجیب بات ہے اتنی رکعت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شب شب بیداری ہی میں رہتا تھا یہ اس وقت کے ظالموں کی حالت تھی اور قرآن مجید پر زیر زبر لگانے کی باقیات صالحات کا بانی ہونا اس کا مشہور ہے۔

(۴۷۲) مسائل سلوک قرآن سے ثابت ہیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی تحقیقات جو فن تصوف کے متعلق ہیں اور ان کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا گیا ہے (ان مسائل اور ان کے ماخذ کی فہرست ایک رسالہ کی شکل میں جس کا نام عنوانات التصوف ہے شائع ہو چکی ہے) اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تصوف بڑے درجہ کی چیز ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں جس فن کے مسائل قرآن سے ثابت ہیں کیا ٹھکانہ ہے اس کے علو درجہ کا ابن سعود نے میرا رسالہ التشرف دیکھ کر یہ کہا تھا ھذا یوافقنا اس کے قبل غلط تصوف ان کے کانوں میں پڑا تھا اس لئے وہ مسلم نہ تھا صحیح تصوف کو دیکھ کر موافقت کا اظہار کیا۔ یہ نجدی ابھی غیر وجدی ہیں ان میں ابھی یہی کسر ہے اگر وجدی بھی ہوتے خوب ہوتا۔

(۴۷۳) تبلیغ کے حدود

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے حدود ہیں اصول ہیں تو کیا تبلیغ کے حدود نہ ہوں گے جو دین کی اصل عظیم ہے۔ ثمرہ کے ظاہر نہ ہونے سے ہراس اور یاس کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھئے نوح علیہ السلام نو سو برس تک تبلیغ فرماتے رہے کل ستر اسی مسلمان ہوئے ان کو ذرہ برابر بھی ہراس نہ ہوا۔ برابر وعظ فرماتے رہے قوم کو دعوت الی اللہ دیتے رہے باوجودیکہ قوم کی طرف سے انکار ہوتا رہا اعراض اور سرکشی پر تلے رہے اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نوح نہ صد سال دعوت می نمود   دمبدم انکار قومش می فزود
ہیچ از قومش عنان واپس کشید   ہیچ اندر غار خاموشی خزید

(۴۷۴) تدابیر غیر مشروعیہ کی ممانعت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تدابیر کو کون منع کرتا ہے تدابیر کریں لیکن حدود میں رہ کر۔ البتہ تدابیر غیر مشروعہ غیر منصوصہ سے منع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تدابیر مباحہ میں غلو سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ غلو فی التدبیر سے توکل ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور یہ ضعف توکل تو تدابیر مباحہ میں غلو کرنے کا اثر ہے اور تدابیر غیر مشروعہ پر عمل کرنے اور پھر اس پر غلو کرنے کا جو نتیجہ ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے جس کا ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ پھر اس میں خیر و برکت کہاں نور کہاں۔

جب یہ نہیں تو مقصود میں کامیابی کیسے اس لئے کہ بدون نصرت حق اور اعانت حق کے منزل مقصود پر پہنچنا ایک امر محال ہے اور اس حالت میں نصرت حق کہاں۔ یہاں ایک مولوی صاحب آئے تھے بہت جوشیلے آدمی ہیں ساتھ ہی نیک نیت بھی ہیں۔ تحریکات حاضرہ میں نہایت سرگرمی سے کام کر رہے تھے ان سے گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ مسلمان نے جو طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے مجھ کو اس سے اختلاف ہے میں نے طریقہ کی قید اس لئے لگائی کہ مقاصد شرعیہ اور مسلمانوں کی فلاح اور بہبود سے کون ایسا مسلمان ہے جس کو اختلاف ہو۔ میں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مسلمانوں نے تدابیر غیر مشروعہ کو اپنی کامیابی کا زینہ بنایا ہے۔ اس صورت میں اول تو کامیابی مشکل ہے اور اگر ہو بھی گئی تو ہندوؤں کو ہوگی اور اگر مسلمانوں کو بھی ہوئی تو ہندو نما مسلمانوں کو ہوگی تم جیسے مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوگی اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مسلمان لیڈر نے اپنی تقریر میں یہ بیان کیا کہ اسلام کوئی ضروری چیز نہیں۔ ضروری چیز ترقی ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں بھیجا۔ فرعون تو ترقی یافتہ تھا اس میں کمی کس چیز کی تھی حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا کہ کسر کس چیز کی تھی۔ ایمان ہی کی تو کسر تھی۔ عرض کیا کہ پھر کیا کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ مسلمانوں کے واسطے جو زندہ ہیں ان کے لئے باہم اتفاق کی اور کفار پر غلبہ کی دعاء اور جو مردہ ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعاء اور کچھ نہیں ہو سکتا میں یہ سب کچھ تجربات کی بناء پر عرض کر رہا ہوں۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت پر نظر کر کے کہہ رہا ہوں میں یہ چاہتا تھا کہ قصبات اور دیہات میں کم سے کم مسلمانوں کی پنچائتیں قائم ہو جائیں یہ محض اس لئے کہ موقع اور وقت پر مدافعت کر سکیں اپنی حفاظت کر سکیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ سو یہ تو مسلمانوں کی حالت ہے جب اتنا بھی نہیں کر سکتے تو آگے ان سے کیا امید ہو سکتی ہے اور کیا ان کے بھروسہ کوئی کام کیا جا سکتا ہے ان تحریکات میں میری عدم شرکت کی منجملہ اور وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے یعنی مسلمانوں کی حالت سے کچھ امید نہ ہونا چنانچہ بہت سے حضرات نے کام کر کے تجربہ کر لیا اور تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ڈال دیا تھا کہ انجام یہ ہونا ہے۔ میں نے بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی صحبت اور ان کی دعاؤں کی برکت سے اپنا مسلک نہیں چھوڑا گو بظاہر خطرات بہت پیش آئے۔ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چاہے جس قدر کوشش اور سعی وجدوجہد کرو مگر اب تو ظلمت اور فساد ہی عالم میں بڑھے گا ہاں کوشش کرو ثواب ملے گا۔

(۴۷۵) مرض باطنی کا ایک سہل علاج

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جو کسی مرض باطنی کے متعلق تھا فرمایا کہ اس کا تو بہت سہل علاج ہے کہ جب کسی خرابی میں نفس کو مبتلاء دیکھا اس پر وعظ میں ایک مضمون بیان کر دیا اس ترکیب سے ان شاء اللہ تعالیٰ فوراً فضل ہوگا۔ یہ میرا تجربہ ہے اور میں نے ایسا کیا ہے کہ جہاں نفس میں کوئی گڑبڑ دیکھی وعظ میں اس پر ایک مضمون بیان کر دیا فوراً فضل ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کے بعد خلاف کرنے سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ ممبر پر بیٹھ کر دوسروں کو تو نصیحت کی اور خود عمل نہ ہوا اس لطیف تدبیر سے ان شاء اللہ تعالیٰ بڑا نفع ہوگا کر کے دیکھنے کی چیز ہے۔

(۴۷۶) آجکل کے توکل کی مثال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل توکل کا استعمال دین ہی کے کاموں میں رہ گیا دنیا کے کاموں میں کیسی سعی وکوشش جدوجہد دوڑ دھوپ کرتے ہیں پھر اگر اس پر بھی ناکام رہتے ہیں تو مایوس نہیں ہوتے۔ اس توکل کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی قوم نکاح کرنے چھوڑ دے اور توکل پر اولاد کی تمنا کرے تو کیا اس طرح منہ سے اولاد پیدا ہوگی اس پر ایک آیت کی تفسیر مقصود کی تائید کے لئے بیان کرتا ہوں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا

له لحافظون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ خود قرآن مجید کے محافظ ہیں تو اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ جب خدا تعالیٰ خود قرآن مجید کے محافظ ہیں تو پھر قرآن پاک کا پڑھنا لکھنا چھپوانا بھی چھوڑ دو کیا آج تک مسلمانوں نے ایسا کیا ہے میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ انا لـه لحـافظون کے معنے یہ ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایسے لوگ اور ایسی جماعت پیدا فرماتے رہیں گے کہ اس کی حفاظت کرتی رہے گی اسی طرح پر دین کے سب کاموں کو سمجھ لیا جاوے کہ ان میں توکل کرنا تدابیر سے مانع نہیں بلکہ توکل کے یہ معنے ہیں کہ تدابیر کرو اور اللہ تعالیٰ کو کارساز سمجھو کیونکہ تدبیر کا حکم بھی انہوں ہی نے کیا ہے جیسا قرآن مجید کی حفاظت کی تدابیر کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو محافظ اعتقاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس حفاظت کا حکم بھی انہوں ہی نے فرمایا ہے باقی دنیا کی تدبیر کرنا اور دین کو محض تقدیر و توکل پر چھوڑ دینا یہ بے ڈھنگا پن کیسا۔

۱۹ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم یکشنبہ

(۴۷۷) تھوڑی رقم بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

ایک سائل نے آ کر خرچ کا سوال کیا حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ کسی خاص رقم کا تعین ذہن میں رکھ کر سوال کر رہے ہو یا یہ خیال ہے کہ جو کم و بیش مل جائے گا اس پر راضی ہوں قبول کر لوں گا جو خیال تم ظاہر کرو اس کا جواب دوں۔ عرض کیا کہ جو آپ مناسب خیال فرمائیں میں اس پر راضی ہوں۔ فرمایا کہ اول تو یہ میری بات کا جواب نہیں اور پھر وہ بھی مری ہوئی زبان سے کہا۔ صاف بات کہو۔ دو آنہ چار آنہ اگر دیئے جائیں تو بخوشی لے لو گے یا نہیں۔ عرض کیا کہ لے لوں گا۔ فرمایا اب بات صاف ہوگئی۔ حضرت والا کو جو کچھ دینا تھا دیدیا وہ سائل لے کر چلا گیا۔ اس پر فرمایا کہ اگر یہ طرز اختیار نہ کروں تو ان کو جتنا بھی دیا جائے کبھی خوش نہ ہوں۔ پہلے میں کم رقم پر راضی ہونا معلوم کر لیتا ہوں اور وہ بھی تعین رقم کے ساتھ پھر اس سے زیادہ دیتا ہوں تو چونکہ امید سے زائد ملتا ہے اس لئے خوش ہو کر جاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعض لوگ چھوٹی رقم کو حقیر سمجھتے ہیں اس کے ملنے سے خوش نہیں ہوتے حالانکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ بعض اوقات اس کے نہ ہونے سے پریشانی ہو جاتی ہے۔ ایک مرتبہ خواجہ صاحب سفر میں تھے اسٹیشن سہارنپور پر ٹکٹ خریدنے کا ارادہ کیا تو ایک پیسہ کی کمی تھی اب کیا کریں مانگ کسی سے سکتے نہیں ملنے والا کوئی پاس نہیں مدرسہ اسٹیشن سے دور اور نوکری پر

حاضری اسی ٹرین سے سوار ہونے پر موقوف۔ اتفاق سے ان کی جیب میں ایک کارڈ نکل آیا اس زمانہ میں کارڈ کی قیمت ایک پیسہ تھی اس کو فروخت کرنے کے لئے مسافروں سے التجا کی کسی کو رحم آ گیا خرید لیا ورنہ ایک پیسہ بدون سارا کرایہ بیکار تھا۔ خواجہ صاحب کہتے تھے کہ اس روز معلوم ہوا کہ پیسہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ میں اس ہی لئے کسی سے اس کی سفر کی حالت میں ہدیہ لیتے ہوئے رکتا ہوں جب تک گنجائش کا پورا اطمینان نہ ہو جاوے کہ کہیں اس کو تکلیف نہ ہو اب تو محبت کے جوش میں دے رہا ہے ہوش آنے پر کہیں افسوس نہ ہو۔ بلکہ میں عموماً کہا کرتا ہوں کہ ہوش میں ہدیہ دینا چاہیے جوش میں نہ دینا چاہیے تاکہ پھر پچھتائے نہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ تو اپنے سفر میں بھی کسی سے ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ ہماری صورت دیکھ کر بیچارے کو جوش پیدا ہو گیا ہو پہلے سے ارادہ نہ ہو پھر تنگی ہو۔ اور ہدیہ کے متعلق ایک یہ بات بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو ہم کو حاجت مند سمجھ کر ہدیہ دے ہم نہیں لیتے کہ ذات ہے اس کو حق کیا کہ وہ ہم کو غریب سمجھے چاہے ہم غریب ہی ہوں اور جو شخص محبت سے دے لے لیتے ہیں۔ سبحان اللہ ان حضرات کے کیسے پاکیزہ اصول ہیں۔ ان کی ہر بات میں اپنی اور دوسروں کی راحت ہوتی ہے۔ یہی لوگ صوفی کہلائے جانے کے قابل ہیں یہی بڑا تصوف ہے کہ اپنے سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔

(۴۷۸) تشبہ اہل باطل کے حرام ہونے کا سبب

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض اہل لطائف نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مکاری سے صوفی بنے اور صوفیوں کی وضع اختیار کرے اس کی بھی تحقیر نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ تشبہ علامت اس کی ہے کہ اس کے قلب میں اس جماعت کی عظمت ہے کیونکہ تشبہ اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی قلب میں عظمت اور وقعت ہوتی ہے اور اسی سے تشبہ باہل باطل کا مسئلہ حل ہو گیا اور اس بناء پر علاوہ حدیث میں ہونے کے وہ مسئلہ خود نص قرآنی میں موجود ہے ارشاد فرماتے ہیں **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** یعنی مائل مت ہو تم ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا کبھی تم کو بھی آگ پہنچ جائے اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کی طرف میلان حرام ہے اور تشبہ بدون میلان قلبی کے ہوتا نہیں۔ قلب میں اول اس کی عظمت آتی ہے اور اس کے استحسان کا درجہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی طرف میلان ہوتا ہے اس کے اثر سے تشبہ ہوتا ہے۔ پس جب یہ میلان حرام ہے تو تشبہ بھی حرام ہے یہ ہے

وہ مسئلہ جس کو آج کل نیچری کہتے ہیں من تشبه بقوم فهو منهم سمجھ میں نہیں آتا۔ گورکھپور میں ایک مرتبہ جانا ہوا۔ وہاں پر بیان کیا گیا بڑا مجمع تھا۔ میں نے کہا کہ صاحبو یہ مسئلہ تشبہ کا صرف نقلی ہی نہیں عقلی بھی ہے۔ اگر کوئی جنٹل مین اپنی بیگم صاحبہ کا زنانہ رنگین جوڑا پہن کر اجلاس میں کرسی پر آ بیٹھے کیا خود اس کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ناگوار نہ ہوگا تو آخر ناگواری کی وجہ بجز تشبہ کے کیا۔ سو ایک عورت مسلمان جو دینداری میں شاید تم سے بھی بڑھی ہوئی اس کی تشبہ سے ناگواری ہوتی ہے۔ اور کفار فجار کے تشبہ سے ناگواری کیوں نہ ہو۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ جب ہم نے ترکی ٹوپی پہن لی تو سب لباس میں تو تشبہ نہ ہوا۔ میں نے کہا کہ ترکی ٹوپی پہن کر باقی لباس زنانہ پہن لو اور کہہ دو کہ ٹوپی تو ترکی ہے تو تشبہ کہاں۔ بات یہ ہے کہ تشبہ کبھی ناقص ہوتا ہے کبھی کامل اور دونوں مذموم ہیں گو دونوں کے درجہ میں تفاوت ہو۔

(۴۷۹) بدعات کا اثر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بدعات میں یہ اثر ہے کہ اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے عقل بالکل ظلمانی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اہل حق پر اعتراضات بے بنیاد کیا کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست مولوی صاحب سے کسی بدعتی نے کہا کہ تم جو مولد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو کھڑے ہو کر کرنے کو منع کرتے ہو تو ذکر رسول کی تعظیم سے منع کرتے ہو۔ مولوی صاحب نے خوب ہی جواب دیا۔ کہا نہیں ہم ذکر رسول کی تعظیم سے منع نہیں کرتے بلکہ ذکر اللہ کی بے تعظیمی سے منع کرتے ہیں کیونکہ اگر کھڑے ہو کر ذکر کرنا تعظیم ہے تو پھر حق تعالیٰ کا ذکر بیٹھ کر کیوں کرتے ہو وہ بھی کھڑے ہو کر کیا کرو پھر ہم قیام مولد سے بھی منع نہ کریں گے۔ عجیب ہی جواب دیا۔

۲۰ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم دوشنبہ

(۴۸۰) علوم سیاسیات میں مہارت کا مدار تجربہ پر ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علوم کا حصہ مسلمانوں ہی کو عطاء ہوا ہے میری بعض انگریزوں سے گفتگو ہوئی علوم سے قطعاً مناسبت نہیں اور انگریزوں ہی کو کیا سوائے مسلمانوں کے اور جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں کسی کو بھی علوم سے مناسبت نہیں اور اصل راز یہ ہے کہ علوم کے لئے ضرورت ہے نور کی اور وہ نور ہے ایمان۔ اور یہ سوائے مسلمانوں کے کسی کو حاصل نہیں۔ دوسروں میں حافظہ تو ہے لیکن نظر میں تعمق نہیں۔ ہاں علوم سیاسیات میں ماہر

ہیں سواس کا مدار تجربہ پر ہے۔ حقیقی علوم کی ہوا تک نہیں لگی ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل تو مریخ میں پہنچنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ جس روز یہ مریخ میں پہنچ گئے میں چند رکعتیں شکرانہ کی پڑھوں گا اگر یاد رہا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ کا کیا نفع۔ میں نے کہا کہ ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج سے انکار ہے۔ ہمارے پاس جواب ہوگا کہ وہاں موانع کے قائل ہو۔ اور تمہارے لئے وہ موانع کیوں مرتفع ہو گئے۔

(۴۸۱) زکام اور ذوکام

ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل حضرت کو زکام ہو رہا ہے۔ مزاحاً فرمایا کہ زکام اچھا ہے بے کام سے اس پر فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ میں اپنی علالت کی اطلاع نہیں کیا کرتا۔ اس خیال سے کہ میں تو اچھا ہو ہی جاؤں گا لیکن دوسرے لوگوں کو بوجہ محبت کے تکلیف ہوگی مگر بعض امراض اس قسم کے ہیں مثلاً کھانسی زکام یہ بدون بتلائے ہوئے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اب بوجہ آواز نہ نکلنے کے میں چاہتا ہوں کہ نماز نہ پڑھاؤں اور اصلی مذاق بھی یہی ہے کہ نماز کوئی اور پڑھا دیا کرے مگر ایسا کرنے سے عیادت کرنے والوں کا ہجوم شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایک وجہ مرض کے ظاہر نہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اس کی تو شہرت ہو جاتی ہے اور پھر صحت کی اطلاع نہیں پہنچتی دور دراز کے لوگ پریشان رہتے ہیں اس لئے حتی الامکان اس قسم کی تکلیف اور حالت کی اطلاع نہیں کرتا اس پر بھی اگر شہرت ہو جائے تو میں دوسروں کی تکلیف کا سبب نہ بنا۔

(۴۸۲) ڈھیلا اور ڈھالا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مدرسہ کی حالت آج کل ابتری کی ہے۔ اصل مقصود سے بعد ہو گیا ہے وہ طرز اور مسلک ہی نہیں رہا جو اپنے بزرگوں کا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان لکھا ہوا مدرسہ میں موجود ہے کہ جب تک مستقل آمدنی نہ ہوگی مدرسہ میں خیر و برکت رہے گی اور جب اس کا عکس ہوگا خیر و برکت نہ رہے گی۔ اب جب سے مدرسہ میں مستقل آمدنی ہوئی ہے اور اوقاف وغیرہ ہوئے ہیں روز بروز خیر و برکت کم ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ توکل کی حالت میں خدا پر نظر اور خدا پر بھروسہ ہوتا ہے جس کام میں خدا کا بھروسہ ہوگا اس کام میں خیر و برکت تو رہو گا ایک صاحب نے عرض کیا کہ مہتمم صاحب موجودہ حالت مدرسہ سے بہت تنگ ہیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ مہتمم صاحب ڈھیلے ہیں۔ بعض جگہ ڈھیلا ہونا مفید ہے اور بعض جگہ ڈھیلا ہونا مفید ہے اور ڈھیلا بھی پکا جو سر پھوڑ دے۔ ایک بزرگ سے ایک سانپ مرید ہوگیا ایک مرتبہ جو سانپ حاضر ہوا بزرگ نے دیکھا کہ تمام زخمی ہے مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بزرگ نے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ عرض کیا کہ حضرت کی بیعت کی برکت ہے۔ حضرت نے عہد لے لیا تھا کہ کسی کو ڈسنا مت۔ کاٹنا مت۔ میں نے کاٹنا چھوڑ دیا۔ کوئی نوچتا ہے کوئی کوچتا ہے کوئی پچھلے بدلے لیتا ہے۔ بزرگ نے فرمایا کہ کاٹنے ہی کو تو منع کر دیا تھا کیا پھنکار کو بھی منع کر دیا تھا تو مہتمم صاحب تو پھنکارتے بھی نہیں اس کا کسی کے پاس کیا علاج۔

(۴۸۳) بے ڈھنگا پن میں انتظام مشکل ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میری مدرسہ کی ایسی سرپرستی کہ جیسے بہادر شاہ بادشاہ کی حکومت تھی۔ ایک مرتبہ دھوبیوں نے بادشاہ کے یہاں نالش واٹر کی کہ چور ہمارے تمام کپڑے زبردستی جمنا کے گھاٹ سے چھین لے گئے حضور انصاف فرمائیں دریافت کیا گیا کہ جمنا کے اس کنارے سے یا اس کنارے سے۔ عرض کیا کہ اس کنارے سے۔ بادشاہ فرماتے ہیں کہ تم کو معلوم نہیں کہ ہماری عملداری جمنا کے اس کنارے تک ہے اس کنارے کپڑے دھونے تم لوگ گئے کیوں تو جیسے بہادر شاہ بادشاہ کی اس کنارے تک عملداری تھی ایسے ہی میری سرپرستی ہے ابھی کچھ نہیں نہ حدود ہیں نہ اصول۔ بے ڈھنگا پن ایسے کہیں انتظام ہوا کرتا ہے۔

(۴۸۴) شاہان سلف کے قلوب میں عظمت اسلام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاہان سلف اسلام کی عظمت اور وقعت قلب میں رکھتے تھے۔ اسلام کے شیدائی۔ کفار سے بغض تھا۔ سب میں زیادہ بدنام اکبر بادشاہ ہے بجائے اکبر کے اکفر کہا کرتے تھے۔ میں بھی بدگمان تھا مگر ایک تواریخ میں کچھ حالات دیکھ کر میں تو ڈر گیا۔ اب کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اب حجاج ہی کو دیکھ لیجئے کتنا بڑا ظالم اور حالت یہ ہے کہ ایک شب میں تین سو رکعت نماز نفل پڑھنا ثابت۔ اور ایک بات تو ایسی تھی حجاج میں کہ اور حجاج میں بھی شاید نہ ہو۔ حمیت اسلام جوش اسلام غیرت اسلام ان کی برائیاں اور خوبیاں اس طرح جمع ہو سکتیں ہیں جیسے حسین کے چہرہ پر کالک مل دی جائے تو اس کو حسین ہی سمجھا جائے گا اور کالک کو مبغوض۔ عمل کو مبغوض سمجھتا ہے اور عامل کو محبوب سمجھتا ہے من حیث الاسلام۔ اب کوئی قباحت نہیں رہی۔

(۴۸۵) غیر مسلم عوام کو علوم سے کسی قسم کی مناسبت نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ غیر مسلم اقوام کو علوم سے مناسبت ہے زبان تو ایسی چیز ہے کہ آ سکتی ہے گفتگو تو علوم میں ہے۔

(۴۸۶) خشم وخدم دلیل کمال نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل لوگوں نے ڈھونگ ایسے اختیار کر رکھے ہیں کہ اس سے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ خشم اور خدم ہیں اس کے لوگ معتقد ہو جاتے ہیں۔

(۴۸۷) فناء کی دو قسمیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے علوم کے مٹانے کے یہ معنے نہیں کہ خود علوم مٹ جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ علوم پر نظر کر کے جو دعویٰ ہے وہ مٹ جائے۔ اور فناء رذائل کے معنے یہ ہیں کہ وہ رذائل مضمحل ہو جائیں۔ تفصیل مقام کی یہ ہے کہ فناء کی دو قسمیں ہیں ایک فناء حسی ایک فناء علمی۔ فناء حسی رذائل کی ہوتی ہے یعنی وہ رذائل ہی فناء ہو جاویں۔ مگر بمعنے معدوم ہو جانے کے نہیں بلکہ بمعنے اضمحلال کے۔ مثلاً کبر، ریاء و بخل و حسد و کینہ بغض وعداوت وغیرہا۔ ان کا ازالہ بمعنے اعدام مقصود نہیں بلکہ ان کا امالہ مقصود ہے یعنی ان کے مواد گو باقی رہیں مگر ان کا مصرف بدل دیا جاوے مثلاً پہلے غصہ غیر محل میں ہوتا تھا اب محل میں ہونے لگا۔ اور غیر محل میں نہ ہونے کے معنے بھی یہ نہیں کہ زوال ہی ہو گیا بلکہ معنے یہ ہیں کہ اضمحلال ہو گیا یعنی داعیہ اتنا ضعیف ہو گیا کہ مقاومت آسان ہو گئی اور فناء علمی وجود کمالات اور تمام کائنات ماسوی اللہ کے ہوتی ہے یعنی یہ چیزیں اصلی حالت پر باعیانہا باقی رہتی ہیں مگر ان کی طرف التفات نہیں رہتا۔ علم بمعنے التفات منفی ہو جاتا ہے۔ پس ان کے مٹ جانے کے یہ معنے ہونگے کہ ان کی طرف التفات نہ رہے اور یہی حقیقت ہے وحدۃ الوجود کی جس کو ایک بہت برے عنوان سے جہلاء نے پیش کیا ہے۔ میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے وحدۃ الوجود کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آ جاوے گی اور اس مسئلہ سے جو وحشت ہے وہ جاتی رہے گی۔ دیکھئے ایک تحصیلدار کرسی پر بیٹھے ہیں۔ بڑے طنطنہ سے احکام ہو رہے ہیں کہ اس کو پکڑ لاؤ۔ اس کو بند کر دو۔ کہ دفعتاً کلکٹر تحصیل میں آ گیا۔ اب یہ تحصیلدار اپنے کو کیا سمجھے گا۔ یہی سمجھے گا کہ ہوں تو تحصیلدار مگر کلکٹر کے ہوتے ہوئے

کوئی چیز نہیں ایسے ہی کلکٹر اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا احکام کو اجراء کر رہا تھا کہ دفعتاً ویسرائے پہنچ گیا اور اب وہ کلکٹر کلکٹر ہے لیکن ویسرائے کے سامنے گویا اس کا وجود ہی نہیں اب اگر یہ ماتحت حکام ویسرائے کے ہوتے ہوئے اس کا قصد بھی کریں کہ اسی لہجہ اور طنطنہ کا استعمال کریں تو ہو نہیں سکتا بس اس غلبہ اور استحضار کا نام وحدۃ الوجود ہے اس میں اپنا وجود بایں معنی فانی ہو گیا کہ ایک بڑی ہستی کے ایسے استحضار سے اس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا گویا وہ وجود رہا ہی نہیں وہی ایک بڑا وجود رہ گیا اس لئے وجود کی وحدت کا حکم کر دیا گیا۔ دوسری مثال لیجئے کہ ابر میں سے ایک قطرہ پانی کا چلا جس کو اپنی ہستی پر نظر بھی تھی مگر جس وقت سمندر پر آتا ہے۔ اپنے کو بے حقیقت کالعدم پاتا ہے۔ تیسری مثال لیجئے شب میں جگنو کی چمک سب کو معلوم ہے۔ اسی طرح چراغ کی روشنی کو سب جانتے ہیں لیکن جب آفتاب رونما ہوتا ہے یہ سب بمنزلہ معدوم کے ہو جاتے ہیں۔ دن کو چراغ جلایئے اس کے متعلق مثنوی میں ہے کہ چراغ کا شعلہ ہے مگر اس قدر ضعیف النور کہ گویا معدوم ہے مختلف اعتبار سے باقی بھی ہے اور فانی بھی ہے یعنی ذات کے اعتبار سے تو باقی ہے اور آثار و انوار کے اعتبار سے فانی ہے یہ ہے وحدۃ الوجود جس کے نام سے لوگوں کو وحشت ہے اور جب اس کی صحیح تفسیر معلوم ہو گئی اب میں کہتا ہوں کہ بدون وحدۃ الوجود کے کوئی شخص مومن کامل ہی نہیں بن سکتا۔ اس پر اعتراض صرف جہل ہے۔ اب بحمد اللہ یہ مسئلہ بے غبار ہو گیا۔

۲۰ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم دوشنبہ

(۴۸۸) اہل حق کی جماعت میں نظم نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ آج کل اہل حق کی جماعت میں نظم نہیں اہل باطل کی جماعتوں میں نظم ہے لیکن باوجود اس کے کہ اہل حق میں نظم نہیں اس بدنظمی کے ہوتے ہوئے بھی حق تعالیٰ اہل حق کی غیب سے امداد فرماتے رہتے ہیں۔

(۴۸۹) حضرات مشائخ چشتیہ عشاق تھے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرات مشائخ چشتیہ کو بری طرح سے لوگوں نے بدنام کیا ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں آج تک بیچاروں کی کسی نے نصرت ہی نہیں کی اور وہ حضرات فانی تھے ان کو خود اس کی پروانہ تھی۔ مگر جواب کی حاجت تھی اس لئے میں نے ایک رسالہ مشائخ چشتیہ کی نصرت میں لکھا ہے۔ قابل دید رسالہ ہے اس کا نام ہے السنۃ الجلیہ فی

الچشتیہ العلیہ بات یہ ہے کہ یہ حضرات عشاق تھے اور عشاق کی معذوری کو صاحب حال ہی سمجھ سکتا ہے جس پر وہ حالتیں گزر چکی ہوں جو ان حضرات پر گزری ہیں وہی محسوس کر سکتا ہے دوسرے کو کیا خبر خصوصاً اس کو جو اس راہ اور کوچہ ہی سے نہ گزرا ہو۔

(۴۹۰) آجکل کے اہل تہذیب تعذیب ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اکثر جو اہل تہذیب کہلاتے ہیں میں ان کو اہل تعذیب کہا کرتا ہوں ان کے قلوب میں احکام شرعیہ کی بالکل عظمت نہیں ہوتی سوال بھی کرتے ہیں تو تمسخر کی راہ سے ایک شخص کہتے تھے کہ ایک صاحب نے جو انگریزی تعلیم یافتہ تھے ان شخص کو ریل میں وضوء کرتے دیکھ کر تمسخر کی راہ سے سوال کیا۔ کہ سفر کی نماز میں تو قصر ہے وضو میں قصر کیوں نہیں۔ اور مسائل شرعیہ پر عمل کرنے کو یہ لوگ اپنی تحقیر کا سبب سمجھتے ہیں حالانکہ اگر عقل ہو تو اس عمل سے عامل کی وقعت ہوتی ہے عظمت ہوتی ہے اثر ہوتا ہے مئو کے اسٹیشن پر مغرب کے وقت گاڑی آتی تھی سب نے وہیں نماز پڑھی تقریباً چار سو آدمی تھے۔ ہنود پر اس مجمع کا ایک خاص اثر تھا۔

(۴۹۱) باطنی استفادہ کا انحصار

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ باطنی استفادہ اس پر موقوف ہے کہ صاحب افادہ سے بے تکلفی ہو بدون بے تکلفی کے استفادہ نہیں ہوتا۔ یہ سب وجدانی اور ذوقی باتیں ہیں جو احاطہ بیان سے باہر ہیں۔

(۴۹۲) حضرت منصور علیہ الرحمۃ پر فتاوی علماء کی حقیقت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت منصور علیہ الرحمۃ پر جو علماء نے فتویٰ دیا اس کی کیا حقیقت تھی۔ فرمایا کہ ایک تاریخ دان صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ انا الحق کہنا ہی تاریخ سے ثابت نہیں اور نہ اس نام کے شخص کے ساتھ یہ وقعہ دار کا پیش آیا۔ حسین بن منصور ایک شخص ہیں ان کے ساتھ یہ واقعہ ہوا ہے۔ ان سے جو کلمات منقول لکھے ہیں وہ بھی موحش ہیں۔ باقی اصل بناء اس کی یہ ہے کہ ایک وزیر ان کا دشمن ہو گیا تھا اس نے علماء سے استفتاء کیا کہ ایک شخص کے یہ عقائد ہیں ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے۔ علماء نے استفتاء پر ضابطہ کا جواب شرعی لکھ دیا جو قضیہ شرطیہ کے حکم میں ہے علماء سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں

ہے۔ ویسے ہی لوگوں نے علماء کے سر تھوپا ہے۔ حکم شرعی بتلانا علماء کا منصب ہے۔ سوال کی ذمہ داری سائل پر ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

چوں قلم در دست غدارے فتاد لاجرم منصور بردارے فتاد

غداران نہیں فرمایا جس سے علماء مراد ہوتے۔ غدارے میں یائے وحدت ہے اشارہ ہے اس وزیر کی طرف اور قلم سے مراد فتوی کا قلم نہیں بلکہ تنفیذ کا قلم ہے جو حکام کا منصب ہے۔

(۴۹۳) انتظام شریعت اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے تو بعض کلمات اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ فرمایا کہ اگر انتظام شریعت کے لئے محی الدین ابن عربی کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تو اجازت تھی شریعت ایسی چیز نہیں کہ کسی ایک شخص کی جلالت کی وجہ سے اس میں رخنہ گوارا کر لیا جائے۔

(۴۹۴) احکام کا مکلّف ہونا عقل پر موقوف ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک غلطی اہل ظاہر سے یہ ہوتی ہے کہ سلامت حواس اور سلامت عقل کو ایک سمجھ لیتے ہیں اس سے دھوکہ ہو جاتا ہے بعضے لوگ مغلوب العقل ہوتے ہیں مگر ان کے حواس درست ہوتے ہیں جیسے جانور کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے۔ دوست دشمن کو پہچانتا ہے تو حواس اس کے درست ہیں لیکن چونکہ عقل کا وہ درجہ نہیں جو مدار تکلیف کا ہے اس لئے وہ مکلّف نہیں اسی طرح بعضے مغلوب العقل سلیم الحواس ہوتے ہیں اہل ظاہر ان پر نکیر کرتے ہیں کہ جب یہ شخص کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے تو نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ سو حقیقت یہ ہے کہ کھانے پینے کا تعلق حواس سے ہے اور احکام کا مکلّف ہونا عقل پر موقوف ہے وہ جس شخص میں نہ ہو وہ مکلّف نہیں پس جو مشائخ صاحب بصیرت ہیں وہ ایسے شخص کو معذور سمجھتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ہر فن کے متعلق اسی فن والا جان سکتا ہے۔ دوسرا نہیں جان سکتا۔ غیر محقق اہل ظاہر بعض اوقات اہل حال پر غلط حکم لگا دیتے ہیں جس میں غلطی کرتے ہیں۔ اہل ظاہر کے ذہن کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

(۴۹۵) طریق میں مناسبت اعظم شرائط سے ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں جو بعضوں کو اپنے سے جدا کر دیتا ہوں اس کا سبب کوئی

گناہ یا معصیت نہیں ہوتی بلکہ عدم مناسبت ہوتی ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ کونسی معصیت کی تھی لیکن خضر علیہ السلام سے جدائی کا اصل سبب عدم مناسبت ہی تھی اور یہ عدم مناسبت کبھی تو فطری ہوتی ہے وہ تو جا ہی نہیں سکتی اور ایک عوارض کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً جہل کے سبب عدم مناسبت ہو سو جہل ایک عارضی امر ہے۔ سو جو عدم مناسبت اس کی وجہ سے ہو وہ جا سکتی ہے مثلاً صحبت میں رہنے سے علم حاصل ہو گیا تو جہل دور ہو جاوے گا اور جو چیز حجاب بنی ہوئی تھی وہ جاتی رہے گی اور طریق میں مناسبت اعظم شرائط میں سے ہے بدون اس کے نفع نہیں ہو سکتا اور مناسبت کا معیار یہ ہے کہ اپنے مصلح کے کسی کام پر کسی بات پر الجھن نہ ہو اس کے حکم سے قلب پر گرانی نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ اعتراض یا شکایت قلب میں نہ پیدا ہو اور اگر ہو تو اگر درجہ وسوسہ تک ہے تو اس کی طرف التفات ہی نہ کرے اور اگر اس سے آگے ہے تو اس کو سود کر کے خواہ خود ورنہ اور کسی مبصر سے اس شبہ کو حل کر لے اور اگر یہ تفصیل حل کرنے سے بھی حل نہ ہو تو عدم مناسبت کی علامت ہے۔ کسی دوسرے مصلح سے تعلق کرے۔

(۴۹۶) حضرت حکیم الامتؒ کا مقام دوسرے مشائخ سے جدا تھا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مشائخ کے یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ ان کے یہاں دوستوں کی رعایت ہوتی ہے اور دشمنوں پر دانت پیستے ہیں اور میرے خیال میں دوستوں کی شکایت ہوتی ہے اور دشمنوں کے ساتھ رعایت اور چشم پوشی ہوتی ہے۔

۲۱ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم سہ شنبہ

(۴۹۷) انتظامی امور میں دوسری قوموں کی ایجادات کا استعمال جائز ہونے کی دلیل

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انتظامی امور میں دوسری قوموں کی ایجاد کردہ چیزوں کا اختیار کر لینا جائز ہے بشرطیکہ ان کا شعار قومی یا مذہبی نہ بن گیا ہو۔ جیسے حضرت سلمان فارسیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ شاہان عجم کی عادت ہے کہ جب دشمن کا خوف ہوتا ہے تو خندق کھود لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوائی اسی طرح یہ توپ بندوق یورپ کی ایجاد ہیں مگر ان کا استعمال اسی اصل پر جائز ہے۔

(۴۹۸) مرزا غلام احمد قادیانی اور انکار جہاد

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے مسئلہ جہاد کا بالکل ہی انکار کیا ہے۔ کہتا ہے کہ اسلام بھی ایسی وحشیانہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ فرمایا کہ اس سے کسی نے یہ نہ کہا کہ کیا وہ تعلیم وحشیانہ ہے جس پر تمام دنیا کے عقلاء کا اتفاق ہے تمام دنیا کی سلطنتیں اس پر متفق ہیں اور اتفاق بھی محض زبانی ہی نہیں بلکہ عملی صورت میں بھی ہر سلطنت اس پر کار بند ہے وہ یہ ہے کہ آخر باغیوں اور سلطنت کے مخالفوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا ہے اس کا یہی جواب ہوسکتا ہے کہ مدافعت کے لئے ایسا کرتے ہیں حفاظت خود اختیاری کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ یہی جواب مسلمانوں کی طرف سے ہے کہ جہاد اسلام کی مدافعت کے لئے ہے حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔ اسلام پھیلانے کے لئے نہیں اگر اسلام پھیلانے کے لئے جہاد ہوتا تو جزیہ مشروع نہ ہوتا۔ سو اس کی کیا وجہ کہ ایک ہی چیز یعنی جنگ مدافعت ایک جگہ یعنی اسلام میں مذموم۔ دنیوی اغراض میں محمود۔ یہ عجیب فلسفہ ہے کہ وطن پرستی محمود۔ ملک پرستی محمود سلطنت پرستی محمود اور اسلام پرستی محمود نہیں۔ ایک ہی چیز کے تم مرتکب ہو اس کو تو مہذب تعلیم کہا جاوے اور اسلام اگر اس کی اجازت دے تو اس کو غیر مہذب اور وحشیانہ تعلیم کہیں آخر مابہ الفرق کیا ہے۔ مگر معترضین بے سمجھی سے یہی گیت گاتے پھرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ اور سلاطین اسلام نے یہ مظالم کئے ان سے کوئی بطور الزامی جواب کے کوئی پوچھے کہ اب تم نے کیا کیا جہاں مسلمانوں کی قلیل آبادی دیکھی وہیں ذبح کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ تلوار کا چلانا کوئی اچھی بات تھی یا بری۔ اگر اچھی بات ہے اور اس لئے تم خود اس کے عامل ہوئے تو اسلام اور مسلمانوں پر کیا اعتراض ہے اور اگر بری ہے تو تم نے کیوں اختیار کی۔ اور اگر اسلام اور مسلمانوں کے لئے تو بری ہے۔ اور دوسروں کے لئے اچھی ہے تو اس فرق کو بیان کرو میں بھی سننے کا مشتاق ہوں۔ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ جہاد کی غرض کیا ہے اور اس کے بعد لا اکراہ فی الدین سے اشکال پیش کرنے والے تھے۔ میں نے کہا کہ جہاد اسلام پھیلانے کے لئے نہیں ہے۔ جہاد اسلام کے غلبہ کے لئے ہے کیونکہ ہمیں تبلیغ اسلام کا حق ہے اور وہ حق دوسروں کے غلبہ کی حالت میں اطمینان کے ساتھ نہیں ہوسکتا جب چاہیں اس کو روک سکتے ہیں اس لئے اسلام کو غلبہ کی ضرورت ہے اور غلبہ بدون جہاد یا جہاد کے خوف سے ادائے جزیہ کے نہیں ہوسکتا کہنے لگے کہ یہ غرض تو صلح سے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ میں نے کہا

کہ صلح میں مساوات ہوتی ہے جب چاہیں امن اور صلح کو برپا کر دیں اور توڑ دیں اور غلبہ کی حالت میں یہ نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاد سے مقصود اسلام کا یہ ہے کہ عالم سے فتنہ فرو ہو جائے حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله میں اس کی تصریح ہے اور فتنہ کا فرو ہونا موقوف ہے اسلام کے غلبہ پر اور غلبہ موقوف ہے جہاد یا خوف جہاد پر۔ پھر اس غلبہ کے بعد دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اور تواریخ اس پر شاہد ہیں کہ اور قومیں ایسے غلبہ کے بعد کیا کرتی ہیں اور اسلام کیا کرتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ کفار کو خود اپنی سلطنت اور حکومت میں بھی وہ چین اور راحت نصیب نہ تھی جو اسلام کے ماتحت رہ کر نصیب ہوئی اور جو برتاؤ وہ اپنی حکومت میں اپنی رعایات کے ساتھ کرتے ہیں اسلام میں ان کیساتھ اس سے بہتر برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے لئے احکام اسلام و مسائل اسلام دیکھو معلوم ہوگا کہ دوسری غیر مسلم اقوام اسلام کی سی رعایتیں پیش نہیں کر سکتیں۔ بات یہ ہے کہ اسلام اس ذات کے احکام کا نام ہے کہ جن کے یہاں باغیوں تک کے حقوق ہیں۔ کفار باغی ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ فرشتے ان کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔ سانپ بچھو سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ان کو کھانے اور پینے کو دیتے ہیں بس اسی ذات کے یہ کفار کے متعلق احکام مقرر کردہ ہیں یہ مذہب اسلام خدائی مذہب ہے۔ دیکھئے یہ مسئلہ ہے کہ عین قتال کے وقت جب کہ میدان کارزار میں تلوار چل رہی ہو اگر کوئی کافر جبکہ اس کے سر پر تلوار پہنچ گئی ہو کلمہ پڑھ لے فوراً ہاتھ روک لینے کا حکم ہے چاہے اس نے دھوکہ ہی دینے کے لئے کلمہ پڑھا ہو کیا کسی اور مذہب میں یہ مسئلہ ہے یہ حوصلہ کوئی دکھلا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدائی مذہب ہے خدا تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہیں ہماری قدرت میں ہیں اس کے مقابلہ میں یہ کیا کر سکتے ہیں۔ جس وقت اور جس طرح ہم چاہیں گے ویسا ہی ہو جائے گا خود ساختہ پرداختہ مذہب کا بانی کبھی ایسی بلند تعلیم کر سکتا ہے ہرگز ایسی تعلیم نہیں کر سکتا کہ جس سے اپنی جماعت اور مذہب بظاہر فنا کے درجہ کو پہنچ جائیں۔ یہی ایک مسئلہ مذہب اسلام کی صدق اور خدائی مذہب ہونے کی کافی وافی دلیل ہے۔ اور یہ جو اوپر کہا گیا کہ جہاد مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ جہاد میں ابتداء نہ کی جاوے۔ خود ابتداء کرنے کی بھی غرض یہی مدافعت وحفاظت ہے کیونکہ بدون غلبہ کے احتمال ہے مزاحمت کا۔ اس مزاحمت کے انسداد کے لئے اس کا حکم کیا جاتا ہے جس کی تفصیل وتوضیح اوپر کی گئی ہے خلاصہ یہ ہے کہ جو مدافعت غایت ہے جہاد کی وہ عام ہے مزاحمت واقعہ فی الحال کی مدافعت کو اور مزاحمت متوقعہ فی الاستقبال کی مدافعت کو۔

(۴۹۹) احکام شرعیہ میں تلاش اسرار کا حکم

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت احکام شرعی یا تکوینی میں حکمتیں اور اسرار تلاش کرنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ جہاں منع فرما دیا گیا اس کے جاننے کی کوشش کرنا حرام ہے جیسے مسئلہ قدر بعضے اسرار حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی مخفی ہیں۔

(۵۰۰) مجلس میں تقدم تاخر کا سبب

مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بعض حضرات اہل مجلس میں ملے جلے بیٹھے ہوئے تھے حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ دینی مجلس میں تقدم تاخر سے کسی کی فضیلت میں کمی نہیں ہوتی جیسے قرآن شریف میں آیات کے تقدم تاخر سے کسی آیت کی فضیلت میں کمی نہیں آتی۔ اسی طرح قرآن شریف کے اجزاء میں سورتوں میں بھی ترتیب کی وجہ سے تقدم تاخر ہے مگر کسی کی فضیلت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس پر خاقانی کا لطیفہ یاد آ گیا۔ خاقانی دہلی پہنچے۔ ایک روز سڑک پر جا رہے تھے۔ درباریوں میں سے کسی کا اس طرف گزر ہوا خاقانی کو اجنبی دیکھ کر پوچھا کہ کون کہا کہ منم ماعر۔ کہا ماعر چہ باشد کہا آنکہ معر گوید۔ کہا معر چہ باشد۔ خاقانی کہتے ہیں۔

رفتم بہ بازار خریدم یک گنا قل اعوذ برب النا ملک النا الہ النا

یہ قصداً کہا تا کہ میرا کمال معلوم نہ ہو کیونکہ یہ لوگ حسد کی وجہ سے اہل کمال کو دربار شاہی تک پہنچنے نہ دیتے تھے۔ درباری نے سوچا کہ بادشاہ کی تفریح کا خوب سامان ہاتھ لگا۔ اپنے ساتھ دربار میں لے گیا۔ چونکہ آزردہ حالت سے دربار میں پہنچے کسی نے بیچارہ کی طرف التفات بھی نہ کیا۔ زمین پر بیٹھ گئے اور بادشاہ کی طرف خطاب کر کے کہا۔

گر فروتر نشست خاقانی نے مرا ننگ و نے ترا ادب است

قل ھو اللہ کہ وصف خالق ماست زیر تبت یدا ابی لھب است

تمام دربار حیرت زدہ ہو گیا۔ بادشاہ بہت محجوب ہوئے اور فوراً حمام میں بھجوا کر غسل دلا کر جوڑا بدلوا دیا اور بڑے احترام کے ساتھ دربار میں جگہ دی۔ دیکھ لیجئے شادی وغیرہ کی تقریب میں مجمع ہوتے ہیں اجنبی مہمانوں کی سب طرح سے آؤ بھگت کرتے ہیں مگر گھر والوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں کہیں کھڑے ہوں کہیں بیٹھے حتی کہ کھانے تک کو بھی کوئی نہیں پوچھتا لیکن اس پر بھی گھر والوں کی فضیلت میں کوئی کمی

نہیں آتی بلکہ اور فضیلت بڑھتی ہے کہ یہ گھر والے ہیں یعنی اور باہر والے ہیں۔

ایک غریب اور ایک امیر کی گفتگو ہوئی۔ اس غریب نے سفر حج کے کچھ واقعات تکلیف کے بیان کیے تھے امیر نے کہا کہ تم ناخواندہ مہمان ہو۔ ناخواندہ مہمان کی ایسی ہی ذلت ہوا کرتی ہے ہم بلائے ہوئے مہمان ہیں۔ غریب نے کہا کہ یہ بات نہیں بلکہ ہم گھر کے ہیں تم باہر کے غیر ہو۔ گھر والوں کو کوئی نہیں پوچھتا کہ کھانا بھی کھایا یا نہیں اور مہمان کی مدارات ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مجلس میں ادنیٰ اعلیٰ جگہ کا خیال نہ کرنا چاہیے اس کو فضیلت یا نقص میں کوئی دخل نہیں۔

(۵۰۱) طریق سے بے خبری پر اظہار افسوس

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل تو لوگوں کا مذاق ہی بدل گیا۔ مقصود سے بہت دور جا پڑے طریق سے تو اس قدر بے خبری ہے کہ اہل علم تک اس بلاء میں مبتلاء ہیں عوام کی تو شکایت ہی کیا کی جائے جب لکھے پڑھوں کی یہ حالت ہے۔

(۵۰۲) حضرت حکیم الامتؒ کا غلط نام تبدیل کرنے کا معمول

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہندوستان میں اکثر نام غلط رکھے جاتے ہیں ایک شخص کا نام تھا پیر بخش۔ میں نے کہا کہ یہ تو نام اچھا نہیں۔ کہا کہ بدل دو۔ میں نے نام بدل دیا اور کبیر بخش رکھ دیا۔ اس میں من وجہ لفظی رعایت بھی ہے۔ ایک صاحب کا نام تھا محمد نبی۔ میں نے بدل کر رکھا محمد نبیہ۔ اس بدلنے پر یاد آیا کسی جنازہ کے لے جانے کے وقت زور سے آندھی چلی۔ ایک شاعر نے کہا مٹی خراب (یہ مادہ تاریخی ہے) ایک اہل دل بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان کے جنازہ پر ایسا مت کہو۔ یہ بھی تو کہہ سکتے ہو مات بخیر اس میں وہی حروف ہیں۔ اور تاریخ محفوظ ہے۔

(۵۰۳) ایک صاحب کی غلطی کی روک ٹوک پر برہمی کا خط

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک صاحب یہاں پر آئے تھے ان کی کسی غلطی پر روک ٹوک ہوئی ہوگی یا مواخذہ ہوا ہوگا وطن پہنچ کر لکھتے ہیں کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی اخلاق تھے۔ میں نے لکھ دیا کہ جہاں اخلاق ہوں وہاں جاؤ۔ مجھ بداخلاق کو چھوڑ دو۔ اب بڑھاپے میں مجھ کو سکھاتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ میں سیکھنے کا محتاج نہیں مگر یہاں آ کر جو محبت کا دعویٰ کیا تھا یہ اعتراض

اس کے تو خلاف ہے۔اس دعوے کو چھوڑ کر پھر یہاں آ کر کہیں کہ ہم سکھلانے آئے ہیں تب سنوں گا۔

(۵۰۴) عقل کے بغیر تعلیم کافی نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب گھر کی عقل انسان میں نہ ہو تو نری تعلیم سے کام نہیں چلتا اور اس حکایت کا مصداق ہو جاتا ہے کہ کسی آقا نے ایک ملازم رکھا اس نے کہا کہ مجھ کو ان کاموں کی جو مجھ سے لئے جاویں گے فہرست بنا کر دے دی جاوے۔ آقا نے فہرست بنا کر دے دی ایک روز آقا گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں سفر میں چلے یہ ملازم پیدل ہمراہ ہوا ایک جگہ کسی مقام پر آقا کے کاندھے سے دوشالہ کھسک کر گر گیا تو ان ملازم صاحب نے وہ فہرست نکال کر دیکھی اس میں کسی چیز کے گرنے کے بعد اٹھا لینے کو نہیں لکھا تھا آپ نے وہ دوشالہ نہیں اٹھایا آقا نے منزل مقصود پر پہنچ کر دیکھا کہ دوشالہ نہیں ہے ملازم سے دریافت کیا کہ میاں دوشالہ کا کیا ہوا۔ کہا حضور وہ تو فلاں مقام پر آپ کے کاندھے سے گر گیا تھا پھر اٹھایا کیوں نہیں۔ فہرست سامنے رکھ دی کہ دیکھئے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ اگر کوئی چیز گرے اس کو اٹھا لیا جائے۔ آقا نے کہا کہ وہ فہرست لاؤ یہ بھی لکھ دوں۔ لکھ دیا کہ اگر کوئی چیز گر پڑے اٹھا لی جائے۔ اب جب دوسری منزل پر پہنچے ملازم صاحب نے ایک گٹھڑی لا کر آقا کے سامنے رکھ دی آقا نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے کہا کہ حضور یہ گھوڑے کی لید ہے یہ کیوں لائے۔ کہا کہ حضور فہرست میں لکھا ہے جو چیز گرے اس کو اٹھا لیا جاوے۔ یہ لید گری میں نے اٹھا لیا۔ غرض جب کسی شخص میں سمجھ نہیں ہوتی اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اب ایسے بدفہموں کی کہاں تک اصلاح کی جائے۔ مزید برآں یہ کہ جب خود بھی اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو تو کوئی علاج ہی نہیں۔

۲۱ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم سہ شنبہ

(۵۰۵) پرانے اہل کمال مدعی نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پرانے اہل کمال مدعی نہیں اس لئے ان کے کمالات کا اظہار نہیں ہوتا اور آج کل کے یہ لوگ خود اعلان کرتے پھرتے ہیں اس سے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ بہت بڑے باکمال ہیں اور ایسے لوگوں کی بڑائی عوام الناس کے عقائد پر ہے اس لئے یہ بیچارے ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ وہ بدظن نہ ہو جائے وہ بدعقیدہ نہ ہو جائے۔ اچھا خاصہ عذاب ہے اور اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے۔

(۵۰۶) آجکل کے مدعی روشن دماغ دراصل خرد ماغ ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ آجکل کے بیدار مغز اور روشن دماغ جس قدر ہیں ان میں اکثر خردماغ ہیں ان لوگوں نے دین کو کھیل بنا رکھا ہے ذراہ برابر دین کی ان کے قلوب میں عظمت نہیں۔ بھائی اکبر علی مرحوم نے مولوی شبیر علی کو جب عربی پڑھانے کے لئے انتخاب کیا تو بھائی مرحوم کے ایک دوست نے ان سے کہا کہ ہم تو آپ کو روشن دماغ سمجھتے تھے۔ آپ نے یہ کیا کیا بھائی مرحوم نے جواب دیا کہ تمہارے دماغ میں گیس کا ہنڈا جل رہا ہوگا اس لئے تم روشن دماغ ہو گے مجھ کو تمام دنیا کی تحقیقات سے کچھ غرض نہیں۔ میں تو خود اپنے گھر میں دو چیزوں میں موازنہ کر رہا ہوں۔ ہم دو بھائی ہیں ایک نے علم دین حاصل کیا۔ میں نے انگریزی پڑھی مگر طمانیت قلب اور راحت جیسے میرے بھائی کو حاصل ہے وہ مجھ کو نہ دولت سے ہے نہ عہدے سے۔

(۵۰۷) غم وکلفت اور پریشانی دور کرنے کا مراقبہ

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس قدر کنج وکاوش اور رنج وغم کی کونسی ضرورت ہے میں اکثر ایک مراقبہ کا بیان کیا کرتا ہوں جس میں تمام غموں اور کلفتوں اور پریشانیوں کا علاج ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ متحضر ہو جائے کہ حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں (اور یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ ہر مومن سے محبت کرتے ہیں واللہ ولی المؤمنین نص ہے) تو تمام غموم کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کو کوئی کر کے دیکھے معلوم ہوگا کہ تمام غم اور حزن ہباء منثوراً ہو گئے یا نہیں۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے اور دیکھ لیجئے کہ بچہ کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ ماں کو مجھ سے محبت ہے مجھ کو چاہتی ہے۔ پھر ماں بہت سی باتیں ناگوار بھی کرتی ہے۔ مار پیٹ تک کر لیتی ہے لیکن اس ناگوار باتوں کے ہوتے ہوئے بھی بچہ کو اطمینان ہوتا ہے اور ماں کی محبت کی ایک خاص شان ہوتی ہے کہ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ بچہ کو میری قدر بھی ہوگی یا نہیں۔ برابر بچہ کو نفع پہنچاتی رہتی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بندہ کو نفع پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کو بھی اس کی پرواہ نہیں کہ بندہ قدر کرے گا یا نہیں بس ایسی محبت کا مراقبہ کیا کرے۔ یہ میں ساری عمر کا تجربہ بیان کر رہا ہوں جس قدر نفع اس مراقبہ سے ہو سکتا ہے غالباً اور کسی مراقبہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس میں سارے غموں کا ازالہ ہے۔ کوئی غم ہو۔ پریشانی یا رنج ہو سب کا علاج اس مراقبہ میں ہے عجیب وغریب مراقبہ

ہے لیکن کر کے دیکھنے کا ہے بدون کئے کوئی کام نہیں ہوا کرتا۔

(۵۰۸) قلب کو تشویشات سے بچانے کا ایک آسان گر

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک بڑی بات سمجھادی میں اس کو ایک بہت بڑی نعمت اور دولت سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تفتیش کو قلب سے نکال دیا گیا۔ مثلاً فلاں معاملہ کی کنہ کیا ہے اوروں کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہو رہا ہے اور اُن کی کنہ کیا ہے ہمیں اس سے کیا غرض کہ کنہ کیا ہے۔ میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ مثال توضیح کے لئے ہوا کرتی ہے۔ شفاخانہ میں مریضوں کی چارپائیاں برابر بچھی ہوئی ہیں۔ ایک مریض کہتا ہے کہ ڈاکٹر نہایت رحمدل اور خوش اخلاق ہے اس کے علاوہ تمام مریض شکایت کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نہایت خونخوار اور سخت دل ہے تو اب یہ مریض جس کے ساتھ ڈاکٹر نے رحمدلی اور نرمی کا برتاؤ کیا ہے یہ کبھی اُس شکایت سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ سمجھے گا کہ اول تو وہ ایسا ہے نہیں اور اگر بفرض محال ہو بھی تو میرے ساتھ تو اچھا ہی برتاؤ کر رکھا ہے ایسے ہی یہاں سمجھ لیجئے کہ اپنے ساتھ حق تعالیٰ کے لطف و عنایت کا استحضار کر کے دوسروں کی مصیبت پر غور و فکر نہ کرے کہ یہ اس میں کیوں مبتلا ہیں اور اگر اپنے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے اگر اُسکے اچھے ہونے میں شبہ ہو تو یہ سمجھ لے کہ حق تعالیٰ اپنی مصلحت کے موافق بندہ کے ساتھ برتاؤ کریں۔ بندہ کی مرضی کے موافق نہ کریں جیسے بچہ کو ٹھے پر جانا چاہے اور ماں اُسکو روکے تو یہاں ماں کی مصلحت بچہ کی حفاظت ہے اپنی ذات سے اُس مصلحت کا کوئی تعلق نہیں اگر بچہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جاوے تو سوائے ہلاکت کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ اسی طرح ساری مصیبتوں کی جڑ اور سب سے بڑی غلطی بندہ کی یہ ہے کہ یہ اپنے علم کو محیط سمجھ کر بندہ بن کر رہنا نہیں چاہتا اپنی سمجھی ہوئی مصلحت سمجھتا ہے بس اس کی اصلاح کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی مصلحت کو مصلحت سمجھتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کا ہر برتاؤ لطف و عنایت نظر آویگا پھر اوروں کے ساتھ جو حق تعالیٰ کا معاملہ ہے اُس میں زیادہ غور و فکر نہ کرے گا۔ مثلاً ایک شخص کے کیڑے پڑ رہے ہیں رو رہا ہے چلا رہا ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ اسکے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے۔ یا ایک بچہ ہے اس کے ماں باپ مر گئے اس پر یہ شبہ ہو کہ اب اس کا کون ہے یہ چیزیں قلب کو مشوش کرنے والی ہیں بس خیر اسی میں ہے کہ یوں سمجھے کہ ہمارے ساتھ تو اچھا برتاؤ کر رہے ہیں ہمیں ساری دنیا سے کیا غرض کچھ وجہ ہوگی ہم کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ سب علاج ہیں تدابیر ہیں قلب کو تشویش سے

بچانے کے لئے۔اب دیکھئے حاکم وقت ہے جیل میں قیدیوں کے بید لگوا رہا ہے مگر جس سے حاکم کا عنایت کا تعلق ہے کبھی اس شخص کو وسوسہ بھی نہ آئیگا کہ دوسروں کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے اس وقت یہی سمجھے گا کہ میرے ساتھ تو اچھا برتاؤ ہے مجھے اپنے کام سے کام مجھے ساری دنیا سے کیا بحث۔ میں اس لئے کہا کرتا ہوں کہ بعض علوم حجاب اکبر بن جاتے ہیں اور بعض تحقیقات سدراہ بن جاتی ہیں آدمی کو بالکل ایسا ہو کر رہنا چاہئے جیسے اسکو کچھ معلوم ہی نہیں اُسوقت اس کی شان بچہ کی سی ہو جائے گی کہ وہ ہر حال میں محبوب ہوتا ہے اس کا غصہ بھی محبوب رونا بھی محبوب اور اس کی ان ہی اداؤں کے دیکھنے کی غرض سے کبھی بچہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں کبھی کان پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں کبھی کوئی چیز دیتے وقت ہاتھ اِدھر اُدھر کر لیتے ہیں جو بظاہر منع ہے مگر مقصود عطاء ہے اس طرح حق تعالیٰ کا محبوبین کیلئے منع بھی عطا ہے۔ پس سلامتی اس عبدیت میں ہے اسکو چھوڑ کر آدمی کیوں اس فکر میں پڑے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے۔ ایسی تدقیقات اور علوم سدراہ ہوتی ہیں یہاں پر عقل سے کام نہیں چلتا۔ عقل کی پرواز کے بھی پر قینچ ہیں۔ جیسے گھوڑا دامن کوہ تک جا سکتا ہے آگے بلندی پر نہیں جا سکتا کہ ایک خاص حد تک پہنچ کر آگے معطل ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آزمودم عقل دور اندیش را — بعد ازین دیوانہ سازم خویش را

(۵۰۹) اعتراض کرنا سب سے آسان کام ہے

ملفوظ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون سا مشکل کام ہے ایک بڑے سے بڑے انجینئر کی تعمیر اور تجویز کردہ نقشہ پر ایک لنگوٹیا سو اعتراض کر سکتا ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اعتراض کس درجہ کا ہے۔ دیکھنا معقولیت عدم معقولیت کا ہوتا ہے۔ ایک آریہ نے مسئلہ تقدیر میں شبہ کیا تھا ایک صاحب نے بغرض جواب وہ شبہ مجھ تک پہنچایا۔ میں نے کہا کہ یہ مسئلہ عقلی ہے کیونکہ اسکے مقدمات عقلی ہیں اس کو ہم ثابت کر سکتے ہیں جب عقلی ہے تو عقلی ہونے کی حیثیت سے یہ مسئلہ مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں تمام مذاہب سے اس مسئلہ کا تعلق ہے پھر ہم سے کیوں مطالبہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے بھی غور کریں ہم بھی غور کریں جس کی سمجھ میں آجاوے وہ دوسرے کو بھی بتلادے اگر کسی کی سمجھ میں نہ آوے سب صبر کریں۔ اسلام ہی کے ساتھ یہ مسئلہ خاص نہیں اس لئے کسی کا منہ نہیں کہ اس مسئلہ کی بناء

پر اسلام پر اعتراض کرے۔ میں ایک مثال پر عرض کرتا ہوں اس سے سمجھ لیجئے۔

ایک جائداد ہے مشترک ایک تو اُس میں پندرہ آنہ کا مالک ہے اور ایک ایک آنہ کا مالک ہے کوئی مقدمہ اُس جائداد کے خلاف قائم ہو جاوے اور ایک آنہ والا پندرہ آنہ والے سے کہے کہ مجھ کو تو کچھ فکر نہیں۔ تم کچھ کرو۔ وہ کہے گا تم کیا کہتے ہو تم کو تو زیادہ فکر چاہئے اس لئے کہ تمہارا ایک ہی آنہ ہے اور میرے پندرہ آنہ ہیں جاتے جاتے بھی میرے آٹھ سات آنہ تو رہینگے اور تمہارا گیا تو کچھ بھی نہ رہے گا اس لئے قلیل والے کو زیادہ فکر کی ضرورت ہے اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ اس مسئلہ میں دوسرے مذاہب کو بھی زیادہ غور اور فکر کرنا چاہیے۔ مسئلہ تقدیر کو مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص سمجھ لینے کی کیا وجہ۔

(۵۱۰) حسن حسین اور محسن کا ترجمہ

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت امام حسینؓ کا نام ہے شبیر۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں کے نام ہیں شبیر، شبر، مشبر ان کا ترجمہ ہے۔ حسین، حسن، محسن یہ سریانی یا عبرانی زبان ہے جس کا یہ ترجمہ ہے۔

۲۲ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۱ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم چہار شنبہ

(۵۱۱) مسلمانوں کو اجتماعی حالت کی ضرورت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ خیال لوگوں کا غلط ہے مسلمانوں میں بحمد اللہ اب بھی سب کچھ ہے۔ صرف ایک چیز کے نہ ہونے سے کچھ نہیں معلوم ہوتا وہ یہ کہ ان کی اجتماعی حالت نہیں۔ ورنہ اور کیا چیز نہیں کس چیز کی کمی ہے۔ علم بھی ہے عقل بھی ہے فہم بھی ہے مال بھی ہے جائیداد بھی ہے شجاعت اور قوت بھی ہے جوش و خروش بھی ہے۔ حمیت اسلام غیرت اسلام بھی ہے۔ ساتھ ہی میں سکون اور صبر بھی ہے اگر نہیں تو محض اجتماعی حالت نہیں۔ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ کے بندہ بڑے بڑے کونوں میں پڑے ہیں۔ اس وقت بھی مسلمان ایسے گرے ہوئے نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔

(۵۱۲) اصول صحیحہ عجیب چیز ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصول صحیحہ عجیب چیز ہے اس کو جو بھی

اختیار کرے گا راحت پائے گا اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں جیسے ایک سڑک اعظم ہے جو پختہ ہے دونوں طرف سایہ دار درخت کھڑے ہیں اب اس پر جو بھی چلے گا راحت اور آرام پائے گا۔ اس میں شیخ، سید مسلم غیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔ ان اصول میں سے ایک یہ ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ جوش کے ماتحت کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ ہوش کے ماتحت کام کرنا چاہیے ہاں جوش سے اعانت تو ضرور ہوتی ہے لیکن کافی نہیں۔ اس جوش کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے انجن کو خوب گرم کر دیا جائے کھڑا ہوا پھوں پھاں کرتا رہے گا اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اب ضرورت ہے ہوش کی کہ کل کو گھمایا جائے اب راستہ قطع کر سکتا ہے اسی طرح جوش اعانت تو کر سکتا ہے مگر کافی نہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض نے تمنا تو کی ہے جوش کی۔ فرمایا کہ جی ہاں تمنا تو کی ہے مگر اہتمام نہیں۔ عرض کیا کہ کیا جوش کی دعا بھی کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ کر سکتے ہیں جائز ہے کیونکہ اس میں بھی ایک بات ہے وہ یہ کہ بدون جوش کے کام میں دشواری ضروری ہوتی ہے لیکن یہ بھی کوئی ضرر نہیں اول تو انسان مشقت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور مشقت پر اجر کا بھی وعدہ ہے۔

(۵۱۳) استباق کا ترجمہ کبڈی بالکل غلط ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ڈپٹی نذیر احمد نے جو استباق کا ترجمہ کیا ہے کبڈی بالکل غلط ہے۔ کبڈی میں مسابقت نہیں ہوتی کہ آگے بڑھنے کے لئے دوڑتے ہوں اور اگر صحیح بھی ہوتا تب بھی اس میں ایک نقص ہوتا وہ یہ کہ قرآن پاک کا ترجمہ ایسا ہونا چاہیے کہ اگر قرآن پاک کا اردو میں نزول ہوتا تو ان ہی الفاظ میں ہوتا جیسے بادشاہ کا کلام عامیوں سے ممتاز ہوتا ہے اس میں شوکت اور عظمت کے الفاظ ہوتے ہیں۔ سو غور کر لیجئے کہ اگر قرآن پاک کا نزول اردو میں ہوتا تو اس میں کبھی کبڈی کا لفظ نہ ہوتا یہ تو ایک بازاری اور عامی لفظ ہے اور ترجمہ میں شاہی محاورات ہونے چاہئیں مگر مصیبت تو یہ ہے کہ آج کل ہر شخص مصنف بنا ہوا ہے اور خبر خاک کی بھی نہیں۔